المیہ جمعرات
محمد تیجانی سماوی
حسن علی بک ڈپو

المیۂ جمعراتؑ

محمد تیجانی سماویؒ

محبان امام زمانہؑ
گاڑی کھاتہ حیدرآباد

نام کتاب دوم ---------- المیۂ جمعرات

تالیف ---------- محمد تیجانی سماوی (تیونس)

مترجم ---------- مقصود احمد انصاری

ناشر ---------- محبان امام زمانہؑ

فہرست مضامین المیۂ جمعرات

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَالْاِكْرَامُ عَلٰى

سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ

وَاَهْلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْمَعْصُوْمِيْنَ

الَّذِيْنَ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ

الرِّجْسَ وَ طَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا

وَ غَضَبَ اللّٰهُ عَلٰى اَعْدَآئِهِمْ

اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ○

قارئینِ کرام!

ہر دَوْر میں مسئلۂ امامت و خلافت کے متعلق اہلِ عِلم نے کتابیں تصنیف کیں اور مقالات لکھے اور یہ مقالات سال کے چار موسموں کی طرح یکے بعد دیگرے لکھے جاتے رہے۔

شہرستانی نے " المِلَل وَالنِّحَل " میں بالکل بجا لکھا ہے کہ اُمّتِ اسلامیہ میں مسئلۂ خلافت پر جس قدر نِزاع ہوا ہے اتنا نِزاع کسی دُوسرے مسئلہ پر دیکھنے میں نہیں آیا۔

میں نے اپنی سابقہ کتابوں میں ان عوامل پر کافی بحث کی ہے جو مسلمانوں کی بدنصیبی اور زوال کا سبب بنے، اور بِحَمْدِاللہ میری کتابوں کو قارئین کرام کے ایک طبقہ میں کافی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اس پذیرائی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ میں خود زندگی کے ایک طویل عرصہ تک اندھی تقلید میں مُبتلا رہا اوردل میں اُٹھنے والے سوالات کو زبان پر لانے کی جُرأت نہیں کرسکتا تھا۔ پھر اللہ تعالی نے مجھ پر خاص کرم کیا اور اس اندھی تقلید کے حلقہ سے مجھے باہر نکالا اور حقیقت کی معرفت عطا فرمائی اور اِدراکِ حق میں مانع پردوں اور حجابات کو میری نگاہوں سے دور کردیا۔

اس نعمتِ غیر مُتَرَقّبہ کے شکرانے کا تقاضا بنتا تھا کہ میں حق کا دفاع کروں۔ اور اپنے قلم، زبان اور ہاتھ کی تمام تر توانائیوں کو کام میں لاکر حق کی نصرت کروں۔

الغرض یہ کتاب اسی شکرانہ نعمت کے طور پر لکھی گئی ہے ۔ اور آپ نے اس کتاب کا ایک طویل عرصہ تک انتظار کیا ۔ جس کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں ۔ جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا تو بہت سے افراد مجھ پر خفا بھی ہوئے ، جب کہ حق پرست احباب نے میری حوصلہ افزائی بھی فرمائی ۔

ناراض اذہان نے مجھ پر بعض غیر ملکی طاقتوں کے ایجنٹ ہونے کا بھی الزام لگانے سے گریز نہیں کیا ۔ اور حوصلہ شکن حالات کے باوجود میں بلا خوف لومۃ لائمہ کتاب لکھنے میں مصروف رہا اور اس کے ساتھ میں نے دل و دماغ میں یہ فیصلہ کیا کہ دنیا کے ہر الزام کو برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن ضمیر اور حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا ۔

موجودہ کتاب " المیۂ جمعرات " اس درد کی داستان ہے جسے سیکڑوں برس بیت چکے ہیں ۔ لیکن اُمّتِ اسلامیہ کے وجود میں آج بھی اس دُرد کی ٹیسیں محسوس ہو رہی ہیں اور جب تک سلسلۂ روز و شب باقی ہے اس کا درد محسوس ہوتا رہے گا ۔

آپ اس ہولناک منظر کو ذہن میں لائیں! یہ وہ وقت تھا جب خَاتَمُ النَّبِیِّیْن حضرت محمّد مصطفیٰ صَلّی اللہُ علیہ وآلِہٖ وسلم کی ظاہری زندگی کا چراغ بجھنے والا تھا ۔ رسولِ خداؐ نے اسامہ بن زیدؓ کو امیر لشکر مقرر کیا ۔ خلفائے ثلاثہ اور دیگر اکابر صحابہ کو اس لشکر میں جانے کا حکم صادر فرمایا ۔ لیکن خلفائے ثلاثہ نے لشکر کی روانگی میں جان بوجھ کر تاخیر کرائی اور یہ کہہ کر لشکر کو جانے سے روکتے رہے کہ "حضور اکرمؐ کی طبیعت ناساز ہے " اور ادھر حضور اکرم صلّی اللہُ علیہ وآلِہٖ وسلم کے گھر سے اُمّ المومنین عائشہ انہیں لمحہ لمحہ کی خبر دے رہی تھیں ۔

اُمُّ المُومنین اپنے والد محترم کو اس لیے خبریں فراہم کر رہی تھیں کیونکہ وہ چاہتی تھیں کہ ان کے والد مدینہ آکر مسلمانوں کو نماز پڑھائیں ۔ اور پھر ان کی " امامت صلاۃ " کو بنیاد بنا کر انہیں خلافتِ رسولؐ کا حقدار ثابت کیا جائے ۔

جنابِ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلِہٖ وسلم سخت تکلیف میں تھے ۔ انھوں نے

جب لوگوں کا شور و غوغا سنا تو پوچھا کہ معاملہ کیا ہے ؟ اس وقت آپؐ کو بتایا گیا کہ ابو بکر نماز پڑھا رہے ہیں ۔

جب آپؐ نے یہ الفاظ سنے تو اپنا تمام جسمانی درد بھول گئے اور حکم دیا کہ انہیں سہارا دے کر مسجد میں لے جائیں ۔ ارشاد نبویؐ سن کر حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو سہارا دیا ۔ آپ ان کے کندھوں کا سہارا لے کر مسجد میں آئے اور آتے ہی حضرت ابو بکر کو مصلائے امامت سے پیچھے ہٹا دیا اور خود مسلمانوں کو نماز پڑھائی ۔

جناب رسول خداؐ نے خود جماعت کرا کے مزعومہ خلافت و فضیلت کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر کر رکھ دیں اور اس گروہ کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ امامت نماز کا بہانہ کر کے خلافت کا دعویٰ کر سکے ۔ حضرت سیدالانبیاءؐ نے لشکر اسامہ سے روگردانی کرنے والوں پر کھلے لفظوں میں اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا بلکہ نفرین فرمائی ۔

انہی دنوں مدینہ طیبہ میں ایک سانحہ پیش آیا :

جمعرات کا دن تھا ۔ جناب رسول خداؐ بیماری کی وجہ سے بے تاب تھے اور لشکر اسامہ سے روگردانی کرنے والے افراد حضور کریمؐ کے بیت الشرف میں بظاہر عیادت کرنے آئے ہوئے تھے اور اس گروہ میں حضرت عمر بن خطاب نمایاں تھے ۔

حضور اکرمؐ نے حاضرین سے کاغذ اور قلم طلب فرمایا تاکہ امت کو ہمیشہ کی گمراہی سے بچایا جا سکے اور اس کے ساتھ ارشاد فرمایا ۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَبَدًا وَّلَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ ۔

میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں: اللہ کی کتاب اور اپنی عترت اہلِ بیتؑ ۔ تم جب تک ان دونوں سے تمسّک رکھو گے ، میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے ۔ یہاں تک کہ

میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔

حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے فرمان کو ٹھکرا کر کہا " حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه " ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے اور یہ کہ محمدؐ اس وقت ہذیان کہہ رہے ہیں (نعوذ باللہ)

حضرت عمر کے الفاظ سے آنحضرتؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا " قوموا عنی " میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔

جب حضور اکرمؐ کی زندگی میں ہی آپ کے فرمان کو لائق اعتنا نہیں سمجھا گیا تو آپ کے بعد آپ کے فرامین پر کیا عمل ہوا ہو گا؟

حضرت عمر کے جواب کو کسی طرح سے بھی حُسنِ نیّت یا اجتہاد پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

اس درد ناک واقعہ کی تفصیل اور علمائے اہل سنت کی جانب سے جو جوابات دیئے گئے ہیں اور وہ جواب جتنے کمزور ہیں، اس کے لیے ہم اپنے محترم قارئین کے سامنے علامہ سیّد عبدالحسین شرف الدین اعلی اللہ مقامہ کی کتاب " اَلنَّصّ وَ الاِجْتِهاد " اور " المُراجَعات " سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

حدیثِ قرطاس

اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اصحاب صحاح اور اصحاب مسانید اور اہل سیر و تاریخ رقم طراز ہیں۔

ہم بحث کی ابتدا امام بخاری سے کرتے ہیں:

امام بخاری اپنی اسناد سے عبید اللہ بن عبداللہ بن مسعود سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ: رسولِ خدا صلّی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلم کا وقت آخر تھا اور اس وقت گھر میں بہت سے افراد جمع تھے جن میں عمر بن خطاب بھی موجود تھے۔

رسول اللہ صلّی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: "میں تمہیں ایسی تحریر لکھ کر دوں کہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو گے۔"

حضرت عمر نے کہا نبیؐ پر درد کا غلبہ ہے۔ تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

اس پر گھر میں بیٹھے ہوئے افراد تکرار کرنے لگے۔ کچھ کہتے تھے کہ قلم دوات لاؤ تاکہ حضورؐ تمہیں وہ چیز لکھ دیں جو تمہیں گمراہی سے بچا سکے اور کچھ لوگ وہی کچھ کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا۔

جب حضور اکرمؐ کے پاس شور و غوغا زیادہ ہوا تو آپ نے فرمایا: "میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔"

عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ: سب سے بڑا المیہ اور سانحہ یہی ہوا کہ لوگوں نے اپنے اختلاف اور شور و غوغا کی وجہ سے حضورِ اکرم صلّی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلم کو نوشتہ لکھنے سے روک دیا۔ اسی حدیث کو امام مسلم نیشا پوری نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں "کتابُ الوصیۃ" کے آخر میں درج کیا ہے۔

اسی روایت کو امام احمد بن حنبل نے ابن عباس کی زبانی نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں بے شمار اصحابِ سُنَن و اخبار نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

اور اکثر مُحدّثین نے " اِنَّ النَّبِيَّ لَيَهْجُرُ " کے الفاظ میں بے ادبی اور گستاخی کی جھلک دیکھ کر اس میں تصرّفِ معنوی سے کام لیتے ہوئے " اِنَّ النَّبِيَّ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ " یعنی (حضورؐ پر درد کا غلبہ ہے) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر حضورؐ کے فرمان کو لفظ "ہذیان" سے تعبیر کیا تھا۔

لیکن بعد میں آنے والے محدّثین نے اس لفظ کی کراہت کو کم کرنے کے لیے دوسرے الفاظ تراشے۔

ہمارے اس دعوی کی تصدیق کے لیے ابو بکر احمد بن عبدالعزیز الجوھری کی

کتاب "کتابُ السقیفہ" کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ مذکور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: " لَمَّا حَضَرَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) اَلْوَفَاةُ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيْهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِيْتُوْنِيْ بِدَوَاةٍ وَّصَحِيْفَةٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّاتَضِلُّوْنَ بَعْدَهٗ قَالَ : فَقَالَ عُمَرُ كَلِمَةً مَعْنَاهَا اِنَّ الْوَجعَ قَدْغَلَبَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) ثُمَّ قَالَ عِنْدَنَا الْقُرْآنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ مِمَّنْ فِي الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْ قَآئِلٍ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمُ النَّبِيُّ (ص) وَمِنْ قَآئِلٍ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَكْثَرُوْا اللَّغَطَ وَاللَّغْوَ وَالْاِخْتِلَافَ غَضِبَ (ص) فَقَالَ قُوْمُوْا۔ (الحدیث)

"جب رسولِ خدا کا آخری وقت آیا اس وقت گھر میں بہت سے افراد موجود تھے۔ ان میں عمرُ بن خطاب بھی تھے۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا: میرے پاس دوات اور کاغذ لاؤ، میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔

یہ سن کر حضرت عمرُ نے ایک بات کہی جس کا مفہوم یہ تھا کہ اس وقت رسول خدا پر درد کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ گھر میں بیٹھے ہوئے افراد میں اختلاف ہو گیا اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کچھ کہتے تھے کہ قلم دوات لاؤ تاکہ نبیؐ لکھیں۔

کچھ لوگ وہی کہتے تھے جو عمرُ نے کہا تھا۔ جب حضور کریمؐ کے پاس اختلاف اور جھگڑا بڑھا تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا "اٹھ کر چلے جاؤ" الحدیث

جوہری کے الفاظ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ "حضورؐ پر درد کا غلبہ ہے" جیسے محتاط الفاظ "روایت بالمعنیٰ" کے طور پر وارد ہوئے ہیں ورنہ حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے فرمان کو صریحاً "ہذیان" کہہ کر ٹھکرا دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ محدّثین کی کتابوں میں یہ دیکھیں گے کہ جب وہ اس واقعہ کی روایت لفظ "ہذیان" سے کرتے ہیں تو انہیں ان کی مسلکی وابستگی اس بات کی

اجازت نہیں دیتی کہ کھل کر یہ بیان کر سکیں کہ "ہذیان" کی تہمت لگانے والا اور رسول خدا کے دماغ پر حملہ کرنے والا کون تھا۔

اس مقام پر پہنچ کر واقعہ کے اہم کردار کو نمایاں کرنے کی بجائے اسے بے نام ونشان چھوڑ کر گزر جاتے ہیں۔

جیسا کہ امام بخاری "کتابُ الجہاد والسیر" کے باب "جوائزُ الْوفد" میں لکھتے ہیں:۔ " حَدَّثَنَا قُبَيْصَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ سلمَانَ الْاَحْوَلِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ : يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ ثُمَّ بَكٰى حَتّٰى خَضَبَ دَمْعُهُ الْحَصْبَآءَ ، فَقَالَ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) وَجعُهٗ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فَقَالَ : اِيْتُوْنِيْ بِكِتَابٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَايَنْبَغِيْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا : هَجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) قَالَ(ص) دَعُوْنِيْ فَالَّذِيْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ وَاَوْصٰى عِنْدَ مَوْتِهٖ بِثَلَاثٍ : اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَاكُنْتُ اُجِيْزُهٗ (قَالَ) وَنَسِيْتُ الثَّالِثَةَ۔

(بحذف اسناد) ابن عباس کہتے تھے: "پنج شنبہ کا دن! ہائے وہ کیا دن تھا پنج شنبہ کا! یہ کہہ کر اتنا روئے کہ ان کے آنسوؤں سے سنگریزے تر ہو گئے۔ پھر کہا اسی پنج شنبہ کے دن رسول خدا کی تکلیف بہت بڑھ گئی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "میرے پاس کاغذ اور قلم لاؤ۔ میں تمہیں نوشتہ لکھ دوں تاکہ تم پھر کبھی گمراہ نہ ہو سکو۔" اس پر لوگ جھگڑنے لگے۔ حالانکہ نبیؐ کے پاس جھگڑنا مناسب نہیں۔ لوگوں نے کہا: رسولؐ بے ہودہ بک رہے ہیں (نعوذُ باللہ)۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا: مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو اور آنحضرتؐ نے وفات سے پہلے تین وصیتیں فرمائیں: ایک تو یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کرو اور دوسری وصیت یہ تھی کہ وفد بھیجنے کا سلسلہ اسی طرح باقی رکھو جس طرح میں بھیجا کرتا تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ تیسری وصیت میں بھول گیا۔"

جی ہاں! تیسری بات جسے فراموش کر دیا گیا وہی بات تھی جسے پیغمبرؐ وقتِ انتقال نوشتہ کی صورت میں لکھ جانا چاہتے تھے تاکہ امت کے افراد گمراہی سے محفوظ رہیں یعنی امیر المومنین امام علیؑ کی خلافت۔

سیاسی شاطروں نے محدثین کو مجبور کیا کہ وہ اس چیز کو جانتے بوجھتے بھول جائیں۔ جیسا کہ مفتیٔ حنفیہ شیخ ابو سلیمان داؤد نے صراحت کی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح مسلم "کتابُ الوصیّۃ" کے آخر میں بواسطہ سعید بن جبیر، ابن عباس سے ایک دوسرے طریقہ سے روایت کیا ہے۔

"ابن عباس کہتے تھے: پنج شنبہ کا دن، ہائے وہ کیا دن تھا پنج شنبہ کا! پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور رخساروں پر یوں بہتے دیکھے گئے جیسے موتی کی لڑی ہو۔

اس کے بعد ابن عباس نے کہا کہ رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا:

"میرے پاس دوات اور کاغذ یا لوح و دوات لاؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم پھر کبھی گمراہ نہ ہو" تو لوگوں نے اس پر کہا: رسولؐ ہذیان کہہ رہے ہیں۔ (نعوذُ باللہ) [۱]

صِحاح ستّہ کا مطالعہ کریں اور اس مصیبت کے ماحول پر نظر دوڑائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جس شخص نے سب سے پہلے "ہذیان" کی بات کی وہ حضرت عمر ہی تھے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے یہ جملہ کہا تھا اور اس کے بعد ان کے ہم خیال افراد نے ان کی ہم نوائی کی تھی۔

آپ ابن عباس کا یہ فقرہ پہلی حدیث میں سن چکے ہیں۔ گھر میں موجود افراد آپس میں تکرار کرنے لگے۔ بعض کہتے تھے کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ تاکہ رسولؐ وہ نوشتہ

(۱) صحیح مسلم۔ جلد دوم ص۔ ۲۲۲۔ علاوہ ازیں اس حدیث کو انہی الفاظ میں امام احمد نے مسند جلد اول ص ۳۵۵ پر روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اجلہ حفاظ حدیث نے نقل کیا ہے۔

لکھ جائیں اور بعض حضرت عمر کی موافقت کرتے رہے۔ یعنی وہ بھی یہی کہہ رہے تھے کہ رسولؐ ہذیان کہہ رہے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے جو طبرانی نے اوسط میں حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ: جب رسول خداؐ بیمار ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: میرے پاس کاغذ اور قلم دوات لاؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اس پر پردے کے پیچھے سے عورتوں نے کہا تم سنتے نہیں کہ رسولؐ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا: تم یوسفؑ والی عورتیں ہو۔ جب رسولؐ بیمار پڑتے ہیں تو اپنی آنکھیں نچوڑ ڈالتی ہو اور جب تندرست ہوتے ہیں تو گردن پر سوار رہتی ہو۔

رسول خداؐ نے فرمایا: "عورتوں کو جانے دو یہ تم سے تو بہتر ہی ہیں [۱]"۔

اس واقعہ سے آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ یہاں صحابہ نے ارشاد پیغمبرؐ کی تعمیل نہیں کی۔ اگر حضورؐ کی بات مان لیتے تو ہمیشہ کے لیے گمراہی سے بچ جاتے۔

اے کاش کہ صحابہ رسولِ خداؐ کی بات نہ مانتے، ٹال دیتے لیکن رسولِ خداؐ کو یہ روکھا جواب تو نہ دیتے کہ "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ" (ہمارے لئے کتابِ خدا کافی ہے)۔

اس فقرہ سے تو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ مَعَاذَ اللہ جیسے رسولِ خداؐ جانتے ہی نہ تھے کہ کتابِ خدا مسلمانوں کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے؟

یا مَعَاذَ اللہ! یہ صحابہ کتاب خدا کے خواص و فوائد کو رسول خداؐ سے زیادہ جانتے تھے۔ اس کے اسرار و رُموز سے زیادہ واقف تھے۔

اے کاش! اس پر ہی اکتفا کرلیا ہوتا اور رسول خداؐ کے دماغ پر حملہ نہ کیا ہوتا اور یہ نہ کہتے کہ رسولؐ ہذیان کہہ رہے ہیں۔ یہ الفاظ کہہ کر رسول کریمؐ کو ناگہانی صدمہ نہ پہنچاتے۔

(۱) اسی روایت کو امام بخاری نے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا اور امام مسلم وغیرہ نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

رسول خدا چند گھڑی کے مہمان تھے ۔ آپ کا دم واپسیں تھا ۔ ایسی حالت میں یہ ایذا رسانی کہاں تک مناسب تھی؟ کیسی بات کہہ کر رسولؐ کو رخصت کر رہے تھے؟

گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کتاب خدا کا یہ واضح اعلان نہیں سنا تھا " مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ......" یعنی رسولؐ جو کچھ تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔"

اور رسولِ خدا پر ہذیان کی تہمت لگاتے وقت انہیں قرآن مجید کی یہ آیت بھول گئی تھی " اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ وَّمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ" یعنی بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کی زبان کا پیغام ہے ۔ جو بڑا قوی ، عرش کے مالک کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہے ۔ وہاں سب فرشتوں کا سردار اور امانت دار ہے اور تمہارے ساتھی (محمدؐ) دیوانے نہیں ہیں۔"

اور کیا قولِ رسولؐ کو ہذیان کہنے والوں نے یہ آیت نہیں پڑھی تھی؟ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ یعنی بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا پیغام ہے اور یہ کسی شاعر کی تک بندی نہیں ۔ تم لوگ تو بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کی خیالی بات ہے تم لوگ تو بہت کم غور کرتے ہو ۔ یہ سارے جہان کے پروردگار کا نازل کیا ہوا کلام ہے۔"

اور کیا قولِ رسولؐ کو ٹھکرانے والوں نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں پڑھی تھی؟

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۔ " قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکا ۔ تمہارے رفیق (محمدؐ) نہ گمراہ ہوئے اور نہ بہکے وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں، یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے ۔ ان کو بڑی طاقت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے۔"

نیز اس طرح کی دوسری واضح اور روشن آیات قرآن مجید میں بکثرت موجود

ہیں جن میں صاف تصریح ہے کہ رسولؐ مہمل و بے ہودہ بات کہنے سے پاک و منزہ ہیں ۔ علاوہ ازیں خود تنہا عقل سلیم بھی رسولؐ سے مہمل اور بے ہودہ باتوں کا صادر ہونا محال سمجھتی ہے ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ صحابہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت رسولؐ ، حضرت علیؑ کے لئے خلافت کی بات کو مزید پکا کر دینا چاہتے ہیں اور آج تک آپ نے حضرت علیؑ کی جانشینی اور خلافت کے جتنے اعلانات کئے تھے انہیں تحریری صورت دینا چاہتے تھے اسی لیے حضرت عمر اور ان کے حامی افراد نے رسول خدا کی بات کو کاٹ دیا تھا ۔ یہ صرف ہمارا پیدا کردہ تخیل نہیں ہے بلکہ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس کے سامنے کیا تھا [1]۔

اگر آپ رسولِ خدا کے اس قول "میرے پاس کاغذ اور قلم دوات لاؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ جاؤں کہ اس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے"۔

اور حدیثِ ثقلین کے اس فقرہ پر کہ :۔

"میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان سے وابستہ رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے : ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت"

توجہ فرمائیں گے تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ دونوں حدیثوں سے رسولِ خدا کا مقصود ایک ہی تھا۔

پیغمبرؐ نے زبردستی نوشتہ کیوں نہ لکھا؟

رسولِ خدا نے حالت مرض میں کاغذ اور قلم دوات اس لیے طلب کیا تھا کہ حدیثِ ثقلین کے مفہوم کو تحریری صورت میں لکھ کر دے دیا جائے ۔

---

(۱) ابن ابی الحدید ، شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص ۱۴۰ ۔ طبع مصر ۔

اس مقام پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول خدا نے لوگوں کے اختلاف کی پروا نہ کرتے ہوئے نوشتہ کیوں نہ لکھا ۔ اور جمعرات کے دن سے اپنے روز وفات یعنی سوموار تک کیوں نہ لکھا اور لکھنے کا ارادہ آخر انہوں نے کیوں ملتوی کر دیا ؟

درج بالا سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ نوشتہ نہ لکھنے کا سبب حضرت عمر اور ان کے ہواخواہوں کا وہ فقرہ تھا جسے بول کر ان لوگوں نے رسول خدا کو دکھ دیا تھا اور یہی سن کر رسولِ خدا نے نوشتہ نہ لکھا کیوں کہ اتنا سخت جملہ سننے کے بعد نوشتہ لکھنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا ۔ اگر بالفرض لکھ بھی دیا جاتا تو فتنہ و فساد اور بڑھ جاتا اور اختلافات کی خلیج مزید وسیع ہو جاتی ۔

اگر رسولؐ لکھ بھی جاتے تو یہی لوگ کہتے کہ "اس نوشتہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ یہ حالتِ ہذیان میں لکھا گیا ہے ۔"

جن لوگوں نے حضور کریمؐ کے رو برو ان کی حدیث کو ہذیان قرار دیا تھا تو کیا وہ بعد میں لکھے جانے والے نوشتہ کو تسلیم کر سکتے تھے ؟

اور اگر رسولؐ اپنی بات پر مُصِر رہتے اور نوشتہ لکھ بھی دیتے تو وہ اور ان کے حواری نوشتۂ رسولؐ کو ہذیان ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے اور اثبات ہذیان کے لیے کئی کتابیں تصنیف ہوتیں ۔ مباحثے کیے جاتے اور اس نوشتہ کو بے اثر بنانے کے لیے ہر ممکنہ ترکیب استعمال کی جاتی ۔

اسی وجہ سے حکیمِ اسلامؐ کی حکمت بالغہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اب نوشتہ کا ارادہ ہی ترک کر دیا جائے تاکہ رسولؐ کے منہ آنے والے اور ان کے حاشیہ بردار آپ کی نبوت میں طعن کا دروازہ نہ کھول دیں ۔

اور اس کے ساتھ ساتھ رسول خدا یہ جانتے تھے کہ علی علیہ السلام اور ان کے دوستدار اس نوشتہ کے مفہوم پر عمل کریں گے خواہ لکھا جائے یا نہ لکھا جائے اور اگر مخالفین کیلئے لکھ بھی دیا جائے تو وہ نہ تو اس کو مانیں گے اور نہ ہی اس پر عمل کریں گے ۔

واقعۂ قرطاس اور علمائے اہل سُنّت کی تاویلات

جب علامہ سید عبدالحسین شرف الدین عاملی نے حدیثِ قرطاس کی تفصیلات جامعۂ ازہر مصر کے اس وقت کے وائس چانسلر علامہ شیخ سلیم البشری کو لکھ کر روانہ فرمائیں تو انہوں نے اس کے متعلق علمائے اہل سنت کی تاویلات لکھ کر بھیجیں اور اس کے ساتھ اپنا ناطق فیصلہ بھی تحریر فرمایا ۔

قارئینِ کرام کے لیے ہم موصوف کا جواب اور اس جواب پر خود ان کا عدم اطمینان انہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں :-

"شاید آنحضرتؐ نے جس وقت کاغذ اور قلم دوات لانے کا حکم دیا تھا اس وقت آپ کچھ لکھنا نہیں چاہتے تھے ۔ دراصل آپ صرف آزمانا چاہتے تھے ۔ عام صحابہ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی مگر حضرت عمر سمجھ گئے تھے کہ آپ ہمیں صرف آزمانا چاہتے تھے ۔ اسی لیے انہوں نے صحابہ کو کاغذ اور قلم دوات لانے سے روک دیا ۔ لہذا حضرت عمر کی ممانعت کو توفیق ایزدی سمجھنا چاہیے اور اسے ان کی ایک کرامت جاننا چاہیے ۔

لیکن انصاف یہ ہے کہ رسول خدا کا فرمان " لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ " (تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے) اس جواب کو بننے نہیں دیتا ۔

کیونکہ یہ پیغمبر اکرمؐ کا دوسرا جواب ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کاغذ اور قلم دوات لاؤ گے اور میں تمہارے لیے وہ نوشتہ لکھ دوں گا تو اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو گے ۔

اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ محض امتحان اور آزمائش کے لیے اس طرح کی خبر بیان کرنا کھلا ہوا جھوٹ ہے ۔ جس سے انبیاء علیہم السلام کے کلام کا پاک ہونا لازم و لابد ہے اور اس موقع پر کاغذ اور قلم دوات لانا ، نہ لانے کی نسبت بہتر تھا ۔

علاوہ ازیں یہ جواب اور بھی کئی لحاظ سے محل تأمل ہے۔ لہٰذا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ اس کے لیے کوئی اور عذر پیش کرنا چاہیے۔ اس مقام پر صفائی کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول خدا نے کاغذ اور قلم دوات لانے کا جو حکم دیا تو یہ حکم انتہائی لازمی و ضروری نہ تھا کہ اسکے متعلق مزید وضاحت چاہی نہ جاسکتی۔

یہ حکم مشورہ کے طور پر تھا اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابہ رسول خدا کے بعض احکام دوبارہ پوچھ لیا کرتے تھے۔ مزید استصواب کیا کرتے تھے، خصوصاً حضرت عمر تو بہت زیادہ۔

انہیں اپنے متعلق یقین تھا کہ وہ مصالح کو بہتر سمجھتے ہیں اور وہ توفیق ایزدی کے حامل ہیں اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ان کا ظن و تخمین غلط نہیں ہوتا۔

اسی لئے حضرت عمر نے چاہا کہ رسولؐ کو زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ کیونکہ رسولؐ پہلے ہی سخت تکلیف میں تھے۔ اندریں حالات اگر لکھنے بیٹھ جاتے تو تکلیف اور بڑھ سکتی تھی۔

اسی لئے حضرت عمر نے مذکورہ فقرہ کہا اور ان کی رائے تھی کہ کاغذ اور قلم دوات نہ لانا ہی بہتر ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عمر کو خوف تھا کہ رسولؐ کہیں ایسی باتیں نہ لکھ ڈالیں، جن کے بجا لانے سے لوگ عاجز آجائیں اور نوشتۂ رسولؐ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے سزا کے مستحق ٹھہریں۔ کیونکہ جو کچھ رسولؐ لکھ جاتے وہ تو بہرحال مخصوص اور قطعی ہوتا۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

یا حضرت عمر کو شاید منافقین کی طرف سے یہ خوف محسوس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ منافقین نوشتۂ رسولؐ پر معترض ہوں۔ کیونکہ وہ نوشتہ حالت مرض میں لکھا ہوا ہوتا اور اس وجہ سے بڑے فتنے و فساد کا اندیشہ تھا اسی لیے حضرت عمر نے کہا تھا "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اور "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" کے

جملہ کی تائید قرآن مجید کی ان آیات سے بھی ہوتی ہے:

"مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جو بیان نہ کردی ہو۔

نیز یہ بھی ارشادِ خداوندی ہے:- "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عمرؓ مطمئن تھے کہ امت گمراہ نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ خداوند عالم دین کو کامل اور امت پر اپنی نعمت کا اتمام کر چکا ہے۔

ان آیات کی وجہ سے امت کی گمراہی کا اندیشہ نہیں تھا۔ اسی لیے مزید کسی نوشتہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

یہ ان لوگوں کے جوابات ہیں اور یہ جواب جتنے کمزور اور رکیک ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ رسولِ خدا کا فقرہ "لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ" (تاکہ تم ہرگز گمراہ نہ ہوسکو) بتاتا ہے کہ آپ کا حکم ایک قطعی اور لازمی حکم تھا۔

ایسے امر میں جو گمراہی سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہو، قدرت رکھتے ہوئے ہر ممکن جدوجہد کرنا بلاشک و شبہ واجب اور لازم ہے۔

نیز آنحضرتؐ پر اس فقرہ کا ناگوار گزرنا اور بالخصوص حضرت عمر کے اس جملہ کا برا منانا اور ان لوگوں کے تعمیل حکم نہ کرنے پر آپ کا ارشاد فرمانا کہ "میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ" یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آپ نے کاغذ اور قلم دوات لانے کا جو حکم دیا تھا، وہ لازم اور واجب تھا۔ آپ نے مذکورہ حکم بغرض مشورہ نہیں دیا تھا۔

اگر کوئی کہے کہ نوشتہ لکھنا اگر ایسا ہی واجب و لازم تھا تو محض چند لوگوں کی مخالفت سے آپ نے لکھنے کا ارادہ ملتوی کیوں کر دیا تھا؟

کفار آپ کی تبلیغ اسلام کے مخالف تھے مگر آپ نے ان کی مخالفت کی پروا

نہ کرتے ہوئے تبلیغ فرمائی تو اسی طرح سے اگر کچھ لوگ کاغذ اور قلم دوات لانے کے مخالف تھے تو آپ ان کی مخالفت سے بے نیاز ہو کر نوشتہ لکھ سکتے تھے۔ مگر آپ نے ایسا کیوں نہ کیا؟

تو اس کے جواب میں معترضین کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کا یہ اعتراض صحیح بھی ہو تو اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہی نکلتا ہے کہ نوشتہ کا لکھنا رسولؐ پر واجب نہ تھا۔ ممکن ہے کہ نوشتہ کا لکھنا رسولؐ پر واجب نہ ہو مگر حاضرین پر کاغذ اور قلم دوات لانا واجب تھا کیونکہ اطاعت رسولؐ کا تقاضا تھا کہ کاغذ اور قلم دوات لائی جائے اور رسول خداؐ نے اس کا فائدہ بھی بتادیا تھا کہ اس ذریعہ سے گمراہی سے محفوظ ہو جاؤ گے اور ہمیشہ راہ ہدایت پر باقی رہو گے اور فقہ کا مُسلَّمہ اُصول یہی ہے کہ امر کا وجوب فی الواقع مأمور سے متعلق ہوتا ہے امر سے متعلق نہیں ہوتا اور خصوصاً جب کہ امر کا فائدہ مامور کو پہنچتا ہے۔

لہذا اس قاعدہ کے تحت بحث یہ ہے کہ حاضرین پر امر کا بجا لانا واجب تھا یا نہیں؟ محل بحث یہ نہیں ہے کہ رسولؐ پر لکھنا واجب تھا یا نہیں؟

علاوہ بریں یہ بھی ممکن ہے کہ رسولؐ پر لکھنا تو واجب تھا لیکن لوگوں کی مخالفت اور یہ کہنے سے کہ "رسولؐ ہذیان کہہ رہے ہیں" رسولؐ سے وجوب ساقط ہو گیا ہو۔

اگر ان حالات میں رسولؐ لکھ بھی دیتے تو فتنہ و فساد میں ہی اضافہ ہوتا اور جو چیز فتنہ کا سبب ہو وہ رسولؐ پر کیسے واجب ہو سکتی ہے؟

بعض حضرات نے یہ عذر بیان کیا ہے کہ حضرت عمر حدیث کا مطلب نہیں سمجھ سکے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ وہ نوشتہ امت کے ہر فرد کے لیے گمراہی سے بچنے کا ایسا ذریعہ کیونکر ہو گا کہ قطعی طور پر کوئی گمراہ ہی نہ ہو سکے۔

حضرت عمر نے "لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ" (تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے)

کے جملہ کا یہ مطلب اخذ کیا کہ تم سب کے سب اور کل کے کل گمراہی پر مجتمع نہ ہو سکو گے۔ حضرت عمر یہ پہلے ہی جانتے تھے کہ امت کا گمراہی پر اجتماع نہیں ہو گا اسی وجہ سے انہوں نے نوشتہ رسولؐ کو "تحصیل حاصل" قرار دیا اور یہ تصور کر لیا کہ حضور اپنی شفقت کی وجہ سے ایک نوشتہ لکھنا چاہتے ہیں۔ یہی سوچ کر حضرت عمر نے آپ کو مذکورہ جواب دیا۔

حضرت عمر کی تندئ طبع اور جلد بازی کی معذرت میں یہی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو یہ تمام جوابات انتہائی رکیک و مہمل ہیں۔ کیونکہ رسول خداؐ کا "لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ" فرمانا اس امر کی قطعی اور محکم دلیل ہے کہ یہ امر وجوب کے علاوہ کسی اور مقصد کے تحت نہیں تھا۔

رسول خداؐ کا ان لوگوں پر غضب ناک ہونا بھی دلیل ہے کہ صحابہ نے ایک امر واجب کو ترک کیا تھا۔ لہذا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ صحابہ کی سیرت کے منافی تھا اور ان کی شان سے بعید تھا۔ اس واقعہ میں صحابہ سے واقعی غلطی سرزد ہوئی تھی۔"

شیخ الازہر کا خط آپ نے پڑھا۔ علامہ موصوف نے واضح الفاظ میں حضرت عمر کے موقف کی نفی کی۔

مذکورہ خط کے جواب میں علامہ عبدالحسین شرفُ الدین عاملی نے مزید اِتمامِ حُجّت اور اثباتِ حق و اِبطالِ باطل کی خاطر درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا۔ جسے ہم اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں:۔

آپ کے جیسے اہلِ علم کے لیے یہی زیبا ہے کہ حق بات کہیں اور درست بات زبان سے نکالیں۔

واقعۂ قرطاس کے متعلق آپ نے اپنے ہم مسلک علماء کی تاویلات کی تردید

نہ کرتے ہوئے تبلیغ فرمائی تو اسی طرح سے اگر کچھ لوگ کاغذ اور قلم دوات لانے کے مخالف تھے تو آپ ان کی مخالفت سے بے نیاز ہو کر نوشتہ لکھ سکتے تھے۔ مگر آپ نے ایسا کیوں نہ کیا؟

تو اس کے جواب میں معترضین کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کا یہ اعتراض صحیح بھی ہو تو اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہی نکلتا ہے کہ نوشتہ کا لکھنا رسولؐ پر واجب نہ تھا۔ ممکن ہے کہ نوشتہ کا لکھنا رسولؐ پر واجب نہ ہو مگر حاضرین پر کاغذ اور قلم دوات لانا واجب تھا کیونکہ اطاعت رسولؐ کا تقاضا تھا کہ کاغذ اور قلم دوات لائی جائے اور رسول خدؐا نے اس کا فائدہ بھی بتادیا تھا کہ اس ذریعہ سے گمراہی سے محفوظ ہو جاؤ گے اور ہمیشہ راہ ہدایت پر باقی رہو گے اور فقہ کا مُسلّمہ اُصول یہی ہے کہ امر کا وجوب فی الواقع مأمور سے متعلق ہوتا ہے امر سے متعلق نہیں ہوتا اور خصوصاً جب کہ امر کا فائدہ مامور کو پہنچتا ہے۔

لہٰذا اس قاعدہ کے تحت بحث یہ ہے کہ حاضرین پر امر کا بجا لانا واجب تھا یا نہیں؟ محل بحث یہ نہیں ہے کہ رسولؐ پر لکھنا واجب تھا یا نہیں؟

علاوہ بریں یہ بھی ممکن ہے کہ رسولؐ پر لکھنا تو واجب تھا لیکن لوگوں کی مخالفت اور یہ کہنے سے کہ "رسولؐ ہذیان کہہ رہے ہیں" رسولؐ سے وجوب ساقط ہو گیا ہو۔

اگر ان حالات میں رسولؐ لکھ بھی دیتے تو فتنہ و فساد میں ہی اضافہ ہوتا اور جو چیز فتنہ کا سبب ہو وہ رسولؐ پر کیسے واجب ہو سکتی ہے؟

بعض حضرات نے یہ عذر بیان کیا ہے کہ حضرت عمر حدیث کا مطلب نہیں سمجھ سکے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ وہ نوشتہ امت کے ہر فرد کے لیے گمراہی سے بچنے کا ایسا ذریعہ کیونکر ہو گا کہ قطعی طور پر کوئی گمراہ ہی نہ ہو سکے۔

حضرت عمر نے " لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ " (تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے)

کے جملہ کا یہ مطلب اخذ کیا کہ تم سب کے سب اور کل کے کل گمراہی پر مجتمع نہ ہو سکو گے۔ حضرت عمر یہ پہلے ہی جانتے تھے کہ امت کا گمراہی پر اجتماع نہیں ہو گا اسی وجہ سے انہوں نے نوشتہ رسولؐ کو " تحصیل حاصل " قرار دیا اور یہ تصور کر لیا کہ حضور اپنی شفقت کی وجہ سے ایک نوشتہ لکھنا چاہتے ہیں۔ یہی سوچ کر حضرت عمر نے آپ کو مذکورہ جواب دیا۔

حضرت عمر کی تندیٔ طبع اور جلد بازی کی معذرت میں یہی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو یہ تمام جوابات انتہائی رکیک و مہمل ہیں۔ کیونکہ رسول خدؐا کا " لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ " فرمانا اس امر کی قطعی اور محکم دلیل ہے کہ یہ امر وجوب کے علاوہ کسی اور مقصد کے تحت نہیں تھا۔

رسول خدؐا کا ان لوگوں پر غضب ناک ہونا بھی دلیل ہے کہ صحابہ نے ایک امر واجب کو ترک کیا تھا۔ لہٰذا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ صحابہ کی سیرت کے منافی تھا اور ان کی شان سے بعید تھا۔ اس واقعہ میں صحابہ سے واقعی غلطی سرزد ہوئی تھی۔"

شیخُ الازہر کا خط آپ نے پڑھا۔ علامہ موصوف نے واضح الفاظ میں حضرت عمر کے موقف کی نفی کی۔

مذکورہ خط کے جواب میں علامہ عبدالحسین شرفُ الدین عاملی نے مزید اتمامِ حُجّت اور اثباتِ حق و ابطالِ باطل کی خاطر درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا۔ جسے ہم اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

آپ کے جیسے اہلِ علم کے لیے یہی زیبا ہے کہ حق بات کہیں اور درست بات زبان سے نکالیں۔

واقعۂ قرطاس کے متعلق آپ نے اپنے ہم مسلک علماء کی تاویلات کی تردید

فرمائی ہے۔ ان تاویلات کی تردید میں اور بہت سے گوشے رہ گئے ہیں ۔ جی چاہتا ہے کہ انہیں بھی عرض کردوں تاکہ اس مسئلہ میں آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں ۔ پہلا جواب یہ دیا گیا ہے رسول خدا نے صرف آزمائش کی خاطر کاغذ اور قلم دوات طلب فرمایا تھا ، آپ دراصل کچھ لکھنا نہیں چاہتے تھے ۔

آپ نے درج بالا مفروضہ کی خوبصورت تردید فرمائی ۔ اس کے لیے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ کا دم آخر تھا اور وقت اختبار و امتحان کا نہ تھا ۔ بلکہ یہ وقت اعذار و انذار کا تھا اور ہر ضروری امر کے لئے وصیت کر جانے کا تھا اور امت کے ساتھ پوری بھلائی کرنے کا موقع تھا۔

ذرا سوچیں جو شخص دم توڑ رہا ہو بھلا دل لگی اورمذاق سے اس کا کیا واسطہ ہوسکتا ہے ؟ اسے تو خود اپنی فکر پڑی ہوتی ہے ۔ اہم امور پر اس کی توجہ ہوتی ہے ۔ اپنے متعلقین کی مہمات میں اس کا دھیان ہوتا ہے اور خصوصاً جب دم توڑنے والا نبی ہو اور اس نے اپنے پورے عرصۂ حیات میں کبھی اختبار و امتحان بھی نہ لیا ہو تو وقت احتضار کیسا اختبار اور کیسا امتحان ؟

علاوہ ازیں شور و غل کرنے والوں کو رسولِ خدا نے " قُوْمُوْا عَنِّیْ " (میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ) کہہ کر نکال دیا تھا ۔

حضور کریمؐ کا ان لوگوں کو " راندۂ بارگاہ کرنا " اس حقیقت کی بیّن دلیل ہے کہ رسول کریمؐ کو ان لوگوں سے صدمہ پہنچا اور آپ رنجیدہ ہوئے اور اگر معترضین کا موقف صحیح ہوتا تو رسولِ خدا ان کے اس فعل کو پسند کرتے اور مسرت کا اظہار کرتے ۔

اگر آپ حدیث کے گرد و پیش پر نظر ڈالیں اور خصوصاً ان لوگوں کے اس فقرے پر غور فرمائیں ۔ " هَجَرَ رَسُوْلُ اللهِ ص " (رسولؐ ہذیان کہہ رہے ہیں) تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عمر اور ان کے ہوا خواہ جانتے تھے کہ رسولِ مقبولؐ ایسی بات لکھنا چاہتے تھے جو انہیں پسند نہیں تھی ۔

اسی وجہ سے مذکورہ فقرہ کہہ کر رسولِ مقبولؐ کو اذیت پہنچائی گئی ۔ خوب اختلافات اچھالے گئے ۔

حضرت ابن عباسؓ کا اس واقعہ کو یاد کرنا ، شدت سے گریہ کرنا اور اس واقعہ کو مصیبت شمار کرنا یہ بھی اس جواب کے باطل ہونے کی بڑی قوی دلیل ہے ۔

معذرت کرنے والے کہتے ہیں کہ حضرت عمر مصلحتوں کے پہچاننے میں "موفق للصواب" تھے اور خدا کی جانب سے آپ پر الہام ہوا کرتا تھا ۔

یہ ایسی معذرت ہے جسے کسی طور بھی قبول نہیں کیا جا سکتا ۔ اس معذرت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت عمر کا موقف صحیح اور حق پر مبنی تھا اور نعوذ باللہ رسول خدا کا موقف درست نہ تھا ۔ نیز حضرت عمر کا اس دن کا الہام اس وحی سے بھی زیادہ سچا تھا جسے رُوْحُ الْاَمِیْن لے کر آئے تھے ۔ بعض حضرات نے حضرت عمر کی صفائی میں یہ معذرت پیش کی ہے کہ حضرت عمر جناب رسول خدا کی تکلیف کم کرنا چاہتے تھے ۔ بیماری کی حالت میں اگر رسولؐ کچھ لکھتے تو انہیں زحمت ہوتی ۔ اور حضرت عمر رسولِ خدا کی زحمت برداشت نہ کرسکتے تھے ۔

مگر آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ نوشتہ لکھنے میں قلب رسولؐ کو راحت ہوتی ۔ آپ کی آنکھیں زیادہ ٹھنڈی ہوتیں اور امت کی گمراہی سے آپ زیادہ بے خوف ہوجاتے ۔ رسول خدا کی فرمائش کاغذ اور قلم دوات کے متعلق تھی ۔ کسی کا آپ کی تجویز کے خلاف قدم اٹھانا صحیح نہیں تھا ۔

ارشاد ربُّ العزّت ہے :- " وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا " جب خدا اور رسولؐ کسی بات کا فیصلہ کریں تو پھر کسی مومن مرد اور مؤمن عورت کو اس بات کی پسند اور ناپسند کا اختیار حاصل نہیں ہے ۔ اور جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ واضح گمراہی میں پڑ جائے گا ۔

حضرت عمر اور ان کے حامیوں کی طرف سے نوشتۂ رسولؐ کی مخالفت کرنا ، اس اہم ترین مقصد میں رکاوٹ ڈالنا اور رسول خدا کے سامنے شور و غل مچانا ، جھگڑا فساد کرنا یہ سب امور نوشتہ کی بہ نسبت حضورِ اکرمؐ کی زحمت کا موجب تھے ۔

سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عمر سے رسولِ خدا کی اتنی سی زحمت تو دیکھی نہ گئی کہ آپ بیماری کی حالت میں نوشتہ تحریر فرمائیں ، مگر ایسا کرنے میں انہیں کوئی تأمّل نہ ہوا کہ رسولؐ کاغذ اور قلم دوات مانگیں اور وہ تکرار کرنے لگیں اور قول رسولؐ کو ہذیان ثابت کرنے پر تُل جائیں ۔

اگر نوشتہ لکھنے سے حضور کو زحمت ہوتی تھی تو اپنے متعلق ہذیان کا جملہ سن کر کیا انہیں راحت پہنچی تھی ؟

حضرت عمر کے وکلاء دُور کی ایک کوڑی یہ بھی لاتے ہیں کہ حضرت عمر نے سمجھا کہ کاغذ اور قلم دوات نہ لانا ہی بہتر ہے ۔

کیا کہنا اس معذرت کا ! غور تو فرمائیے کہ رسولؐ خود حکم دیں کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ تو کاغذ اور قلم دوات نہ لانا کیسے بہتر قرار دیا جا سکتا ہے ؟

تو کیا حضرت عمر یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ رسولؐ ایسی چیز کا حکم دیا کرتے ہیں جس چیز کا ترک کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے ۔

حضرت عمر کی صفائی میں بعض حضرات نے یہ عُذر تراشا ہے کہ حضرت عمر کو خوف ہوا کہ رسولِ مقبولؐ کہیں ایسی بات نہ لکھ دیں جس پر لوگ عمل نہ کر سکیں اور نہ کرنے پر سزا کے حق دار ٹھہریں ۔

غور فرمائیے ! رسولؐ کہہ رہے ہیں کہ " تم گمراہ نہ ہو گے " تو اس قول کی موجودگی میں حضرت عمر کا ڈرنا کہاں تک درست تھا ؟

تو کیا حضرت عمر جناب رسولِ مقبولؐ کی نسبت انجام سے زیادہ با خبر تھے اور حبیبِ خدا سے زیادہ محتاط تھے ؟

بعض حضرات نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ حضرت عمر کو منافقین کی طرف سے اندیشہ تھا کہ وہ حالت مرض میں لکھے ہوئے نوشتہ کی صحت میں قدح کریں گے ۔ مگر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ رسول مقبولؐ نے نوشتہ کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا " لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ " (میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے) تو اس فرمان کے بعد اس اندیشہ کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی ۔

اور اگر بالفرض حضرت عمر کو منافقین کی طرف سے اندیشہ تھا کہ وہ نوشتہ کی صحت میں قدح کریں گے تو حضرت عمر نے خود ہی ان کے لیے زمین کیوں ہموار کی ؟

رسول مقبولؐ کی بات کا جواب دے کر ، لکھنے سے روک کر ، ہذیان کی تہمت لگا کر انہوں نے اسلام اور رسولِ اسلامؐ کی کون سی خدمت کی ؟ حضرت عمر کے ہوا خواہ ان کے فقرہ " حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ " (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) کی تائید کے لیے عموماً کہا کرتے ہیں کہ اس فقرہ کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے ۔ " مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ...... " (ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی) نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔ " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ...... " (آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا) ۔

اب اگر ان آیات کو مد نظر رکھ کر حضرت عمر نے مذکورہ فقرہ کہا تو اس میں کونسی قباحت تھی ؟

حضرت عمر کے حامیوں کی درج بالا دلیل درست نہیں ہے اور نہ ہی درج بالا آیات سے حضرت عمر کے مذکورہ فقرہ کی تائید ہوتی ہے ۔

درج بالا آیات کا ہرگز مفہوم یہ نہیں ہے کہ امت ہمیشہ کے لیے گمراہی سے محفوظ ہو گئی ہے ۔ یہ آیات ہدایت خلق کی ضمانت فراہم نہیں کرتیں ۔ پھر ان آیات کا سہارا لے کر نوشتۂ رسولؐ سے اعراض کرنے کی کون سی تک تھی ؟

اگر قرآن کی موجودگی امت کی گمراہی دور کرنے کا موجب ہے تو آج بحمدِ اللہ

قرآن مجید امت کے پاس موجود ہے مگر اس کے باوجود افراد امت میں گمراہی کیوں پائی جاتی ہے ؟

اور قرآن کی موجودگی میں امت کے اتنے فرقے کیوں ہیں اور باہمی انتشار و تفریق کیوں ہے؟

حضرت عمر کی صفائی میں آخری جواب یہی دیا جاسکتا ہے وہ ارشاد رسولؐ کا مطلب نہیں سمجھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ نوشتہ امت کے ہر فرد کے لیے گمراہی سے بچنے کا سبب ہو گا۔

حضرت عمر جناب رسول خدا کے اس فقرہ "لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ" کا یہ مفہوم سمجھے کہ رسولؐ کا نوشتہ گمراہی پر مجتمع نہ ہونے کا سبب بنے گا۔ اس نوشتہ کا فائدہ یہ ہو گا کہ امت والے گمراہی پر مجتمع اور متحد نہ ہوں گے۔

حضرت عمر کو یہ بات پہلے سے ہی معلوم تھی کہ امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہو گی لہذا نوشتہ لکھنا "تحصیلِ حاصل" کے مترادف ہو گا۔

اسی وجہ سے انہوں نے یہ جواب دیا اور نوشتہ لکھنے سے مانع ہوئے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت عمر اس قدر نادان ہرگز نہ تھے کہ ایسی روز روشن حدیث، جس کا مفہوم ہر چھوٹے بڑے، شہری دیہاتی کے ذہن میں آسکتا ہے وہ اس حدیث کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے ہوں۔

حضرت عمر یقینی طور پر جانتے تھے کہ رسول مقبولؐ کو امت کی طرف سے اجتماعی گمراہی کا اندیشہ نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رسول خدا کا یہ فرمان بار ہا سن چکے تھے کہ "میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی، خطا پر مجتمع نہ ہوگی۔"

"میری امت میں سے ہمیشہ ایک جماعت حق کی حمایتی ہوگی۔" نیز انہوں نے اللہ تعالی کا یہ ارشاد بھی سنا تھا۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى

الْاَرْضِ ....." تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے، ان سے خداوند عالم نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں روئے زمین پر خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ ان کے قبل کے لوگوں کو بنایا تھا..... اس طرح کی دوسری آیات بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اور اس کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی صریح احادیث بھی سن چکے تھے کہ "امّت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی" اسی لئے حضرت عمر نے بھی حدیث رسولؐ سے وہی کچھ سمجھا جو کہ تمام دنیا نے سمجھا تھا مگر اس کے باوجود بھی وہ نوشتۂ رسولؐ میں مانع ہوئے۔

رسول خدا کا اظہار ناگواری کرنا اور اپنے دربار سے نکال دینا یہ سب اس حقیقت کی بیّن دلیل ہے کہ جس بات کو ان لوگوں نے ترک کر دیا تھا واجب تھی۔ کاغذ اور قلم دوات جو رسولؐ نے مانگا تھا وہ لانا ضروری تھا۔

اُسے نہ لاکر انہوں نے حُکمِ رسولؐ کی مخالفت کی اور واجب کو ترک کیا۔

اور اگر بالفرض میں یہ جان بھی لوں کہ یہ سب کچھ ناسمجھی اور غَلَط فہمی کی وجہ سے رونما ہوا۔ تو ایسی حالت میں جناب رسولؐ کا یہ حق بنتا تھا کہ آپؐ ان کے شکوک وشبہات زائل کرتے یا جس بات کا حکم دیا تھا اس پر مجبور کرتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسولؐ نے یہ سب کچھ نہیں کیا بلکہ اپنے پاس سے "قُوْمُوْا عَنِّیْ" کہہ کر اٹھا دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ جانتے تھے کہ حضرت عمر کی مخالفت غلط فہمی کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور جذبہ کے تحت وہ ایسا کہہ رہے تھے۔ اسی لیے آپؐ نے انہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔

جناب ابن عباس کا گریہ فرمانا، نالہ و فریاد کرنا یہ بھی ہمارے بیان کا مؤیّد ہے انصاف تو یہ ہے کہ یہ حضرت عمر کی لائی ہوئی وہ زبردست مصیبت ہے جس میں کسی عذر کی گنجائش ہی نہیں۔

حق بات تو یہ ہے کہ ان بزرگواروں نے نص کو اہمیت نہ دی اور اس کے مقابلہ میں اپنے اجتہاد سے کام لیا۔

اگر نص کے مقابلہ میں کیا جانے والا عمل اجتہاد کہلا سکتا ہے تو واقعی وہ لوگ مجتہد تھے۔

مگر اس مقام پر اللہ اور رسولؐ کی نص جدا ہے اور بزرگوں کی اجتہادی رائے جدا ہے۔"

درج بالا تفصیلی مکتوب کے بعد شیخ الازہر نے درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا۔

"آپ نے معذرت کرنے والوں کی تمام رائیں کاٹ دیں اور ان پر تمام راستے بند کر دیئے آپ نے جو کچھ فرمایا اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی......"

ہم اس اجتہاد کے قائل ہیں جو کہ نصوص کے دائرہ میں رہ کر کیا جائے اور ہم ایسی کسی فکر و رائے کو اجتہاد تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں جو کہ نُصوصِ صریحہ کی مخالفت پر مبنی ہو۔

موجودہ کتاب "رَزِیَّۃُ یَوۡمِ الۡخَمِیۡس" کی تالیف کا مقصد تاریخ میں دفن شدہ عداوتوں کا ازسرِ نو احیاء نہیں ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا مقصد تاریخ کے درست مطالعہ کو پیش کرنا ہے تاکہ تاریخ کے غیر جانبدارانہ تجزیہ سے انسان حقیقت کے سر چشموں تک پہنچ سکے اور مقام ہدایت تک رسائی حاصل کر سکے۔

ہم مشرق و مغرب میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ آیئے دین کی صحیح تعلیمات کو تلاش کریں اور اس حقیقت عظمیٰ کی جستجو کریں جس کی پیغمبر اکرمؐ منادی کیا کرتے تھے۔

اور اگر ہم نے رسول اعظمؐ کی سیرت و تعلیمات کو اپنے لیے مشعل راہ بنا لیا تو ہم کبھی گمراہ نہ ہو سکیں گے۔

ہمیں اتباع مصطفیٰؐ کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں کسی زید و بکر کے

اجتہاد کی قطعاً احتیاج نہیں ہے۔ اس لیے کہ مجتہدین سے خطا ممکن ہے اور رسول اعظمؐ کی ذات والاصفات سے خطا کا صدور ممکن نہیں ہے۔

اور اس مقام پر یہ کہنا بھی صحیح نہ ہو گا کہ ہم کیا کریں ہم تو تاریخی طور پر بہت بعد میں پیدا ہوئے اور اس کی وجہ سے ہم روح اسلامی سے بہت دور ہو گئے تو اس میں ہمارا کیا دوش ہے۔

اس کے لئے ہم اپنے قارئین کی خدمت میں دوبارہ یہ عرض کریں گے کہ ان حالات کے باوجود ہمیں اپنی مساعی کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ آج مغرب ہمیں ہر سطح پر تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے اور ہم روز بروز اس کے لیے تر لقمہ بنتے جا رہے ہیں۔

تو کیا آپ نے کبھی اس پر توجّہ فرمائی ہے کہ ہماری کمزوری کی بنیادی وجہ کیا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ ہماری کمزوری کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے آج تک اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ہم نے ان نظریات کو اسلام سمجھ کر اپنایا ہوا ہے جو ہماری مصلحتوں اور اغراض و افکار کے مطابق ہیں اگر اس کی بجائے ہم نے صحیح اسلامی رُوح کا اِدراک کیا ہوتا تو آج استعماری بھیڑیئے ہم پر یوں مسلط نہ ہوتے۔

قارئینِ محترم!

میں نے یہ کتاب کسی قسم کی شہرت یا کثرت لقب کی غرض سے تالیف نہیں کی۔ اس کی تالیف کا اول و آخر مقصد انسانوں کے اذہان تک صحیح تاریخی حقائق کا پہنچانا ہے۔ کیونکہ انسانوں کی اکثریت صحیح تاریخی حقائق سے واقف نہیں ہے۔ اور اس عدم واقفیت کا اہم سبب یہ ہے کہ ہر دور میں حقائق کو چھپایا گیا اور حقیقت کے رخ زیبا پر دبیز پردے ڈالے گئے اور ہر زمانے میں سَراب کو آب بنانے کی سعی نا مشکور کی گئی اور حقائق کا منہ چڑایا جا تا رہا اور ملمع کاری سے نا خوب کو خوب بنانے

کی جدوجہد کی گئی۔

اسی لیے اکثریت کو آج تک حق و باطل کی تمیز نہ ہو سکی اور یوں رہنما اور رہزن کی تفریق نہ ہو سکی۔

اندریں حالات میں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے تاریخی حقائق پیش کرنے کی جسارت کی ہے اور امید وار ہوں کہ اللہ تعالی اس کتاب کو مُتلاشِیانِ حق کے لیے منارۂ نور بنائے گا اور شب تار میں اسے شمع فروزاں قرار دے گا۔

اللہ تعالی سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں معرفت کی نعمت عطا فرمائے اور ہمیں اہل معرفت میں شامل فرمائے اور جہل و تقلید کے مرض سے محفوظ رکھے اور ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائے کیونکہ وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.
بِجَاهِ النَّبِيِّ وَاَهْلِ بَيْتِهِ الطَّاهِرِيْنَ.
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

فصل اول

مسئلۂ وصیت

خلافت کے متعلق امتِ اسلامیہ میں دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک گروہ خلافت کو بیک وقت دینی اور دنیاوی مسئلہ قرار دیتا ہے۔

خلافت کا تعلق دین سے تو یہ ہے کہ خلیفہ کو تمام امور میں احکام دین کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ اور خلیفہ کو بھی اپنے منیب کی طرح معصوم عن الخطا ہونا چاہیے اور اسے تمام امور دین کا عالم ہونا چاہیے اور خلافت کا تعلق دنیا سے یہ ہے کہ خلیفہ بھی انسان ہی ہوتا ہے اور اس پر وحی تشریعی کا نزول نہیں ہوتا اور وہ بھی احکام دین کا اسی طرح سے مکلّف ہوتا ہے جیسا کہ امت کے باقی افراد ہوتے ہیں۔

اور خلیفہ کا انتخاب خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا اظہار نبیؐ کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور نبیؐ کے بعد خلیفہ ہی دین اسلام کی تعلیمات کا محافظ ہوتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی تعلیمات کا نفاذ بھی اسی کی ذمہ داری ہے اس نظریہ کے تحت نبوت کے بعد خلافت کا درجہ ہے اور خلافت کو بھی اتنا ہی پاک و پاکیزہ ہونا چاہیے جتنی کہ نبوت پاک و پاکیزہ ہے۔

اس نظریہ کے حامل گروہ کی رائے یہ ہے کہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی اکرمؐ نے حکم خداوندی کے تحت حضرت علیؑ کی امامت و خلافت کا اعلان کیا ہے۔ لیکن حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد چند لوگوں نے انہیں ان کے اس حق سے محروم رکھا اور انہوں نے اپنی خود ساختہ خلافت قائم کی۔ مگر اس کے باوجود رسول خدا کے حقیقی اور پہلے جانشین حضرت علیؑ ہی تھے اگرچہ وہ ایک طویل عرصہ تک اپنے فرائض کی کماحقہ ادائیگی سے قاصر رہے لیکن اس میں ان کی ذات کا کوئی دوش نہیں تھا۔ ساری غلطی ان کے حریفوں کی تھی۔

یہ گروہ مسئلۂ امامت و خلافت کو دینی منصب ثابت کرنے کے لئے یہ استدلال کرتا ہے :

رسولِ خدؐا نے دین و دنیا کی تعلیم دی ہے اور حضورؐ کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ مسلمانوں کے لیے کوئی رہبر و رہنما مقرر کر کے جائیں ۔ تاکہ آپؐ کے بعد امت افتراق و انتشار کا شکار نہ ہو اور امت کی رہبری کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ہر لحاظ سے موزوں ہو اور دین و دنیا کے معاملات سے بخوبی آگاہ ہو اور وہ مکارمِ اخلاق کا بلند ترین نمونہ ہو ۔ دین اسلام صرف قبیلہ قریش یا صرف سر زمین حجاز کے لوگوں کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ یہ دین پوری انسانیت کے لیے آیا تھا ۔ تو اسی لیے ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کو نامزد کیا جائے جو ہر لحاظ سے لائق و فائق ہو ۔

۱ ۔ اور مسئلہ خلافت کو امت کے سپرد کر کے چلے جانا کوئی معقول بات نہیں ہے اور اتنے اہم ترین مسئلہ کو لوگوں کی صوابدید پر چھوڑنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر اس حساس مسئلہ کو بھی عوام الناس کی پسند و ناپسند پر چھوڑ دیا جائے تو اس سے بہت زیادہ پیچیدگیاں جنم لیں گی ۔ اور اگر بالفرض عوام کو ہی حق انتخاب حاصل ہے تو پھر یہ حق تمام مسلمانوں کو حاصل ہے یا ایک مخصوص گروہ کو حاصل ہے ؟

۲ ۔ اور اگر یہ مخصوص گروہ کا حق ہے تو اس گروہ کی وجہ استحقاق کیا ہے ؟ اور اس گروہ کی آخر وہ کون سی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے انہیں یہ امتیاز حاصل ہوا ہے ؟

۳ ۔ اور کیا انتخاب خلیفہ کا حق صرف حضرت ابو بکر و حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ اور ان دو چار انصار کو ہی حاصل ہے جو کہ سقیفہ میں موجود تھے ؟

۴ ۔ اور کیا حضرت علیؑ اور جملہ بنی ہاشم اور سعد بن عبادہ اور ان کے فرزند ، حضرت سلمان فارسی ، حضرت ابو ذر غفاری ، حضرت مقداد بن اسود ، حضرت عمار

بن یاسر ، حضرت زبیر بن عوام ، حضرت خالد بن سعید اور حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت بریدہ جیسے بلند مرتبہ صحابہ کی مخالفت کے باوجود بھی سقیفائی خلافت کو درست سمجھا جا سکتا ہے ؟

۵ ۔ اور کیا جب اتنے عظیم المرتبت افراد بھی مخالف ہوں تو اس کے باوجود بھی خلافت کو کاملُ الشروط سمجھنا درست ہوسکتا ہے ؟

۶ ۔ اور اگر مسلمانوں کو ایک افضل فرد کے انتخاب کا حق بھی دے دیا جائے تو کیا وہ فی الحقیقت ایک افضل ترین فرد کا ہی انتخاب کریں گے جب کہ ان میں قبائلی عصبیت بھی موجود ہو ؟

۷ ۔ اور کیا جناب رسول خدؐا ان قبائلی عصبیتوں کو جانتے ہوئے بھی خلیفہ کا انتخاب اس لیے ان کے حوالے کر کے گئے تھے کہ آپؐ ان عصبیتوں کو مزید برانگیختہ کرنا چاہتے تھے ؟

۸ ۔ اور اگر یہ حق افراد امت کے حوالے کر دیا جائے تو اس صورت میں خلیفہ کا انتخاب تحریری طور پر عمل میں لایا جائے گا یا زبانی پوچھ کر ان کے ووٹوں کی گنتی کی جائے گی ؟

۹ ۔ اگر لکھنا ضروری ہے تو یہ بتایا جائے کہ اس دور میں کتنے افراد خواندہ تھے جب کہ ان لوگوں کو اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے "اُمِّیِّیْن" کہا جاتا تھا ؟ اور یہ بیان کیا جائے کہ یہ انتخاب کہاں عمل میں لایا جائے گا ۔

۱۰ ۔ اور کیا تمام شہروں اور قصبوں میں اس کے لیے "پولنگ بوتھ" قائم کیے جائیں یا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے گا ؟

۱۱ ۔ اور امید وار کو اپنی پبلسٹی کا حق بھی دیا جائے گا یا نہیں ؟

۱۲ ۔ اور یہ انتخاب کس طرح سے روبعمل لایا جائے گا ؟

۱۳ ۔ اور اس انتخاب کے لیے کتنے وقت کی ضرورت ہو گی ؟

۱۴ ۔ اور وفات رسولؐ اور خلیفہ کے انتخاب کے درمیانی عرصہ میں مسلمانوں کے امور کس کے سپرد ہوں گے ؟

درج بالا سوالات کے جواب انتہائی ضروری ہیں ۔

خلافت علیؑ کے دلائل

مسلمانوں کا وہ گروہ جو خلافت و امامت کو مخصوص من اللہ قرار دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں انکا موقف بڑا ٹھوس اورواضح ہے ۔ وہ گروہ یہ کہتا ہے کہ رسول خدا نے ہجرت کے دسویں سال حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور تمام عرب میں اس کی منادی کرائی گئی ۔ مسلمان پورے جزیرۂ عرب سے سمٹ کر حج کے لیے آئے اور اس حج کو حجتہُ الوداع کہا جاتا ہے ۔

جناب رسول خدا مناسکِ حج سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مدینہ واپس آرہے تھے اور جب مقام غدیر خم پر پہنچے اور یہ مقام جحفہ کے قریب ہے اور یہاں سے ہی مصر اور عراق کی راہیں جدا ہوتی ہیں ۔

اس مقام پر اللہ تعالی نے اپنے حبیبؐ پر یہ آیت نازل فرمائی ۔ " یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكَافِرِیْنَ " (المائدہ نمبر ۶۷) " اے رسولؐ ! اس حکم کو پہنچائیں جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا ۔ بے شک اللہ منکر قوم کو ہدایت نہیں کرتا ۔

اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد آپ نے اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنوایا اور تمام لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا ۔ جب تمام لوگ جمع ہوگئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور حضرت علیؑ کے بازو کو بلند کر کے

اعلان کیا ۔ " اِنَّ اللّٰهَ مَوْلَایَ وَاَنَا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ " اللہ میرا مولا ہے اور میں اہلِ ایمان کا مولا ہوں پھر فرمایا ۔ " مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَّوْلَاهُ " [۱] جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے ۔

اس کے فورا بعد اللہ تعالی نے تکمیل دین کا اعلان کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: " اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا " (المائدہ)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ خدا نے شکر کرتے ہوئے کہا ۔ " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِكْمَالِ الدِّیْنِ وَاِتْمَامِ النِّعْمَةِ ..... وَالْوِلَایَةِ لِعَلِیٍّ " تکمیل دین اور تمام نعمت اور ولایت علیؑ پر اللہ کی حمد ہے ۔

اس مقام پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر شیعہ عید غدیر کا جشن منانے لگے ۔ مقریزی نے اس جشن کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

" جاننا چاہیے کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں عید غدیر کے نام سے کوئی عید نہیں منائی جاتی تھی اور سلف صالحین سے بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ۔ یہ عید سب سے پہلے سن ۳۵۲ ھ میں مُعزّ الدولہ علی بن بابویہ کے دور میں عراق میں منائی گئی اور اس کی بنیاد اس حدیث پر تھی ۔ جس کی روایت امام احمد نے اپنی مسند کبیر میں براء بن عازب کی زبانی کی ہے وہ کہتے ہیں ۔

ہم رسول خدا کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور مقام غدیر خم پر پہنچے تو " اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ " کی منادی ہوئی اور دو درختوں کے درمیان جھاڑو دی گئی اور

---

(۱) تفصیلی حوالے کے لئے عبقات الانوار ۔ جلد حدیث ولایت کا مطالعہ فرمائیں ۔

حضور اکرمؐ نے نماز ظہر ادا کی اور خطبہ دیا۔ خطبہ کے دوران لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔ "اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" ؟ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ میں مومنوں کی جان سے بھی زیادہ ان پر حق حکومت رکھتا ہوں؟

سامعین نے کہا جی ہاں! پھر آپؐ نے علیؑ کا بازو پکڑ کر بلند فرمایا اور اعلان کیا:۔ "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ" جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ اے اللہ! جو اس سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔ اس کے بعد حضرت عمر، حضرت علیؑ کو ملے اور کہا:۔ "هَنِيْئًا لَّكَ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ" ابو طالب کے فرزند! تمہیں مبارک ہو تم ہر مومن مرد و عورت کے مولا بن گئے ہو۔

غدیر خُم کا مقام جُحفہ سے بائیں طرف تین میل کے فاصلے پر ہے وہاں پر ایک چشمہ پھوٹتا ہے اور اس کے ارد گرد بہت سے درخت ہیں۔

اس واقعہ کی یاد کے طور پر شیعہ اٹھارہ ذی الحجہ کو عید مناتے تھے۔ ساری رات نمازیں پڑھتے تھے اور دن کو زوال سے قبل دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے تھے اور اس دن نیا لباس پہنتے تھے اور غلام آزاد کرتے تھے اور زیادہ سے زیادہ خیرات بانٹتے اور جانور ذبح کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جب شیعوں نے یہ عید منانی شروع کی تو اہل سنت نے ان کے مقابلہ میں پورے آٹھ دن بعد ایک عید منانی شروع کر دی اور وہ بھی اپنی عید پر خوب جشن مناتے تھے اور کہتے تھے کہ اس دن رسول خدا اور حضرت ابوبکر غار میں داخل ہوئے تھے[۱]۔"

(۱) کتاب المواعظ و الاعتبار۔

سَوادِ اَعظم کا نظریۂ خلافت

مسلمانوں کے دوسرے فریق کے نظریہ کے مطابق خلافت کے لئے اگرچہ دینی تعلیمات کی پابندی ضروری ہے لیکن بایں ہمہ وہ اول و آخر ایک دنیاوی معاملہ ہے۔ اسی لیے حضورِ اکرم صلّی اللہُ علیہ وآلِہٖ وسلم نے خلافت کے لیے نص نہیں فرمائی۔ کیونکہ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں تھا۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا کے فوراً بعد کچھ مسلمان سقیفہ بنی ساعدہ[۱] میں خلیفہ کے انتخاب کے لیے جمع ہوئے۔ انہوں نے یہ عظیم منصب حضرت ابو بکر کے حوالہ کیا، انہوں نے حضرت عمر کو نامزد کیا، انہوں نے شوریٰ قائم کی، شوریٰ نے حضرت عثمان کا انتخاب کیا اور ان کی وفات کے بعد لوگوں نے حضرت علیؑ کا انتخاب کیا۔ یہ چاروں بزرگوار خلفائے راشدین کہلاتے ہیں اور دینی اعتبار سے بھی ان کی فضیلت کی ترتیب یہی ہے۔ اس نظریہ کے حامل افراد یہ کہتے ہیں کہ وفات رسولؐ تک دینی احکام کی تکمیل ہو چکی تھی اور زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق ضروری ہدایات بھی مل چکی تھیں اسی لیے کسی آسمانی خلافت کی امت کو ضرورت نہیں رہی تھی اسی نظریہ کی ترجمانی کرتے ہوئے استاد عبدالفتاح عبدالمقصود اپنی کتاب "الامام علی بن ابی طالب" میں لکھتے ہیں:۔

" اسلامی خلافت کا تعلق دنیاوی نظام زندگی سے ہے اور دنیا کے دیگر رائج نظریات حکومت کی طرح خلافت بھی ایک نظریہ ہے۔ خلافت رائے اور فکر کی پیداوار ہے اس کا نص سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ رسول خدا نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کسی کو اپنی خلافت کیلئے صریح الفاظ میں نامزد نہیں فرمایا تھا۔

(۱) سقیفہ ایک جگہ تھی جہاں دور جاہلیت میں لوگ امور باطل کو سرانجام دینے کے لئے جمع ہوتے تھے اور مجازاً بے ہودہ گفتگو کو بھی سقیفہ کہا جاتا ہے۔ غیاث اللغات طبع ہند مادہ (سقف)

ہاں یہ درست ہے کہ آپؐ نے وقتاً فوقتاً ایسے اشارات ضرور کئے تھے لیکن صحابہ اس کی تاویل سے قاصر رہے اس کے ساتھ چند احادیث ایسی بھی ہیں جن میں خلافت کے لئے صریح الفاظ کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے ۔ مثلاً حدیث غدیر اور حدیث خاصف النعل ، تو ان جیسی احادیث کو صراحت استخلاف کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے [۱] ۔

معتزلہ کا نظریۂ خلافت

اسی مسئلہ کے متعلق ایک تیسرا نظریہ بھی ہے جو کہ ان دونوں فریقوں کے نظریات کے "بَیْن بَیْن" ہے ۔

اس نظریہ کے حامل افراد اہل سنت کے اس نظریہ سے اتفاق کرتے ہیں کہ خلافت ہر لحاظ سے ایک دنیاوی معاملہ ہے اور رسول خدا نے اس کے لئے کوئی نص صریح نہیں فرمائی ۔ لیکن اس کے باوجود علی علیہ السلام ، حضرت ابو بکر کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ حقدار ہیں ۔ کیونکہ علی علیہ السلام ہر لحاظ سے پوری امت مسلمہ کے افضل فرد ہیں ۔

اسی نظریہ کے حامل افراد میں سے ابن ابی الحدید کی رائے کو ہم ان کی کتاب شرح نہج البلاغہ سے نقل کرتے ہیں :

" ہمارے تمام شیوخ کا اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکر کی بیعت صحیح اور شرعی تھی اور ان کی خلافت نص پر قائم نہیں ہوئی تھی ۔

ان کی خلافت اجماع اور اجماع کے علاوہ دوسرے طریقوں کے تحت قائم ہوئی تھی ۔ ہمارے شیوخ کا تفصیل میں اختلاف ہے ۔

(۱) خلافت کی نصوص صریحہ کے لئے علامہ امینی کی مشہور زمانہ کتاب " الغدیر " کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ کتاب گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے ۔

ابوعثمان اور عمرو بن عبید جیسے متقدّمین کہتے ہیں کہ ابوبکر ، علیؑ سے افضل ہیں۔ اور خلفائے راشدین کی فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو کہ ان کی خلافت کی ترتیب ہے ۔ ہمارے بغدادی شیوخ خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین ان سب کی متفقہ رائے یہ ہے کہ :-

علی علیہ السلام حضرت ابو بکر سے افضل ہیں ۔ اور بصرہ کے مندرجہ ذیل علما بھی اس مسئلہ میں ان کے مؤید ہیں ۔ ابو علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی ، شیخ ابوعبداللہ الحسین بن علی البصیری اور قاضیُ القُضاۃ عبدالجبار بن احمد اور ابومحمد حسن بن متویۃ وغیرہ ۔

علاوہ ازیں ابو حذیفہ و اصل بن عطاء اور ابی الھذیل محمد بن الھذیل العلاف کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت ابو بکر کی تفضیل کے متعلق ہمیں خاموش رہنا چاہیے البتہ علی علیہ السلام حضرت عثمان سے ہر لحاظ سے افضل تھے ۔

اور جہاں تک ہمارا اپنا تعلق ہے تو ہم اپنے بغدادی شیوخ کے نظریہ کو تسلیم کرتے ہوئے حضرت علیؑ کو باقی تمام لوگوں سے افضل و بہتر سمجھتے ہیں ۔"

فرقہ معتزلہ کے یہ فاضل شخص شرح نہج البلاغہ میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ کافی بحث و تمحیص کے بعد فرقۂ معتزلہ نے تفضیل کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے :

" حضرت علیؑ پوری امت اسلامیہ میں سے افضل ترین فرد تھے ۔ لوگوں نے چند مصلحتوں کی وجہ سے انہیں خلافت سے محروم رکھا ۔ حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق نصوص قطعیہ موجود نہ تھیں ۔ ہاں اگر نصوص موجود بھی تھیں تو بھی ان کے مفہوم میں اشتباہ موجود تھا ۔ حضرت علی علیہ السلام نے پہلے پہل حضرت ابوبکر کی حکومت سے اختلاف کیا لیکن پھر مصالحت کر لی ۔ اگر علیؑ سابقہ مخالفت پر ڈٹے رہتے تو ہم حضرت ابو بکر کی خلافت کو غلط قرار دیتے الغرض ہمارا نظریہ یہی

ہے کہ : حضرت علیؑ ہی خلافت کے اصل مالک و وارث تھے ۔ خواہ وہ خود خلافت پر فائز ہوتے تو بھی ان کا حق تھا اور اگر انہوں نے کسی اور کو خلافت پر فائز ہونے دیا تو بھی یہ ان کا استحقاق تھا ۔ البتہ اس مقام پر ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ انہوں نے اور لوگوں کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا اسی لیے ہم بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے بزرگوں کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اور جس پر علیؑ راضی تھے ہم بھی اس پر راضی ہیں [۱] ۔"

تو اس فریق کے نظریہ کی تلخیص ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے کہ یہ فریق حضرت علی علیہ السلام کو حضرت ابوبکر سے افضل مانتا ہے اور انہیں خلافت کا صحیح حقدار قرار دیتا ہے ۔ البتہ ان کے لئے رسول اکرمؐ کی طرف سے کسی نص کا قائل نہیں ہے ۔ اس لحاظ سے صورت حال یہ ہو گی کہ شرعی تقاضوں کے تحت حضرت علیؑ خلیفہ تھے اور حضرت ابوبکر چونکہ مخصوص حالات کی وجہ سے خلیفہ بن چکے تھے اور حضرت علیؑ نے بھی مزاحمت نہیں کی تھی ۔ اسی لئے ان کی خلافت بھی درست ہے ۔

الغرض مسئلہ خلافت ہر دور میں اختلافات کا محور رہا ہے ۔ اسی سے دوسرے اختلافات نے ہمیشہ جنم لیا ہے ۔ وفاتِ رسولؐ سے لے کر آج تک یہ مسئلہ ہر دوَر میں نزاعی رہا ہے ۔مسئلہ خلافت کیلئے ہر فریق نے اپنی رائے کو درست قرار دیا اور دوسرے فریق کی رائے کو ہمیشہ جھوٹ اور بہتان کہہ کر ٹھکرایا ہے ۔

تاریخ کے طالب علم کے لئے ان تینوں نظریوں کو درست قرار دینا بڑا مشکل ہے کیونکہ مذکورۃ الصدر نظریات میں سے اگر ایک کو صحیح مانا جائے تو دوسرے نظریات کو باطل ماننا پڑتا ہے ۔

اگر کوئی شخص نص و وصیت کا انکار کرتا ہے تو پھر وہ اس بات کا قائل

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ۲/۲، طبع اول مطبوعہ مصر ۔

ہے کہ پیغمبر خدؐا کو امتِ اسلامیہ کے مستقبل کی کوئی فکر ہی نہیں تھی ۔ اور آپؐ کو اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ امت کے کتنے ٹکڑے ہو جائیں گے اور امت کتنی زبوں حالی کا شکار ہو جائے گی ۔

جب کہ تاریخی حقائق اس نظریہ کو لغو اور باطل قرار دیتے ہیں ۔ آپ حدیث قرطاس کو ہی لے لیں ۔ جس پر ہم سابقہ اوراق میں کافی بحث کر چکے ہیں لیکن اس مقام پر بھی ہم مذکورہ حدیث کو پیش کرنا چاہتے ہیں ۔

حدیثِ قرطاس

ابن اثیر اپنی کتاب الکامل فی التاریخ جلد دوم صفحہ نمبر ۲۱۷ پر تحریر کرتے ہیں :۔ " اِشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَرَضُہٗ وَوَجعُہٗ فَقَالَ : اِئْتُوْنِیْ بِدَوَاۃٍ وَّبَیْضَآءَ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَّا تَضِلُّوْنَ بَعْدِیْ اَبَدًا ، فَتَنَازَعُوْا ۔ وَلَایَنْبَغِیْ عِنْدَ نَبِیٍّ تَنَازُعٌ ۔ فَقَالُوْا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَھْجُرُ ، فَجَعَلُوْا یُعِیْدُوْنَ عَلَیْہِ ۔ فَقَالَ دَعُوْنِیْ فَمَا اَنَا فِیْہِ خَیْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ ، فَاَوْصٰی بِثَلَاثٍ : اَنْ یُّخْرَجَ الْمُشْرِکُوْنَ مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ وَاَنْ یُّجَازَی الْوَفْدُ بِنَحْوِ مَاکَانَ یُجِیْزُھُمْ ، وَسَکَتَ عَنِ الثَّالِثَۃِ عَمَدًا وَقَالَ نَسِیْتُھَا ۔"

جناب رسول خدؐا کی بیماری اور درد میں اضافہ ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ :۔

میرے پاس کاغذ اور قلم دوات لاؤ تاکہ میں تمہیں تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے ۔ یہ سن کر لوگوں نے جھگڑنا شروع کر دیا جبکہ نبیؐ کے پاس جھگڑا کرنا نامناسب تھا ۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ رسول خدؐا ہذیان کہہ رہے ہیں اور بار بار یہی کہنے لگے ۔ اس پر رسولِ خدؐا نے فرمایا: میں جس تکلیف میں ہوں وہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلانا چاہتے ہو ۔ آپؐ نے تین امور کی وصیت کی ۔

۱۔ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے ۔

۲ ۔ وفد بھیجنے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہنا چاہیے جیسا کہ میں بھیجا کرتا تھا اور تیسری وصیت کو جان بوجھ کر چھپایا گیا اور کہا کہ وہ مجھے بھول گئی ہے ۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس روایت کو یوں نقل کیا ہے ۔

" حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ الْاَحْوَلِ عَنْ سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ قَالَ : قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : اِشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَجَعُهٗ فَقَالَ : اِئْتُوْنِيْ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا ، فَتَنَازَعُوْا وَلَايَنْبَغِيْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ ، فَقَالُوْا : مَاشَانُهٗ اَهَجَرَ ؟ اِسْتَفْهِمُوْهُ ، فَذَهَبُوْا يُرَدِّدُوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ : دَعُوْنِيْ فَالَّذِيْ اَنَافِيْهِ خَيْرٌ مِّمَّاتَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ ، وَاَوْصَاهُمْ بِثَلَاثٍ قَالَ : اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ ، وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَاكُنْتُ اُجِيْزُهُمْ ، وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ ، اَوْقَالَ : فَنَسِيْتُهَا ۔ "

رسول خدا کی تکلیف میں اضافہ ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس کاغذ اور قلم دوات لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے ۔ اس کے بعد لوگوں میں تنازعہ پیدا ہو گیا جب کہ نبیؐ کے پاس تنازعہ نا مناسب تھا ۔ پھر وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا نبیؐ ہذیان کہہ رہے ہیں اور بار بار اسی جملہ کا تکرار کرنے لگے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا: " میں جس تکلیف میں ہوں وہ تمہاری دعوت سے کئی گنا بہتر ہے اور آپؐ نے انہیں تین چیزوں کی وصیت فرمائی:
(۱) جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکال دو ۔ (۲) وفد بھیجنے کا سلسلہ اس طرح جاری رہنا چاہیے جیسا کہ میں بھیجا کرتا تھا ۔ راوی نے تیسری وصیت کے متعلق خاموشی اختیار کرلی یا اس نے کہا : مجھے تیسری بات بھول گئی ہے ۔

امام بخاری نے ایک اور سَنَد سے اسی حدیث کو یوں بیان کیا ہے " لَمَّا حَضَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ ، فَقَالَ النَّبِيُّ : هَلُمُّوْا اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّاتَضِلُّوْا بَعْدَهٗ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ : اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْغَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ ، وَحَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ. فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا

فَلَمَّآ اَكْثَرُوا اللَّغْوَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ : قُوْمُوْا ۔ " ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور کریمؐ کا وقت آخر آیا اس وقت گھر میں بہت سے افراد موجود تھے ۔ رسول خدا نے فرمایا : میں تمہیں ایسی تحریر لکھ کر دینا چاہتا ہوں کہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے ۔ تو ان میں سے بعض نے کہا رسول خدا پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے ۔ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے ۔ گھر میں موجود افراد کا اس بات پر اختلاف ہو گیا اور وہ جھگڑنے لگے ۔ جب حضور کریمؐ کے پاس اختلاف اور بے ہودہ گوئی زیادہ بڑھی تو آپؐ نے فرمایا : اٹھ کر چلے جاؤ ۔

اسی حدیث کو ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات کبری جلد ۲ ۔ ص ۶۰ ۔ ۶۱ پر اس طرح نقل کیا ہے ۔

" اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَ مَاحَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ وَكَانَ مَعَهٗ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيْهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ : هَلُمُّوْا اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ ، فَقَالَ عُمَرُ : اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْغَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ. حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ. فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا ، فَلَمَّا كَثُرَ اللَّغَطُ وَالْاِخْتِلَافُ قَالَ النَّبِيُّ : قُوْمُوْا عَنِّيْ ۔ "

حضور کریمؐ کی وفات کے وقت گھر میں بہت سے افراد تھے ان میں عمر بن خطاب بھی موجود تھے ۔ حضورؐ نے فرمایا تم کاغذ اور قلم دوات لاؤ ۔ میں تمہارے لئے تحریر لکھدوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے ۔ حضرت عمر نے کہا اس وقت رسول خدا پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے ۔ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے ۔ گھر میں بیٹھے ہوئے افراد کا آپس میں اختلاف ہو گیا اور جھگڑنے لگے ۔ جب حضور اکرمؐ کے پاس شور و غوغا بڑھ گیا تو آپؐ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ ۔

اس حدیث کے پڑھنے کے بعد آپ خود اپنے ضمیر اور وجدان کی عدالت میں فیصلہ کریں کہ رسول کریمؐ کے فرمان کو سن کر حضرت عمر نے جو جواب دیا

کیا وہ حضور اکرمؐ کی شخصیت کے مطابق تھا؟ اور کیا آداب صحبت ایسے جواب کی اجازت دیتے ہیں؟ اور کیا دین اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حضور اکرمؐ کے فرمان کو ہذیان کہہ کر ان کی توہین کی جائے؟

آپ حضرت عمر کے جواب کو ملحوظ خاطر رکھیں اور قرآن مجید کی اس آیت کو بھی پڑھیں " وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى .(النجم ۳ - ۴)

رسولؐ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وہی کہتے ہیں جو وحی کہتی ہے

اس آیت کی موجودگی میں حضرت عمر کے جواب کی شرعی حیثیت کیا قرار پائی ہے۔ اس کا فیصلہ ہم اپنے منصف مزاج قارئین کے حوالہ کرتے ہیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ صحابہ نے حضور اکرمؐ سے بہت سے ایسے سوال بھی دریافت کیے تھے جو کہ مسئلہ خلافت سے بہت ہی کم اہمیت کے حامل تھے۔ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:۔ صحابہ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ آپ کو غسل کون دے؟ تو آپؐ نے فرمایا میرے خاندان کے قریبی افراد مجھے غسل دیں۔ اور صحابہ نے آپؐ سے دریافت کیا آپ کا کفن کیسا ہونا چاہیے تو فرمایا مجھے میرے اپنے کپڑوں کا ہی کفن پہنایا جائے یا مصری کپڑے کا کفن دیا جائے یا یمنی پارچہ کا کفن بنایا جائے۔ صحابہ نے آپؐ سے پوچھا تھا کہ آپؐ کو قبر میں کون اتارے؟ تو فرمایا کہ میرے خاندان کے افراد مجھے قبر میں اتاریں۔

اس روایت کو پڑھنے کے بعد خدا لگتی کہیئے کہ صحابہ کفن، دفن اور قبر میں اتارنے والے کے متعلق تو پوچھتے رہے، کیا انہوں نے آپؐ سے یہ نہیں پوچھا ہو گا کہ آپ کا جانشین کون ہو گا؟ یا خود حضور کریمؐ نے صحابہ کو نہیں بتایا ہو گا کہ میرا جانشین کون ہے؟

ابن خلدون اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ اس کے بعد رسولؐ خدا نے فرمایا میرے پاس کاغذ اور قلم دوات لاؤ میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم

کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ سن کر لوگوں نے جھگڑنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ حضورؐ ہذیان کہہ رہے ہیں اور مسلسل فرمان پیغمبرؐ کو ہذیان کہتے رہے۔ آپ نے فرمایا: میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو۔[۱]

قارئینِ کرام!

اب آپ فیصلہ کریں کہ رسولؐ کو تحریر کیوں نہ لکھنے دی گئی اور یہ مزاحمت کیوں کی گئی اور اس ہنگامہ دار و گیر کی آخر ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا ایسا تو نہ تھا کہ حضوراکرمؐ اپنی زندگی کے مختلف اوقات میں جس شخصیت کی جانشینی کا ذکر کرتے رہتے تھے، آخری وقت میں اسے تحریری شکل میں لکھ کر دینا چاہتے تھے؟

تاکہ کسی کو ان کی جانشینی کے متعلق کوئی شک و شبہہ نہ رہ سکے اور حضرت عمر بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ حضور اکرمؐ کا ارادہ بھانپ کر انہوں نے اس کی بھرپور مخالفت کی اور عجیب و غریب بات یہ ہے کہ محدثین کہتے ہیں کہ حضورؐ نے تین چیزوں کے متعلق وصیت فرمائی تھی۔ دو وصیتیں تو بیان بھی کی گئی ہیں اور حضرت ابو بکر نے ان دونوں پر عمل بھی کیا تھا۔ لیکن تیری وصیت راوی کو بھول جاتی ہے۔ یا وہ اسے جان بوجھ کر بیان نہیں کرتا۔

اسی تیسری وصیت کو رسولِ خداؐ تحریری صورت میں لانا چاہتے تھے اور اس پر ہذیان، ہذیان کہہ کر حضور کریمؐ کی شان میں گستاخی کی گئی۔ تعجب تو یہ ہے کہ کل وصیتیں تین تھیں۔ دو وصیتوں کے وقت حضورؐ اپنے ہوش و حواس میں تھے۔ لیکن تیسری وصیت کے وقت ان پر ہذیان طاری ہو گیا تھا۔ (نعوذ باللہ)

---

(۱) تاریخ ابن خلدون۔ ج ۲۔ ص ۲۹۰۔

رسول خدا کیا لکھنا چاہتے تھے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخری وقت میں رسول خدا کیا لکھنا چاہتے تھے ؟ اس سوال کا جواب خود حضرت عمر نے اپنی زبان سے دیا ہے ۔ جسے احمد بن ابی طاہر نے تاریخ بغداد میں اپنی اسناد سے لکھا ہے ۔ اور ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۹۰ پر نقل کیا ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے : " حضرت عبداللہ بن عباس ، حضرت عمر کے ساتھ چل رہے تھے تو حضرت عمر نے ان سے کہا کہ ابن عباس ! اگر تم نے اس بات کو چھپایا تو تم پر ایک اونٹ کی قربانی لازمی ہوگی .... کیا اب بھی علیؑ کے دل میں امر خلافت کے متعلق کوئی خلش باقی ہے ؟

ابن عباس نے کہا جی ہاں ! حضرت عمر نے کہا : کیا علیؑ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول خدا نے ان کی خلافت پر نص فرمائی تھی ؟

ابن عباس نے کہا جی ہاں ! تو حضرت عمر نے کہا کہ رسول خدا نے اپنی زندگی میں متعدد مرتبہ ایسے اشارے ضرور کئے تھے لیکن ان میں بات کی وضاحت موجود نہ تھی ۔ رسولِ خدا نے اپنے مرضُ الموت میں اس خواہش کو لکھنا چاہا تھا اور ان کا پورا ارادہ ہو گیا تھا کہ علیؑ کا نام تحریری طور رکھ دیں ۔ میں نے اسلام و مسلمین کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں ایسا نہ کرنے دیا ۔ میری مخالفت کی وجہ سے رسولِ خدا بھی سمجھ گئے کہ میں ان کے مافی الضمیر کو تاڑ چکا ہوں اسی وجہ سے رسول خدا رک گئے ۔"

اگر یہ روایت درست ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر کو جناب رسول خدا سے بھی زیادہ اسلام کا مفاد عزیز تھا ۔ اگر امر واقعہ یہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) چاہیے تھا کہ وہ حضوراکرمؐ کی بجائے حضرت عمر کو ہی نبوت عطا فرماتا ۔

اگر ہم بحث و تحقیق کی سہولت کے مدنظر خلافت کے دنیاوی پہلو کو نظر انداز کردیں اور ان تاریخی حقائق سے بھی صرف نظر کرلیں جسے فریق اول پیش کرتا ہے اور ہم اپنے آپ کو صرف ان تاریخی حوالہ جات کا پابند بنالیں جسے فریق ثانی نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے تو بھی ہم کسی بہتر نتیجہ کو اخذ کرنے کے قابل رہیں گے ۔

اس مقام پر سوال یہ ہے کہ رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت علیؑ سریر خلافت پر فائز کیوں نہ ہو سکے ؟

اس سوال کا اہلِ سنت کی کتابوں سے جواب دینے سے پہلے ہم یہ ضروری گزارش کریں گے کہ ہمارے یہ جوابات " اقناعی " ہوں گے ۔ کیونکہ اس موضوع کے متعلق اکثر تاریخی حقائق کو تلف کیا جاتا رہا ہے اور اموی اور عباسی دور اقتدار میں ہر ممکن تحریف کی گئی ہے ۔

تاریخ میں ہم اس حقیقت کامشاہدہ کرتے ہیں کہ وفات رسولؐ کے بعد نسل ابو طالب کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور اس دوَر کی حکومتیں اہل بیت طاہرینؑ سے بدترین عناد رکھتی تھیں ۔ اور " اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ " کے تحت اس زمانہ کے اہل علم ، رُواۃ و قضاۃ نے بھی آل محمدؐ کی تنقیص کو طلب دنیا کا وسیلہ بنایا اور آلِ محمدؐ کی عداوت کو سلاطین وحکام کیلئے ذریعہ تقرب قرار دیا اور آل محمدؐ کی جو فضیلت چھپانے کے باوجود نہ چھپ سکی تو اس جیسی روایت اغیار کیلئے وضع کی گئی ۔

اس کے باوجود آل محمدؐ کی صداقت کا یہ معجزہ ہے کہ ان کے فضائل و مناقب آج بھی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کی مظلومیت کی داستان بھی سیرو تواریخ میں موجود ہے ۔

اس کتاب میں ہم بھی حتی المقدور مستند کتبِ تاریخ و سِیَر کے حوالہ جات پیش کریں گے ۔

رسول خدا کیا لکھنا چاہتے تھے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخری وقت میں رسول خدا کیا لکھنا چاہتے تھے ؟ اس سوال کا جواب خود حضرت عمر نے اپنی زبان سے دیا ہے ۔ جسے احمد بن ابی طاہر نے تاریخ بغداد میں اپنی اسناد سے لکھا ہے ۔ اور ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۹۷ پر نقل کیا ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے : " حضرت عبداللہ بن عباس ، حضرت عمر کے ساتھ چل رہے تھے تو حضرت عمر نے ان سے کہا کہ ابن عباس ! اگر تم نے اس بات کو چھپایا تو تم پر ایک اونٹ کی قربانی لازمی ہوگی .... کیا اب بھی علیؑ کے دل میں امر خلافت کے متعلق کوئی خلش باقی ہے ؟

ابن عباس نے کہا جی ہاں ! حضرت عمر نے کہا : کیا علیؑ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول خدا نے ان کی خلافت پر نص فرمائی تھی ؟

ابن عباس نے کہا جی ہاں ! تو حضرت عمر نے کہا کہ رسول خدا نے اپنی زندگی میں متعدد مرتبہ ایسے اشارے ضرور کئے تھے لیکن ان میں بات کی وضاحت موجود نہ تھی ۔ رسولِ خدا نے اپنے مرضُ الموت میں اس خواہش کو لکھنا چاہا تھا اور ان کا پورا ارادہ ہو گیا تھا کہ علیؑ کا نام تحریری طور رکھ دیں ۔ میں نے اسلام و مسلمین کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں ایسا نہ کرنے دیا ۔ میری مخالفت کی وجہ سے رسولِ خدا بھی سمجھ گئے کہ میں ان کے مافی الضمیر کو تاڑ چکا ہوں اسی وجہ سے رسول خدا رک گئے ۔"

اگر یہ روایت درست ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر کو جناب رسول خدا سے بھی زیادہ اسلام کا مفاد عزیز تھا ۔ اگر امر واقعہ یہی ہے تو پھر اللہ تعالی کو (نعوذ باللہ) چاہیے تھا کہ وہ حضور اکرمؐ کی بجائے حضرت عمر کو ہی نبوت عطا فرماتا ۔

اگر ہم بحث و تحقیق کی سہولت کے مدنظر خلافت کے دنیاوی پہلو کو نظر انداز کردیں اور ان تاریخی حقائق سے بھی صرف نظر کرلیں جسے فریق اول پیش کرتا ہے اور ہم اپنے آپ کو صرف ان تاریخی حوالہ جات کا پابند بنا لیں جسے فریق ثانی نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے تو بھی ہم کسی بہتر نتیجہ کو اخذ کرنے کے قابل رہیں گے ۔

اس مقام پر سوال یہ ہے کہ رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت علیؑ سریر خلافت پر فائز کیوں نہ ہو سکے ؟

اس سوال کا اہلِ سنت کی کتابوں سے جواب دینے سے پہلے ہم یہ ضروری گزارش کریں گے کہ ہمارے یہ جوابات " اقناعی " ہوں گے ۔ کیونکہ اس موضوع کے متعلق اکثر تاریخی حقائق کو تلف کیا جاتا رہا ہے اور اموی اور عباسی دور اقتدار میں ہر ممکن تحریف کی گئی ہے ۔

تاریخ میں ہم اس حقیقت کامشاہدہ کرتے ہیں کہ وفات رسولؐ کے بعد نسل ابو طالب کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور اس دور کی حکومتیں اہل بیت طاہرینؑ سے بدترین عناد رکھتی تھیں ۔ اور " اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ " کے تحت اس زمانہ کے اہل علم ، رُواۃ و قضاۃ نے بھی آل محمدؐ کی تنقیص کو طلب دنیا کا وسیلہ بنایا اور آلِ محمدؐ کی عداوت کو سلاطین وحکام کیلئے ذریعہ تقرب قرار دیا اور آل محمدؐ کی جو فضیلت چھپانے کے باوجود نہ چھپ سکی تو اس جیسی روایت اغیار کیلئے وضع کی گئی ۔

اس کے باوجود آل محمدؐ کی صداقت کا یہ معجزہ ہے کہ ان کے فضائل و مناقب آج بھی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کی مظلومیت کی داستان بھی سیرو تواریخ میں موجود ہے ۔

اس کتاب میں ہم بھی حتی المقدور مستند کتبِ تاریخ و سِیَر کے حوالہ جات پیش کریں گے ۔

دورِ معاویہ میں وضع حدیث

آلِ محمدؐ اور بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کی مظلومیت کیلئے درج ذیل واقعہ کو ملاحظہ فرمائیں :-

ابو الحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی اپنی کتاب الاحداث میں رقم طراز ہیں :- " كَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى عُمَّالِهٖ بَعْدَ عَامِ الْجَمَاعَةِ اَنْ بَرِئَتِ الذِّمَّةُ مِمَّنْ رَوٰى شَيْئاً مِّنْ فَضْلِ اَبِيْ تُرَابٍ وَّاَهْلِ بَيْتِهٖ ۔ فَقَامَتِ الْخُطَبَاءُ فِيْ كُلِّ كُوْرَةٍ وَّعَلٰى كُلِّ مِنْبَرٍ يَلْعَنُوْنَ عَلِيّاً وَّيَبْرَؤُوْنَ مِنْهُ وَيَقَعُوْنَ فِيْهِ وَفِيْ اَهْلِ بَيْتِهٖ.وَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى عُمَّالِهٖ فِي جَمِيْعِ الْاٰفَاقِ ۔ اَنْ لَّايُجِيْزُوْا لِاَحَدٍ مِّنْ شِيْعَةِ عَلِيٍّ وَّاَهْلِ بَيْتِهٖ شَهَادَةً وَّكَتَبَ اِلَيْهِمْ : اَنِ انْظُرُوْا مِنْ قِبَلِكُمْ مِّنْ شِيْعَةِ عُثْمَانَ وَمُحِبِّيْهِ وَاَهْلِ وِلَايَتِهٖ وَالَّذِيْنَ يَرْوُوْنَ مَنَاقِبَهٗ وَفَضَائِلَهٗ فَادْنُوْا مَجَالِسَهُمْ وَقَرِّبُوْهُمْ وَاَكْرِمُوْهُمْ وَاكْتُبُوْا اِلَيَّ بِكُلِّ مَايَرْوِيْ كُلُّ رَجُلٍ وَّاسْمِهٖ وَاَبِيْهِ وَعَشِيْرَتِهٖ.فَفَعَلُوْا ذٰلِكَ حَتّٰى اَكْثَرُوْا فِيْ فَضَائِلِ عُثْمَانَ وَمَنَاقِبِهٖ لِمَاكَانَ يَبْعَثُهٗ اِلَيْهِمْ مِّنَ الصِّلَاتِ : ثُمَّ كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهٖ : اِنَّ الْحَدِيْثَ عَنْ عُثْمَانَ قَدْكَثُرَ فَاِذَاجَاءَكُمْ كِتَابِيْ هٰذَا فَادْعُوا النَّاسَ اِلَى الرِّوَايَةِ فِيْ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ وَالْخُلَفَاءِ الْاَوَّلِيْنَ وَلَاتَتْرُكُوْا خَبَرًا يَّرْوِيْهِ اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ اَبِيْ تُرَابٍ اِلَّاوَاْتُوْا بِمُنَاقِضٍ لَّهٗ فِي الصَّحَابَةِ ۔ فَقُرِئَتْ كُتُبُهٗ عَلَى النَّاسِ فَرُوِيَتْ اَخْبَارٌ كَثِيْرَةٌ فِيْ مَنَاقِبِ الصَّحَابَةِ مُفْتَعِلَةً لَاحَقِيْقَةَ لَهَا وَمَضٰى عَلٰى ذٰلِكَ الْفُقَهَاءُ وَالْقُضَاةُ وَالْوُلَاةُ ۔"

امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد معاویہ نے اپنے حکام کو لکھا کہ : جو شخص ابوترابؑ اور ان کے اہل بیتؑ کی فضیلت کے متعلق کوئی روایت بیان کرے گا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں ۔

اس خط کے بعد ہر مقام اور ہر منبر پر لوگ علی علیہ السلام پر لعنت کرنے

لگے اور ان سے براءت کرتے اور ان کے اور ان کے خاندان کے عیوب بیان کرتے ۔

اس کے بعد معاویہ نے اپنے جملہ حکام کو لکھا کہ : علیؑ اور ان کے اہل بیت کے ماننے والوں کی گواہی قبول نہ کی جائے ۔

اور پھر اپنے حکام کو مزید تحریر کیا کہ : عثمان سے محبت رکھنے والے افراد اور ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے والے لوگوں کو اپنا مقرب بناؤ اور ان کا احترام کرو اور جو بھی شخص عثمان کی فضیلت میں کوئی روایت بیان کرے تو اس شخص کا نام و نسب اور بیان کردہ روایت میرے پاس بھیجو ۔

حکام نے معاویہ کے ان احکام پر حرف بحرف عمل کیا اور فضائل عثمان بیان کرنے والوں کو گراں بہا انعامات سے نوازا گیا ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عثمان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہو گئے ۔

پھر مستقبل کے خطرہ کو بھانپتے ہوئے معاویہ نے اپنے حکام کو تحریر کیا کہ :

فضائل عثمان کی حدیثیں بہت زیادہ ہو چکی ہیں اور جب تمہیں میرا یہ خط ملے لوگوں سے کہو کہ وہ اب صحابہ اور پہلے دو خلفاء کے فضائل کی احادیث تیار کریں اور ہاں اس امر کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا کہ ابو ترابؑ کی شان میں کوئی حدیث موجود ہو تو اس جیسی حدیث صحابہ کے لیے ضرور تیار کی جانی چاہیے ۔ معاویہ کے یہ خطوط لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے ۔ اس کے بعد صحابہ اور پہلے دونوں خلفاء کی شان میں دھڑا دھڑ حدیثیں تیار ہونے لگیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا ۔ اس دور کے فقہا ، قاضی اور حکام ان وضعی احادیث کو پھیلاتے رہے ۔

اب مذکورہ سوال یعنی علی علیہ السلام سریر آرائے مسند خلافت کیوں نہ ہو سکے ؟

اس سوال کو حل کرنے کے لئے ہمیں حضرت علیؑ کی سیرت اور زندگانیٔ رسولؐ میں ان کی فدا کاری اور ان کے صلح و جنگ کے فلسفہ کو مدنظر رکھنا ہو گا اور

جب ان کی دور رسالت کی زندگی اور ان کا فلسفہ صلح و جنگ ہمارے پیش نظر ہو گا تو ہم اس گتھی کو سلجھا سکیں گے ۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس سوال کو سمجھنے کے لیے اسے دو بنیادی سوالوں میں تقسیم کر دینا چاہیے :

۱ ۔ کیا علی علیہ السلام خلافت کی اہلیت رکھتے تھے ؟

۲ ۔ اگر رکھتے تھے تو انہیں خلافت سے محروم کیوں رکھا گیا ؟

پہلے سوال کے جواب کو سمجھنے کے لیے ہمیں علیؑ کی زندگی کا مطالعہ کرنا ہو گا اور اس کے ساتھ علیؑ کے والدین کی فداکاری و ایثار کو بھی اپنے سامنے رکھنا ہو گا ۔

ابوطالبؑ کی اسلامی خدمات

تاریخ اسلام کے معمولی طالب علم کو بھی اس حقیقت کا علم ہے کہ علیؑ کے والد حضرت ابوطالب نے رسول خدا کی حفاظت کا فریضہ کس طرح سرانجام دیا ہے ۔ اگر ہم حضرت ابو طالب کے ایثار کی داستان سنانا چاہیں تو اس کے لئے علیحدہ کتاب کی ضرورت ہوگی ۔

ذیل میں ہم سیرت ابن ہشام سے ابوطالب کی جان نثاری کا ہلکا سا نمونہ پیش کرتے ہیں :

جب رسول خدا نے تبلیغ دین شروع کی اور اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی اور ان کے خود ساختہ معبودوں کی بُرائیاں بیان کیں تو قریش کو اس پر سخت غصہ آیا اور انہوں نے اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ ابو طالب رسول خدا کے محافظ و نگران بنے ہوئے ہیں تو انہوں نے اشراف قریش کا ایک وفد تشکیل دیا ۔ جس میں ربیعہ بن عبدالشمس کے بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ابوسفیان سر فہرست تھے ۔

قریش کا یہ وفد ابوطالب کے پاس گیا اور ان سے کہا : ابو طالب ! تمہارا

بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے دین کے عیوب بیان کرتا ہے ۔ آپ اسے اس بات سے روکیں یا آپ علیحدہ ہو جائیں ہم خود ہی نمٹ لیں گے ۔

ابوطالب نے ان لوگوں کو نرمی سے سمجھایا اور انہیں واپس بھیج دیا ۔ چند دنوں کے بعد قریش دوبارہ ابوطالب کے پاس گئے ۔ اس دفعہ بھی ابوطالب نے انہیں واپس بھیج دیا ۔ قریش کو جب یہ یقین ہو گیا کہ ابوطالب ، محمد مصطفیٰؐ کو ان کے حوالہ کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو وہ ایک خوبصورت نوجوان جس کا نام عمارہ بن ولید تھا ، کو لے کر ابو طالب کے پاس گئے ۔ اور ان سے کہا ۔ یہ عمارہ بن ولید ہے ۔ آپ اسے اپنے پاس ٹھہرا لیں اور اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کر دیں ۔

یہ سن کر ابو طالب نے کہا تم نے کتنا غلط فیصلہ کیا ہے ۔ میں تو تمہارے بیٹے کو پالوں اور اپنا بیٹا تمہارے حوالے کردوں اور تم اسے قتل کردو ۔ ابن سعد اپنی کتاب طبقات کبریٰ جلد اول ص ۱۰۱ پر لکھتے ہیں : جب عبدالمطلب کی وفات ہوئی تو ابو طالب نے رسول خدا کو اپنی گود میں لے لیا ۔ وہ رسول خدا سے اتنی محبت کرتے تھے جس کی نظیر نہیں ملتی ۔ حد یہ ہے کہ انہیں اپنی اولاد سے بھی اتنی محبت نہیں تھی جتنی کہ وہ حضور اکرمؐ سے کیا کرتے تھے ۔ وہ رسول خدا کو اپنے پہلو میں سلایا کرتے تھے اور جہاں بھی جاتے رسول خدا کو اپنے ساتھ لے کر جاتے ۔ ابوطالب کو محمد مصطفیٰؐ سے ایسا عشق تھا کہ انہیں کسی چیز سے ایسا عشق نہیں تھا ۔

شِعب ابی طالب

اسی جان نثاری کی داستان کو ابن اثیر نے الکامل فی التاریخ کی جلد دوم ص ۵۹ ۔ ۶۲ پر یوں بیان کیا ہے :

"جب قریش نے محسوس کیا کہ دین اسلام روز بروز ترقی کر رہا ہے اور ان

کا قاصد عمرو بن العاص بھی نجاشی کے دربار سے ناکام ہو کر واپس آگیا ہے ۔ تو انہوں نے اپنے سربراہوں کا اجلاس طلب کیا ۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ بنی ہاشم کے ساتھ کسی قسم کا لین دین نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ کوئی رشتہ ناتا نہیں کیا جائے گا ۔

انہوں نے اپنے اس فیصلہ کو لکھ کر کعبہ میں نصب کر دیا ۔ حضرت ابوطالب بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو لے کر پہاڑ کی ایک گھاٹی میں چلے آئے ۔ اس گھاٹی کو شعب ابی طالب کہا جاتا ہے ۔ اس گھاٹی میں ابوطالب نے قریباً تین برس کا عرصہ گزارا ۔ اس کے بعد اللہ تعالی نے رسول خدا کو وحی کے ذریعہ بتایا کہ صحیفہ کی عبارت کو دیمک چاٹ چکی ہے ۔ اس میں صرف اللہ کا نام باقی بچا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے چچا ابو طالب کو اس امر کی خبر دی ۔ ابوطالب حضور اکرمؐ کی کسی بات میں شک نہیں کرتے تھے ۔ جیسے ہی انہوں نے یہ خبر سنی تو فوراً حرم میں آئے اور قریش سے کہا کہ تمہارے معاہدہ کو دیمک چاٹ چکی ہے ۔ اس میں صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے ..... پھر انہوں نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھے :۔

وَقَدْ كَانَ فِيْ اَمْرِ الصَّحِيْفَةِ عِبْرَة   مَتٰى مَايُخْبِرُ غَائِبُ الْقَوْمِ يعْجبُ
مَحَا اللّٰهُ عَنْهُمْ كُفْرَهُمْ وَعُقُوقَهُمْ   وَمَا نَقَمُوْا مِنْ نَاطِقِ الْحَقِّ معربُ
فَاَصْبَحَ مَاقَالُوْا مِنَ الْاَمْرِ بَاطِلًا   وَمَنْ يختلقْ مَالَيْسَ بِالْحَقِّ يُكذَبُ

"صحیفہ کے معاملہ سے عبرت حاصل کرو ۔ جب ایک غیر موجود شخص خبر دے تو تعجب ہوتا ہے ۔ اللہ نے ان کے کفر و نافرمانی کی عبارتوں کو مٹا ڈالا ۔ ان لوگوں کو حق کے داعی سے ناحق ضد تھی انہوں نے جو کچھ بھی کہا تھا باطل ہوگیا اور جو شخص جھوٹی بات بنائے گا وہ لازمی طور پر جھٹلایا جائے گا ۔"

جب تک ابوطالب زندہ رہے کسی کافر کی جرأت نہ تھی کہ وہ حضور اکرمؐ کو اذیت دے سکتا ۔ لیکن جب ان کی وفات ہو گئی تو کافروں کے لئے میدان صاف

ہو گیا اور انہوں نے دل کھول کر نبی کریمؐ کو تکلیفیں پہنچائیں ۔ نبی کریمؐ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :۔

مَانَالَتْ قُرَيْشٌ شَيْأً مِّنِّيْ اَكْرَهُهٗ حَتّٰى مَاتَ اَبُوْطَالِبٍ جب تک ابوطالب زندہ رہے قریش مجھے اذیت نہ دیتے تھے [1] ۔

ابوطالب کی فداکاری اور جاں نثاری کو ہم مؤرخ ابن خلدون کے ان الفاظ سے ختم کرتے ہیں ۔

رسول خدا آٹھ برس کے تھے کہ ان کے دادا عبدالمطلب کی وفات ہوئی ۔ عبدالمطلب نے اپنی وفات سے پہلے محمد مصطفیٰ کو ابوطالب کے حوالہ کیا تھا ۔ ابوطالب نے احسن انداز میں نبی کریمؐ کی پرورش فرمائی ۔ ابوطالب رسول خدا کی زندگی کے تمام لمحات کو بغور دیکھا کرتے تھے ۔ انہوں نے آپؐ کے لڑکپن اور جوانی کا بہت اچھا مشاہدہ کیا اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ رسول خدا دور جاہلیت کی تمام رسومات سے دور رہا کرتے تھے ۔ ہجرت سے تین برس قبل ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی ۔ شفیق چچا اور فداکار زوجہ کی وفات رسول خدا کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا ۔ ابوطالب کے خوف سے سہمے ہوئے قریشوں نے حضور اکرمؐ کو ستانا شروع کیا اور آپ کی جائے نماز پر غلاظت ڈالی گئی [2] ۔

حضرت علی علیہ السلام کے والد ماجد کی فداکاری کی یہ مختصر سی تاریخ تھی اور حضرت علی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے رسول اسلام کی کیا خدمت سرانجام دی اوراق کتاب کی تنگ دامنی کی وجہ سے ہم اس کی تفصیل بتانے سے قاصر ہیں۔ ان کی عظمت کے لئے یہی بات ہی کافی ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو رسول خدا نے ان کے کفن کے لئے اپنی قمیض اتار کر دی اور جب قبر تیار ہوئی تو رسول خدا چچی کے جنازہ سے پہلے خود لحد میں اترے ۔ لحد کی مٹی کو اپنے ہاتھوں

(۱) الکامل فی التاریخ جلد دوم ۔ ص ۵۹ ۔ ۶۲ ۔
(۲) تاریخ ابن خلدون جلد دوم ۔ ص ۱۶۱ ۔

سے درست فرمایا اور کچھ دیر تک اپنی چچی اماں کے جنازہ کے ساتھ لحد میں لیٹے رہے ۔[1]

ابو طالب جیسے عاشق رسول اور فاطمہ بنت اسد جیسی فداکار شخصیت کی گود میں حضرت علیؑ پلے بڑھے اور جب ذرا بڑے ہوئے تو رسول خدا اور حضرت خدیجہ نے ان کی پرورش کی ۔

علیؑ کی اسلامی خدمات

یہ علی علیہ السلام کا خاندانی پس منظر تھا : اب آیئے دیکھیں کہ علی علیہ السلام کا ذاتی کردار کیا تھا۔ اور انہوں نے رسول اسلامؐ کی کیا خدمت کی اور خود اسلام کی کس قدر انہوں نے خدمت کی ؟

جہاں تک علیؑ اور اسلام کے باہمی ارتباط کا تعلق ہے تو ہم اس مقام پر مصر کے اسکالر " عقاد " کے ساتھ ہم نوا ہو کر کہیں گے :

اِنَّ عَلِیّاً کَانَ الْمُسْلِمُ الْخَالِصَ عَلٰی سَجِیَّتِهِ الْمُثْلٰی وَاِنَّ الدِّیْنَ الْجَدِیْدَ لَمْ یُعْرَفْ قَطُّ اَصْدَقَ اِسْلَامًا مِّنْهُ وَلَا اَعْمَقَ نِفَاذًا فِیْهِ ۔[2]

علیؑ اپنی آئیڈیل فطرت کی وجہ سے مسلم خالص تھے اور نئے دین نے علیؑ سے بڑھ کر کسی کے سچے اور گہرے اسلام کا مشاہدہ نہیں کیا تھا ۔

ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی کتاب الفتنة الکبریٰ، عثمان بن عفان ص ۱۰۱ پر لکھتے ہیں:۔

جب رسول خدا نے اعلان نبوت فرمایا تو علیؑ اس وقت بچے تھے ، انہوں نے فوراً اسلام قبول کیا اور اسلام کے بعد وہ رسول خدا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی آغوش میں پرورش پاتے رہے ۔ انہوں نے پوری زندگی میں کبھی بھی بتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا ۔

سابقین اولین اور علی علیہ السلام میں سب سے واضح فرق یہ ہے کہ انہوں

(۱) تاریخ ابن خلدون جلد دوم ۔ ص ۱۷۹ ۔ ۱۸۰ ۔ (۲) عبقریۃ الامام ۔ از استاد عقاد ۔ ص ۱۳ ۔

نے منزل وحی میں پرورش پائی اور یہ شرف ان کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا ۔

اسی تربیت و کفالت کا اثر تھا کہ علیؑ ایک عدیم المثال شخصیت بن کر ابھرے ۔ بہر نوع علی علیہ السلام کی ذات کا مطالعہ علم النفس یا علم الاجتماع جس بھی حوالے سے کیا جائے علیؑ ہر لحاظ سے لاجواب، بےنظیر اور لاشریک ہو کر سامنے آتے ہیں ۔

علی علیہ السلام کی ذات کو سمجھنے کے لیے درج ذیل مثالوں کو مدنظر رکھیں ۔

علی علیہ السلام کی جانثاری اور فداکاری کیلئے شب ہجرت کے واقعات کا تصور کریں۔

۱۔ شب ہجرت

ابن ہشام لکھتے ہیں : جب قریش نے دیکھا کہ اسلام روز بروز ترقی کر رہا ہے اور اسلام کے پیرو اب مکہ کے علاوہ دیگر شہروں بالخصوص یثرب میں بھی ہیں اور حضورؐ کے کافی پیروکار ہجرت کرکے یثرب روانہ ہو چکے ہیں ۔ اس کے ساتھ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ رسول خدا بھی مکہ چھوڑ کر کسی وقت یثرب چلے جائیں گے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے انہوں نے اپنے بزرگوں کو دارالندوہ میں دعوت دی ۔

کفار مکہ کے سربراہوں میں عُتبہ ، شَیبہ اور ابو سفیان بھی تھے ۔ دوران بحث یہ مشورہ دیا گیا کہ حضوراکرمؐ کو قید کیا جائے یا انہیں یہاں سے نکال دیا جائے ۔ لیکن ان دونوں باتوں کو کثرت رائے سے مسترد کر دیا گیا ۔

چنانچہ رائے یہ قرار پائی کہ مکہ کے ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد لیا جائے اور ایک مخصوص شب میں حضورؐ کو قتل کر دیا جائے ۔ قتل میں زیادہ قبائل کی موجودگی کا یہ فائدہ ہوگا کہ عبدمناف کی اولاد بدلہ نہیں لے سکے گی ۔ اور یوں ان کا خوف رائیگاں ہو جائیگا ۔ جب حضورؐ نے متفرق قبائل کے افراد کو اپنے دروازے پہ دیکھا تو علی ابن ابی طالب کو حکم دیا کہ وہ ان کے بستر پر انہی کی چادر تان کر سو جائیں ۔[1]

(۱) سیرت ابن ہشام جلد دوم ۔ ص ۹۵ ۔

ابو طالب کے فرزند کیلئے قتل گاہ فرش گل تھی ۔ جب رسول خدا نے فرمایا کہ میری جان کو خطرہ ہے تم میرے بستر پر سو جاؤ تو اس وقت علیؑ نے بڑے جذباتی انداز میں پوچھا: یارسول اللہ! کیا میرے سونے سے آپ کی جان بچ جائیگی؟

آپؐ نے فرمایا ہاں! پھر حضور اکرمؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ وہ اہل مکہ کی تمام امانتیں ان تک پہنچائیں ۔

حضرت علیؑ رسول خدا کی ہجرت کے بعد تین دن تک مکہ میں رہے اور کفار و مشرکین کی امانتیں واپس کیں ۔ جب اس فریضہ سے فارغ ہو گئے تو پیادہ پا چلتے ہوئے مدینہ آئے اور پیدل چلنے کی وجہ سے انکے پاؤں متورم ہو چکے تھے [1] ۔

۲۔ مواخات

ہجرت کے بعد رسول خدا نے مہاجرین وانصار کوایک دوسرے کا بھائی بنایا۔

جب علی علیہ السلام نے مؤاخات کا یہ منظر دیکھاتو آبدیدہ ہوگئے ۔ رسول خدا نے ان سے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا: آپ نے اپنے اصحاب کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ۔ لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا ۔ تو رسول خدا نے فرمایا "اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَۃِ" تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے [2] ۔

۳۔ جنگِ اُحد اور علیؑ

جنگ احد میں جب اسلامی لشکر کو پسپائی ہوئی اور صحابہ کرام پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے تو اس وقت حضرت علیؑ پوری جانفشانی سے لڑتے رہے اور کوہ

(۱) تاریخ ابن خلدون جلد دوم ۔ ص ۱۸۰ ۔ و ابن اثیر الکامل فی التاریخ جلد دوم ۔ ص ۵۰ ۔
(۲) سیرت ابن ہشام جلد دوم ۔ ص ۹۵ ۔ ۹۸ ۔ ۱۱۱ ۔

استقامت بن کر دشمنوں سے نبرد آزمائی کرتے رہے۔ الغرض ابوطالب کا بیٹا پورے میدان پر چھا گیا اور اسی مقام پر ہاتف غیبی نے ندا دی تھی "لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ" اگر تلوار ہے تو ذوالفقار ہے اور اگر جواں مرد ہے تو حیدر کرارؑ ہے۔

الغرض اسلام اور رسول اسلامؐ کی حفاظت کے بعد جب واپس گھر آئے تو اپنی زوجہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو اپنی تلوار پکڑاتے ہوئے یہ شعر کہے:

اَفَاطِمُ هَاكِ السَّيْفَ غَيْرَ ذَمِيْمٍ — فَلَسْتُ بِرِعْدِيْدٍ وَلَا بِمَلِيْمٍ
لَعَمْرِيْ لَقَدْ قَاتَلْتُ فِيْ حُبِّ اَحْمَدَ — وَطَاعَةِ رَبٍّ بِالْعِبَادِ رَحِيْمٍ

فاطمہؑ! یہ تلوار لو ۔ یہ تلوار تعریف کے قابل ہے ۔ میدان جنگ میں میں ڈرنے اور کانپنے والا نہیں ہوں ۔

مجھے اپنی زندگی کی قسم میں نے محمد مصطفیٰؐ کی محبت اور مہربان اللہ کی اطاعت میں جہاد کیا ہے [1] ۔

۴۔ علیؑ اور تبلیغ براءت

محمد بن حسین روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ احمد بن مفضل نے بیان کیا وہ کہتے ہیں یہ روایت اسباط نے سدی سے کی ہے ۔ سعدی کہتے ہیں:

جب سورۃ براءۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو رسول خدا نے حضرت ابوبکر کو امیر حج بنایا اور وہ آیات بھی ان کے حوالے فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ تم حج کے اجتماع میں یہ آیات پڑھ کر سناؤ ۔

ابوبکر آیات لے کر روانہ ہوئے ۔ جب وہ مقام ذی الحلیفہ کے درختوں کے قریب پہنچے تو پیچھے سے علیؑ ناقۂ رسولؐ پر سوار ہو کر آئے اور آیات ابوبکر سے لے لیں ۔ حضرت ابوبکر رسول خدا کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا

(۱) تاریخ طبری جلد سوم ۔ ص ۱۵۴ ۔ ومروج الذہب مسعودی جلد دوم ۔ ص ۲۸۴ ۔

یارسول اللہؐ ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا میرے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی ؟ آپؐ نے فرمایا نہیں ۔ میری طرف سے پیغام کو یا تو میں خود پہنچا سکتا ہوں یا علیؑ پہنچا سکتے ہیں [۱]

۵ ۔ علیؑ تبلیغ اسلام کے لیے یمن جاتے ہیں

رسول خدؐا نے یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے خالد بن ولید کو روانہ فرمایا لیکن اس کی دعوت پر کوئی بھی شخص مشرف بہ اسلام نہ ہوا ۔ تو اس کے بعد حضور اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو اسلام کا مبلغ بنا کر یمن روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ خالد اور اس کے ساتھیوں کو واپس بھیج دیں ۔

حضرت علیؑ نے جاتے ہی خالد کو اس کے دوستوں سمیت واپس روانہ کر دیا اور اہل یمن کے سامنے رسول خدؐا کا خط پڑھ کر سنایا ۔ جس کے نتیجہ میں قبیلہ ہمدان ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا [۲] ۔

۶ ۔ ہارون محمدی

حضرت علیؑ غزوۂ تبوک کے علاوہ باقی تمام جنگوں میں شریک ہوئے اور غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی جناب رسول خدؐا نے انہیں مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر ٹھہرایا ۔

امام مسلم بن حجاج نے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے :

حَدَّثَنَا يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَاَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَعَبْدُاللّٰهِ الْقَوَارِيرِيُّ وَسرِيحُ بْنُ يُوْنُسَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ(ص) لِعَلِيٍّ ۔ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ

(۱) تاریخ طبری جلد سوم ۔ ص ۱۵۴۔

(۲) ابن اثیر ۔ الکامل فی التاریخ جلد دوم ۔ ص ۳۵ ۔

مُوْسٰى غَيْرَ اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ ۔

وَحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ شَيْبَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ ۔ خَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ(ص) عَلِيًّا فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَقَالَ ۔ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ(ص) تُخَلِّفُنِيْ فِي النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ ؟ قَالَ ۔ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى غَيْرَ اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ ۔

سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ رسول خدؐا نے علیؑ سے فرمایا تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی ۔ فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے ۔

سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ رسول خدؐا نے غزوۂ تبوک کے موقع پر علیؑ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں ٹھہرا کر جا رہے ہیں ؟

رسول خدؐا نے فرمایا : کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے ۔

۷ ۔ فاتح خیبر

جب صحابہ کرام خیبر فتح کرنے میں ناکام ہوئے اور لشکر یہود کے سامنے کئی دفعہ پشت دکھائی تو رسول خدؐا نے اعلان فرمایا :۔ " لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ رَجُلًا يُّحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ ۔"

" کل میں اُسے علم دوں گا جو مرد ہو گا ۔ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہو گا اور اللہ اور رسولؐ بھی اس سے محبت کرتے ہوں گے ۔ اللہ اس کے ہاتھ سے خیبر فتح کرائے گا ۔"

حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے پوری زندگی میں بس اس دن امارت کی

تمنا کی تھی اور ساری رات نوافل میں گذاری کہ شاید صحیح علم اسلامی مجھے مل جائے۔

جب صبح ہوئی تو رسولؐ خدا نے علیؑ کو بلایا اور انہیں علم عطا فرمایا [۱] ۔

ان سب حقائق کے علاوہ منصب خلافت بلا فصل کے لیے علیؑ کی اہلیت کے لیے درج ذیل امور بھی مدنظر رکھنے چاہییں :-

الف ۔ حضرت علیؑ دین اسلام کے جوہر کو خوب سمجھنے والے تھے ۔ وہ ایمان کے جملہ اطراف و آفاق کا احاطہ رکھتے تھے ۔ علیؑ اکثر رسولِ خدا کے ساتھ خلوت میں بیٹھ کر گفتگو کیا کرتے تھے اور لوگوں کو اس گفتگو کا کوئی علم نہیں ہوتا تھا ۔ آپؑ قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کے لئے رسول خدا سے زیادہ سے زیادہ استفسار کرتے تھے ۔

اور اگر علیؑ سوال میں ابتدا نہ کرتے تو رسول خدا خود ہی ابتدا کر دیتے ۔

جب کہ علیؑ کے علاوہ باقی لوگ چند قسموں میں تقسیم تھے ۔

۱ ۔ کچھ ایسے تھے کہ حضور اکرمؐ سے سوال کرتے ہوئے گھبراتے تھے اور ان کی تمنا ہوتی تھی کہ کوئی اعرابی یا مسافر آکر حضورؐ سے کچھ پوچھے اور وہ سن لیں ۔

۲ ۔ کچھ انتہائی کند ذہن اور غبی تھے جن کو نظر و تحقیق سے کوئی سروکار نہ تھا ۔

۳ ۔ کچھ لوگ عبادت یا دنیاوی کاروبار کی وجہ سے فہم و ادراک کی نعمت سے خالی تھے ۔

۴ ۔ کچھ اسلام سے عداوت و بُغض کو چھپائے ہوئے تھے اور وہ دینی مسائل کے یاد رکھنے کو وقت کا ضیاع تصور کرتے تھے [۲] ۔

ب ۔ رسول خدا آپ کو جانشین بنانے کے لئے اور خود اعتمادی پیدا کرنے کی غرض سے آپ کو اہم مقامات پر روانہ کیا کرتے تھے ۔ جہاں سے آپ ہمیشہ مظفر

(۱) صحیح مسلم جلد دوم ۔ ص ۳۲۴ ۔

(۲) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد سوم ۔ ص ۱۰ ۔

و منصور ہو کر لوٹا کرتے تھے ۔

رسول خدا نے جب بھی کوئی مہم روانہ فرمائی تو اگر اس مہم میں علیؑ شامل ہوتے تھے تو علیؑ اس مہم کے امیر اور انچارج ہوا کرتے تھے ۔

رسول خدا کی پوری زندگی میں علیؑ کسی کی ماتحتی میں کبھی روانہ نہیں ہوئے ۔ اور اس کے برعکس حضرت ابو بکر و حضرت عمر کو متعدد مرتبہ لوگوں کی ماتحتی میں روانہ کیا گیا ۔

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ حضرت ابو بکر نے اپنے دور خلافت میں حضرت عمر کی ذہنی و عملی تربیت کی تھی ۔ چنانچہ جس شخص کی انہوں نے خود تربیت کی تھی ۔ اس کی خلافت کے لیے نامزدگی کا انہوں نے اعلان کر دیا اور لوگوں نے بھی ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا ۔ لیکن جس شخصیت کی تربیت معلمِ اعظم جناب رسولِ خدا نے کی ، انہیں لوگوں نے خلافت سے محروم کر دیا ۔

ج ۔ جَیشِ اُسامہؓ

جناب رسولِ خدا اپنی وفات سے پہلے علیؑ کی خلافت کے لئے میدان صاف کرنا چاہتے تھے اور جن لوگوں کے متعلق آپؐ کو مخالفت کا گمان تھا انہیں مدینہ سے باہر روانہ کرنا چاہتے تھے ۔ اس کے لئے جیشِ اُسامہ کا حال ابن سعد کی زبانی سنیئے :-

ماہ صفر کے اختتام میں چار راتیں باقی تھیں ۔ سوموار کا دن ۱۱ ھ کو جناب رسول خدا نے رومیوں پر حملہ کرنے کا حکم صادر فرمایا ۔

جب صبح ہوئی تو آپؐ نے اُسامہ بن زید کو بلا کر فرمایا ۔ تم لشکر لے کر وہاں چلے جاؤ جہاں تمہارے والد کو شہید کیا گیا تھا ۔ اس علاقہ کو اپنے گھوڑوں سے پامال کر دو ۔ اہل ابنیٰ پر صبح کے وقت یلغار کرنا اور اس بات کا خصوصی خیال رکھنا کہ وہ تمہارے آنے سے بے خبر رہنے چاہییں ۔ اور اگر خدا تمہیں کامیابی عطا

فرمائے تو وہاں زیادہ دیر نہ رکنا ۔ اپنے ساتھ راہ دکھانے والے افراد اور جاسوسوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ ۔

جب بدھ کا دن ہوا تو حضورِاکرمؐ سخت بیمار ہو گئے اور پھر جمعرات کے دن آپؐ نے اپنے ہاتھوں سے پرچم تیار کیا اور فرمایا :

اُسامہ ! اللہ کا نام لے کر چلے جاؤ اور خدا کے لئے جہاد کرو اور منکرین توحید سے جنگ کرو ۔

آپؐ نے وہ پرچم بریدہ بن حصیب اسلمی کے حوالہ فرمایا ۔ اسامہ کا لشکر "جرف" کے مقام پر فروکش ہوا ۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے سر کردہ افراد بھی شریک تھے ۔ جن میں ابو بکر ، عمر اور ابو عبیدہ بن جراح سر فہرست تھے لوگوں نے اسامہ کی سربراہی پر اعتراض کیا اور کہنے لگے کہ مہاجرین و سابقین پر اس بچہ کو سربراہ بنا دیا گیا ۔

جب رسول خدا کو لوگوں کے اعتراضات کا پتہ چلا تو آپؐ سخت ناراض ہوئے ۔ آپؐ سر پر پٹی باندھ کر گھر سے باہر آئے اور منبر پر بیٹھے اور فرمایا :

لوگو ! میں یہ کیسی گفتگو سن رہا ہوں کہ تم لوگوں نے اسامہ کے امیر لشکر ہونے پر اعتراض کیے ہیں ۔ اور سن لو اعتراض کی یہ عادت تمہیں آج سے نہیں ہے ۔ اس سے پہلے بھی تم نے اُسامہ کے والد زید کی امارت پر اعتراض کیا تھا ۔

خدا کی قسم ! وہ امارت کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی امارت کے قابل ہے ۔ اُسامہ اور اس کے والد کا تعلق میرے محبوب ترین افراد سے ہے دونوں باپ بیٹے اچھے ہیں ۔ تم لوگوں کو بھی ان سے اچھائی کرنے کی تلقین کرتا ہوں ۔ یہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہے ۔

اس کے بعد آپؐ نے خطبہ چھوڑ دیا اور اپنے بیتُ الشرف تشریف لے گئے ۔ آپؐ نے یہ خطبہ دس ربیع الاول بروز ہفتہ دیا تھا ۔

اس کے بعد آپ صلّی اللہُ علیہِ وآلہٖ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی آپؐ بار بار فرماتے رہے : اُسامہ کے لشکر کو روانہ کرو ۔

جب اتوار کا دن ہوا تو رسول خدا کی تکلیف بڑھ گئی ۔ اسامہ آپؐ سے الوداع کرنے کے لئے آئے تو اس وقت آپ کی طبیعت انتہائی ناساز ہو چکی تھی ۔ اسامہ سے زیادہ گفتگو نہ کر سکے ، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند فرمایا اور اسامہ کے سر پر ہاتھ رکھا ۔

اُسامہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپؐ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں ۔ بعد ازاں اسامہ اپنے لشکر کے پاس آئے اور حکم دیا کہ خدا کا نام لے کر چل پڑو ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضورِاکرمؐ کی وفات ہو گئی [1] ۔

ابن سعد کے بیان کردہ واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ :

۱ ۔ حضورِاکرمؐ نے اپنی وفات سے چند ایام قبل شام و روم کی طرف ایک لشکر تیار فرمایا ۔

۲ ۔ اُسامہ بن زید جو کہ صغیرُ السّن تھے ، انہیں اس لشکر کا امیر مقرر کیا گیا ۔

۳ ۔ اُسامہ کے لشکر میں سابقینِ اوّلین اور بالخصوص حضرات شیخین اور ابو عبیدہ بن جراح بھی شامل تھے ۔

۴ ۔ جب لشکر نے تاخیری حربے شروع کئے تو رسول خدا ناسازی طبع کے باوجود سر پر پٹی باندھ کر مسجد میں تشریف لائے ۔

۵ ۔ امارتِ اُسامہ پر اعتراض کرنے والوں پر کڑی تنقید فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کی پرانی عادت ہے ۔ یہی معترضین اُسامہ کے والد زید کی امارت پر بھی اعتراض کیا کرتے تھے ۔ مگر زید امارت کے حق دار تھے ۔ اسی طرح اعتراض کے باوجود بھی اسامہ امارت کے حقدار ہیں ۔

---

(۱) طبقات ابن سعد ۔ جلد چہارم ۔ ص ۳ ۔ ۴ ۔

۶۔ رسولِ خدؐا کی جانب سے باربار لشکر اسامہ کو روانہ کرنے کے حکم کے باوجود اہل لشکر نے تعمیل حکم نہ کی اور "جرف" میں ٹھہرے رہے۔

۷۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں رسول خدؐا باربار اسامہ کے لشکر کو بھیجنے کے خواہش مند کیوں تھے؟

۸۔ حضرات شیخین اور بزرگ مہاجرین کو کمسن اسامہ کی ماتحتی میں بھیجنے کا آخر کیا مقصد تھا؟

۹۔ تاکیدی احکام سننے کے باوجود بھی لوگوں نے جانے میں تاخیر کیوں کی؟

کہیں حقیقت یہ تو نہیں ہے کہ رسول خدؐا اپنی وفات سے پہلے ہر ممکنہ مزاحمت کو ختم کرنا چاہتے تھے اور مدینہ کی سر زمین کو علیؑ کی خلافت کے لئے سازگار بنانا چاہتے تھے؟

اور کیا جَیشِ اُسامہ کو روانہ کرنے اور کاغذ اور قلم دوات طلب کرنے میں کوئی باہمی ارتباط تو نہیں تھا؟

اے کاش! اگر شیخین کے تاخیری حربوں سے اُسامہ متأثر نہ ہوتے اور لشکر کو لے کر روانہ ہو جاتے تو آج اسلامی تاریخ کسی اور طرح سے لکھی جاتی اور آج مسلمان قوم یوں زبوں حالی کا شکار نہ ہوتی۔

فصل دوم

سقیفہ کی کارروائی

۱۔ حضرت ابوبکر صِدّیق

سابقہ گفتگو کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ: حضرت علیؑ پوری طرح سے خلافت بلا فصل کی اہلیت و قابلیت رکھتے تھے۔ کیونکہ علیؑ کا رسول اسلامؐ اور خود اسلام سے گہرا ارتباط تھا اور اسلام اور رسول اسلامؐ بھی انہیں خلافت و امامت کے لائق سمجھتے تھے۔

اگر بالفرض سقیفۂ بنی ساعدہ میں مسلمان علی علیہ السلام کے حق کے لیے یوں دلیل دیتے کہ (۱) علیؑ رسالت مآب کے سب سے قریبی ترین فرد ہیں۔ (۲) علیؑ رسول خدؐا کی آغوش کے پروردہ ہیں۔ (۳) ہجرت کی شب امانتوں کے امین وہی تھے۔ (۴) رسول خدؐا نے انہیں اپنا بھائی مقرر کیا تھا۔ (۵) رسول خدؐا کے داماد ہیں۔ (۶) رسول خدؐا کی نسل ان کے صلب سے جاری ہوئی۔ (۷) رسول خدؐا کی تمام غزوات میں امیر لشکر اور علم دار تھے۔ (۸) وہ ہارونِ محمدی ہیں۔ (۹) وہ شہرِ علم کا دروازہ ہیں۔ (۱۰) وہ بیت حکمت کا دروازہ ہیں۔ (۱۱) وہ صفاتِ انبیاء کے آئینہ دار ہیں۔ (۱۲) نور نبوی کے وہ شریک ہیں۔ (۱۳) وہ نبوت کے مربّی کے فرزند ہیں۔ (۱۴) انکی ولادت کعبہ میں ہوئی۔ (۱۵) ان کی پیشانی کبھی بُتوں کے سامنے نہیں جھکی۔ (۱۶) ان کی مودّت اجر رسالت ہے۔ (۱۷) وہ مُباہلہ میں صداقتِ اسلام کے گواہ ہیں۔ (۱۸) وہ چادر تطہیر کے طاہر فرد ہیں۔ (۱۹) وہ صاحب علم الکتاب ہیں۔ (۲۰) وہ اپنی جان کے بدلے میں مرضات خداوندی کے خریدار ہیں۔

الغرض اگر ایسا ہوتا اور مسلمان علی علیہ السلام کو ہی اپنی حکومت وزعامت کے لئے منتخب کر لیتے تو وہ انحراف کا شکار نہ ہوتے اور آج کے دور میں اسلامی تاریخ کو سنہری حروف سے لکھا جاتا ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنے موضوع سے انصاف کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھا ہے :

" علیؑ اپنی قرابت ، سبقت الی الاسلام ، اپنی فداکاریوں ، اپنی غیر منحرف سیرت ، دین سے تمسّک ، کتاب و سنت کے علم اور استقامت رائے کے سبب بلا شبہ خلافت بلا فصل کی صلاحیت رکھتے تھے [1] ۔"

ابن حجر عسقلانی امام علی علیہ السلام کے اہم خصائص بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

" علیؑ ابن ابی طالب اکثر اہل علم کے قول کے مطابق مسلم اول ہیں ، نبی اکرمؐ کی آغوش میں تربیت پائی ۔ کسی مرحلہ میں نبیؐ سے جدا نہیں ہوئے ۔ غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے ۔ اور غزوۂ تبوک میں بھی وہ رسول خدا کے حکم کے تحت مدینہ میں ٹھہرے اور رسول خدا نے فرمایا تھا " اَمَا تَرْضٰی یَاعَلِیُّ اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ " علیؑ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی ۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ۔

اکثر غزوات میں حضرت علیؑ ہی اسلامی لشکر کے علم بردار تھے ۔ جب رسول خدا نے صحابہ میں مؤاخات قائم کی تو علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا ۔ آپؐ کے بے شمار مناقب ہیں ۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ : کسی صحابی کے لئے اتنی فضائل کی احادیث منقول نہیں ہیں ، جتنی کہ علی کے لئے منقول ہیں [2] ۔"

(۱) الفتنۃ الکبریٰ عثمان بن عفان ۔ ص ۱۰۲ ۔ ۱۰۳ ۔

(۲) ابن حجر عسقلانی ۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۔ جلد دوم ۔ ص ۵۰۱ ۔ ۵۰۲ ۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی فضائل کی احادیث کی نشر و اشاعت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بنی امیہ کے سلاطین نے حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب کو چھپانے کے لیے تمام حربے استعمال کئے ۔ اسی لئے حفاظ حدیث نے اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے فضائل علیؑ کی احادیث کی نشر و اشاعت کی ۔ چشمِ فلک نے آج تک علی علیہ السلام جیسا عالم اور متقی نہیں دیکھا ۔ غزوۂ خیبر میں رسول خدا نے اعلان کیا تھا ۔ " کل میں اسے علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہو گا اور اللہ اور رسولؐ کا محبوب ہو گا ۔ اللہ اس کے ہاتھ پر خیبر فتح کرے گا ۔" دوسرے روز آپؐ نے علم علی علیہ السلام کے حوالہ فرمایا ۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ : مجھے صرف اسی دن ہی امارت کا شوق ہوا تھا ۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سورۂ براءت کی آیات دے کر علی علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا کہ قرآنی آیات کی تبلیغ یا تو میں خود کرسکتا ہوں یا وہ کر سکتا ہے جو مجھ سے ہو ۔

علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " عَلِیٌّ وَلِیِّیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ " دنیا اور آخرت میں علیؑ میرا جانشین ہے ۔

آپ نے علی و فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام کو اپنی چادر میں داخل کر کے فرمایا : "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا " اے اہل بیتؑ ! اللہ کا بس یہی ارادہ ہے کہ تم سے رجس کو دور رکھے اور تم کو اس طرح سے پاک رکھے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے ۔

علی علیہ السلام شبِ ہجرت رسولِ خدا کی چادر پہن کر ان کے بستر پر سوئے تھے اور رسول خدا کی جان بچائی تھی ۔

رسولِ خدا نے علی علیہ السلام سے فرمایا تھا : " اَنْتَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِیْ " تم میرے بعد ہر مؤمن کے سردار ہو ۔

رسول خدؐا نے مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کرادیئے لیکن علی علیہ السلام کا دروازہ کھلا رہنے دیا ۔ علیؑ حالت جنابت میں بھی مسجد سے گزرا کرتے تھے ، مسجد کے علاوہ علیؑ کے گزرنے کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا ۔

رسول کریمؐ نے پالانوں کا منبر بنا کر لاکھوں افراد کے سامنے علیؑ کا بازو بلند کر کے اعلان فرمایا :۔ " مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ " جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے ۔

اور جب : فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَائَنَا وَاَبْنَائَكُمْ وَنِسَآئَنَا وَنِسَآئَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ. علم آجانے کے بعد جو تم سے جھگڑا کرے تو کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹے بلائیں اور تم اپنے بیٹے اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنی جانوں کو لے آئیں اور تم اپنی جانوں کو لے آؤ پھر ایک دوسرے کو بددعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں" کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے علی و فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام کو بلایا اور فرمایا :۔ " خداوندا ! یہ ہیں میرے اہل بیت ۔" امام ترمذی عمران بن حصین سے روایت کرتے ہیں رسول خدؐا نے فرمایا : " مَاتُرِيْدُوْنَ مِنْ عَلِيٍّ ؟ اِنَّ عَلِيًّا مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِيْ " آخر تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو۔ بلاشبہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں ۔ میرے بعد وہ ہر مومن کا سردار ہے۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے مناقب و فضائل کے باوجود علیؑ خلافت سے محروم کیوں رہے ؟

اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالات کو مدنظر رکھنا چاہیے اور اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ حضرت علیؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تجہیز و تکفین و نماز جنازہ میں مصروف رہے ۔ جب کہ ان کے سیاسی حریف رسولِ خدؐا کے جنازہ کو چھوڑ کر سقیفۂ

بنی ساعدہ میں چلے گئے اور وہاں اپنی خلافت قائم کی [1] ۔

حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم رکھنے کی ایک وجہ حضرت عمر نے یہ بیان کی تھی کہ عرب ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت کا اجتماع برداشت نہیں کرسکتے ۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۱ ھ میں رسول خدؐا نے وفات پائی اور حضرت علیؑ رسول خدؐا کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں مشغول ہوگئے ۔

رسول خدؐا کے گھر سے باہر سیاسی فضا بڑی دھماکہ خیز تھی ۔ جس میں سرفہرست خلیفۃ الرسولؐ کا مسئلہ تھا ۔

سعد بن ابوعبادہ اوس وخزرج کے سر کردہ افراد کو لے کر سقیفہ بن ساعدہ میں آگئے ۔ اور حضرت عمر اور ابوعبیدہ مسجد میں مسئلہ خلافت پر بحث کر رہے تھے۔ اور اس کے علاوہ کئی اور گروہ دوسرے مقامات پر مصروف مشورہ تھے ۔

ان غیر یقینی لمحات میں مولا علی علیہ السلام تمام خطرات و عواقب سے صرف نظر کرتے ہوئے رسول خدؐا کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے ۔

حضرت ابوبکر نے جب وفات رسولؐ کی خبر سنی تو محلہ سنح سے رسول خدؐا کے گھر آئے اور حضرت عمر کر دیکھا کہ وہ دروازے پر تلوار ننگی کر کے کھڑے ہوئے تھے اور لوگوں کو دھمکیاں دے رہے تھے کہ جس نے رسول خدؐا کی وفات کی بات کی میں اسے قتل کر دوں گا ۔ حضوراکرمؐ کی وفات نہیں ہوئی ، وہ بھی حضرت عیسی علیہ السلام کی طرح آسمان پر چلے گئے ۔ کچھ دنوں کے بعد واپس آئیں گے اور منافقوں کے ناک اور کان کاٹیں گے ۔

اس سانحہ دلخراش کی وجہ سے حضرت عمر بظاہر اپنے ہوش و حواس کھو

---

(۱) اسی واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عارف رومی نے فرمایا تھا :۔ " چوں صحابہ حب دنیا داشتند ۔ مصطفیٰ رابے کفن بگذاشتند " حضرت بو علی قلندر پانی پتی نے حضرت علیؑ کے کردار کو سراہتے ہوئے کہا تھا:۔ " امامی کہ روز وفات پیمبرؐ ۔ خلافت گزارد بہ ماتم نشیند"

بیٹھے تھے ۔ عین اسی وقت کسی آدمی نے انہیں سقیفہ کی کارروائی کی اطلاع دی ۔ غم رسولؐ میں " حواس باختہ " شخصیت فوراً ہوش و حواس میں آگئی اور حضرت ابوبکر کے پاس ایک شخص کو بھیجا اور اس شخص نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ عمر آپ سے ایک عظیم کام کے متعلق مشورہ کرنا چاہتے ہیں ۔

یہ اطلاع ملتے ہی حضرت ابوبکر گھر سے باہر نکل آئے اور پھر یہ دونوں بزرگوار سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے ۔ جہاں اَوس و خَزرج کے سرکردہ افراد سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے پر تلے ہوئے تھے ۔

مگر ان حالات میں حضرت علیؑ نے وہی کیا جو انہیں کرنا چاہیے تھا ۔ حضرت علیؑ رسول خدا کی تجہیز و تکفین کے معاملات میں مصروف رہے ۔

رسول خدا کے چچا حضرت عباس وفات رسولؐ کی وجہ سے بہت غمگین تھے مگر ان درد ناک لمحات میں انہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کرنے کا قصد کیا تھا جسے حضرت علیؑ نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ : " ابھی تو رسولِ کریمؐ کا جسدِ مُبارک بھی دفن نہیں ہوا میں خلافت کو کیسے قبول کر سکتا ہوں ؟"

ابوسفیان بن حرب تین دفعہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان کو خلافت سنبھالنے کی ترغیب دی اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اس ناپسندیدہ حکومت کو ختم کرنے کے لئے میں مدینہ کی گلیوں کو اونٹوں اور پیادہ لوگوں سے بھردوں ۔ مگر حضرت علیؑ نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا اور کہا! تم اسلام کے خیر خواہ کب تھے ؟ اب تم خلیفہ گر کا کردار ادا کرنا چاہتے ہو ؟

سقیفہ کا اجتماع اگرچہ انصار نے ہی منعقد کیا تھا لیکن وہ اس اجتماع سے فائدہ حاصل کرنے میں ناکام رہے ۔ اس کارروائی کی مختصراً روئیداد یہ ہے :-

قبیلہ اوس وخزرج کے افراد سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے ۔ ان میں سعد بن عبادہ بھی موجود تھے ۔

سعد بیمار تھے اور بلند آواز سے گفتگو کرنے سے قاصر تھے ۔ انہوں نے اپنے ایک فرزند سے کہا کہ تم میری گفتگو سن کر سامعین کو اس سے آگاہ کرتے رہو۔ چنانچہ بیٹا ان کی مدہم گفتگو کو سن کر بلند آواز سے لوگوں کو سناتا۔ سعد نے کہا:

" اے گروہ انصار ! تمہارا دین میں بڑا مقام ہے اور تمہیں اسلام میں فضیلت حاصل ہے اور ایسی فضیلت پورے عرب میں کسی قبیلہ کو حاصل نہیں ہے ۔ جناب رسول خدا کئی سال تک مکہ میں اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کرنے اور بت پرستی چھوڑنے کی دعوت دیتے رہے ۔ چند افراد کے سوا باقی قوم نے ان کی شدید مخالفت کی ۔ اللہ تعالی نے تمہیں اس عزت سے سرفراز کیا ۔ اللہ نے اپنے نبیؐ کو تمہارے پاس بھیج دیا اور اللہ نے تمہیں دین کی مدد کیلئے منتخب فرمایا ۔

تم دین کے دشمنوں پر سخت ثابت ہوئے اور دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت اسلام میں تمہاری قربانیاں زیادہ ہیں ۔ اللہ نے اپنے حبیبؐ کو اس حال میں وفات دی کہ وہ تم سے راضی تھے ۔ اپنے آپ کو مضبوط بناؤ ۔ تمام لوگوں کی بہ نسبت تم حکومت کے زیادہ حقدار ہو ۔"

یہی اطلاع غم رسولؐ میں " حواس باختہ " شخصیت حضرت عمر کو ملی ۔ اطلاع ملتے ہی وہ رسول خدا کے دروازے پر آئے اور حضرت ابوبکر کو بلایا اور یہ دونوں دوست سقیفہ کی طرف چلے گئے ۔ وہاں حضرت ابوبکر نے خطاب کرتے ہوئے کہا ۔

" ہم مہاجرین سب سے پہلے اسلام لائے اور ہم رسول خدا کا خاندان ہیں ۔ اور تم لوگ اللہ کے مددگار ہو اور کتابِ خدا میں ہمارے بھائی ہو اور دین میں ہمارے شریک ہو ۔ تم ہمیں تمام لوگوں سے محبوب ہو اور تم ہمیں بڑے عزیز ہو اور تم لوگوں نے ہمیشہ ایثار سے کام لیا ہے اور میں اب بھی تم سے اسی ایثار کی توقع رکھتا ہوں ۔ اس وقت تمہارے درمیان ابوعبیدہ اور عمر بن خطاب موجود ہیں۔ ان دونوں میں سے تم جس کی بھی چاہو بیعت کر سکتے ہو میں ان دونوں کو اس کام کے اہل سمجھتا ہوں ۔"

حضرت عمر اور ابوعبادہ نے کہا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی اور شخص مسند خلافت کو نہیں سنبھال سکتا ۔ آپ ہی مستحق خلافت ہیں ۔ اس وقت انصار میں سے حباب بن منذر نے کھڑے ہو کر کہا ۔

گروہ انصار ! اپنے اتفاق و اتحاد کو قائم رکھو ۔ تمہاری ہی سر زمین پہ کھل کر اللہ کی عبادت ہوئی ہے ۔ تم نے ہی رسول خدا کو پناہ دی تھی تم نے ہی ان کی نصرت کی تھی اور رسول خدا ہجرت کر کے تمہارے ہی پاس آئے تھے ..... اگر اس کے باوجود یہ لوگ تمہاری حکومت پر راضی نہیں تو پھر ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے ہو ۔

حضرت عمر نے کہا : ایسا نا ممکن ہے ۔

بشیر بن سعد خزرجی نے دیکھا کہ انصار سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو اس کے ذہن میں اوس و خزرج کی سابقہ خانہ جنگیاں عود کر آئیں اور وہ سعد کو اس لئے ناپسند کرتا تھا کہ سعد کا تعلق اوس قبیلہ سے تھا اور بشیر نے سوچا کہ اگر حکومت اوس قبیلہ میں چلی گئی تو یہ ان کی نسلوں کے لئے اعزاز ثابت ہوگی ۔ جب کہ خزرج کی کمزوری کا پیش خیمہ بنے گی ۔ اسی لئے اس کے ذہن نے فیصلہ کیا کہ خلافت میرے قبیلہ میں تو ویسے ہی نہیں آسکتی تو اوس میں بھی نہیں جانی چاہئے ۔ کیوں نہ کسی مہاجر کی حکومت کو تسلیم کرلیا جائے ۔

یہ سوچ کر وہ کھڑا ہوا اور حاضرین سے کہا :

گروہِ انصار ! یہ سچ ہے کہ ہم نے اسلام کی خدمت کی ۔ لیکن یہ حقیقت بھی ہمیں پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہمارے جہاد اور اسلام کا مقصود صرف اپنے اللہ کی رضا اور نبی کی اطاعت تھی ۔

محمد مصطفیؐ کا تعلق قریش سے تھا اور ان کی قوم ہی ان کی میراث کی حقدار ہے ۔ اللہ سے ڈرو اور ان سے مت جھگڑو ۔

حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر کہا ! یہ عمر اور ابوعبادہ ہیں ۔ ان میں سے تم جس کی بیعت کرنا چاہتے ہو کر لو ۔

ان دونوں نے کہا ! خدا کی قسم ہم آپ پر حکومت نہیں کریں گے ۔ آپ ہاتھ بڑھائیں ۔ ہم بیعت کرتے ہیں ۔

حضرت ابوبکر نے ہاتھ بڑھایا ، حضرت عمر اور ابوعبادہ سے پہلے بشیر بن سعد نے ان کی بیعت کی ۔

حباب بن منذر نے اسے آواز دی ، اے نافرمان اور قوم کے دشمن بشیر! تو نے یہ سب کچھ اپنے چچا زاد کے حسد کی وجہ سے کیا ہے ۔ خزرج کے سردار بشیر بن سعد کی بیعت کے بعد اوس قبیلہ نے سوچا کہ اگر ہم بیعت میں پیچھے رہ گئے تو خزرج قبیلہ حکومت کا مقرّب بن جائے گا ۔ اسی لئے اوس میں سے اُسَید بن حُضَیر نے خزرج کی ضد اور سعد بن عبادہ کی مخالفت کی وجہ سے بیعت کی ، اس کے بعد اس کے قبیلہ نے بھی بیعت کرلی ۔

بیمار سعد بن عبادہ کو چارپائی پر لٹا کر گھر لے گئے اور انہوں نے مرتے دم تک بیعت نہیں کی تھی ۔

پھر حضرت سعد شام چلے گئے اور حضرت ابوبکر کی خلافت کے آخری ایام میں انہیں قتل کردیا گیا اور مشہور کیا گیا کہ رات کی تاریکی میں جنات نے انہیں تیر مار کر ہلاک کردیا ۔ جب کہ باخبر حلقے اس کو خالد بن ولید کی کارستانی قرار دیتے ہیں ۔

اس بیعت کے کچھ دیر بعد براء بن عازب نبی اکرمؐ کے گھر آئے ۔ ابھی تک رسول خدا کا جسم بھی دفن نہیں ہوا تھا ۔ انہوں نے آتے ہی اطلاع دی کہ میں نے اپنی آنکھوں سے عمر اور ابوعبادہ کو دیکھا ہے کہ وہ ہر گزرنے والے کا ہاتھ پکڑ کر ابوبکر کے ہاتھ پر رکھ کر بیعت لے رہے ہیں [1] ۔

---

(۱) عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ الامام علی بن ابی طالب جلد اول ۔ ص ۱۴۹ ۔

واقعاتِ سقیفہ کا تجزیہ

ہم سقیفہ کی کارروائی بلا کم و کاست اپنے قارئین کے حضور پیش کر چکے ہیں۔
ان واقعات میں حضرت عمر کا جو کردار رہا ہے اس سے کوئی بھی صاحب نظر چشم پوشی نہیں کر سکتا۔

۱۔ خدارا ہمیں بتایا جائے کہ حضرت عمر رسول خدؐا کے گھر میں تعزیت تسلی کے لئے کیوں نہیں گئے۔ اگر بالفرض انہیں علیؑ اور اولاد علیؑ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی تو اس دلخراش صدمہ کے وقت کم از کم اپنی بیوہ بیٹی کے سر پر ہی ہاتھ رکھنے کیلئے چلے جاتے اور یوں رسولِ خدؐا کی تجہیز و تکفین میں شرکت کا اعزاز حاصل کر لیتے۔

۲۔ موصوف اگر غم زدہ خاندان کو تسلی دینا نہیں چاہتے تھے، تو جس وقت انہیں اَوس و خَزرج کے اجتماع کا علم ہوا تو اس وقت حضرت ابو بکر کو بلانے کے لیے خود اندر تشریف کیوں نہ لے گئے؟

۳۔ خود جانے کی بجائے انہوں نے کسی اور فرد کو حضرت ابوبکر کو بلانے کے لئے کیوں بھیجا اور خود دروازے پر کھڑے رہنے کو کیوں پسند فرمایا؟

۴۔ غم زدہ خاندان کے پاس اس وقت اور بھی اصحاب موجود ہوں گے اس کے باوجود حضرت عمر نے صرف حضرت ابوبکر کو ہی مشورہ کیلئے طلب کیوں فرمایا؟

۵۔ ہمیں بتایا جائے کہ حضرت ابوبکر کا گھر کے اندر ہونا اور حضرت عمر کا باہر دروازے پر کھڑا ہونا یہ محض ایک اتفاق تھا یا پہلے سے طے شدہ منصوبے کا حصہ تھا؟

۶۔ حضرت ابوبکر کے آنے سے پہلے حضرت عمر اور ابوعبیدہ کی جو باہمی گفتگو ہوئی تھی۔ اس میں کن نکات پر اتفاق ہوا تھا؟

۷۔ حضرت ابوبکر نے مہاجرین کی جو فضیلت بیان فرمائی تھی۔ اس فضیلت

میں تمام مہاجر برابر کے شریک تھے یا صرف حضرت عمر اور ابوعبیدہ ہی تمام فضیلت کے مالک تھے؟

۸۔ حضرت ابوبکر نے مہاجرین کے استحقاق خلافت کے لئے دو وجوہات بیان فرمائیں۔
(الف) انہیں اسلام میں سبقت کا شرف حاصل ہے۔ (ب) وہ حضور کریمؐ کا خاندان ہیں۔

اگر مذکورہ بالا دو وجوہات ہی خلافت کا معیار ہیں تو اس معیار پر حضرت علیؑ زیادہ پورے اترتے ہیں۔ کیونکہ (۱) ان کی اسلام میں سبقت مسلم ہے۔ (۲) وہ حضرت ابوبکر کی بہ نسبت رسولِ خدؐا کے زیادہ قریب ہیں۔

پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر کے بیان کردہ معیار کے مطابق علی علیہ السلام کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھا گیا؟

۹۔ خلافت اگر مہاجرین کا ہی حق ہے تو پھر حضرت ابو بکر نے مہاجرین میں سے صرف دو افراد یعنی حضرت عمر اور ابوعبیدہ کے نام ہی کیوں پیش کیے؟

مذکورہ ناموں کی تخصیص کی کوئی وجہ بیان کی جا سکتی ہے؟ اور کیا یہ "ترجیح بلامرجح" تو نہیں تھی؟

۱۰۔ اگر خلافت کو مہاجرین میں ہی محدود کرنا ضروری تھا تو کیا حضرت ابوبکر انصار کو یہ مشورہ نہیں دے سکتے تھے کہ وہ جس مہاجر کو امیر بنانا چاہیں بنا لیں آخر ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

۱۱۔ بزم مہاجرین میں سے صرف دو افراد کے نام پیش کرنے میں کونسی حکمت تھی؟ طالبان تحقیق کے لیے اس حکمت کو آشکارا کیا جائے۔

۱۲۔ حضرت عمر اور ابوعبیدہ نے اس پیش کش کو کیوں مسترد کر دیا اور انہوں نے حضرت ابوبکر کی امارت کو کیوں ترجیح دی؟ اس کی کوئی معقول وجہ بیان فرمائی جائے۔

۱۳ ۔ سقیفہ کی کارروائی کی تمام کڑیاں اتفاقیہ انداز میں ملتی گئیں یا پہلے سے کسی طے شدہ منصوبہ کے تحت انہیں جوڑا گیا تھا ؟ علم تاریخ کے طلباء کے لیے اس سوال کا جاننا انتہائی ضروری ہے ۔

علمائے اہل سنت سے گزارش ہے کہ وہ اس سلسلہ میں تسلی بخش جواب دیں ۔

۱۴ ۔ کیا سقیفہ کی کارروائی اور لشکر اسامہ کا بھی آپس میں کوئی تعلق ہے ؟ اور حضرت عمر اور ابو عبیدہ نے مسجد میں بیٹھ کر جو مشورہ کیا تھا ۔ سقیفہ کا اس مشورہ سے بھی کوئی واسطہ تھا ؟

حضرت ابوبکر کی رفاقت میں دونوں شخصیات جب سقیفہ کی طرف روانہ ہوئیں ، تو کیا تینوں بزرگوں کی رفاقت تو سقیفہ میں کامیابی کا ذریعہ نہیں بنی ؟

۱۵ ۔ جب چند افراد خلافت کے لئے سقیفہ میں جمع ہوئے تھے تو اس وقت دوسرے مہاجرین کہاں تھے ؟

۱۶ ۔ اوس و خزرج کی پرانی دشمنیاں سقیفہ میں عود کر آئی تھیں ۔ کیا ایسا اتفاقی طور پر ہوا تھا یا کوئی خفیہ ہاتھ اس دشمنی کو بھڑکانے پر تلے ہوئے تھے ؟

۱۷ ۔ اور اگر اس آتش عداوت کو بھڑکانے میں خفیہ ہاتھ کار فرما تھے تو ان خفیہ ہاتھوں کی نشاندہی کرنا آپ پسند فرمائیں گے ؟

۱۸ ۔ کیا خلیفہ کا انتخاب تدفین رسولؐ سے بھی زیادہ ضروری تھا ؟

۱۹ ۔ کیا حضرت ابوبکر رسولِ خداؐ کی تدفین تک مسلمانوں کو انتظار کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتے تھے ؟

آخر انہیں ایسی جلد بازی کی بھی کیا ضرورت تھی کہ اللہ تعالی کے آخری پیغمبرؐ جو کہ رشتہ میں ان کے داماد بھی تھے ، دفن نہیں ہوئے تھے کم از کم ان کے دفن ہونے کا تو انتظار ہی کر لیتے اور کیا اتنی جلد بازی کر کے انہوں نے اپنے داماد

سے حق محبت ادا کرنے میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی ؟

۲۰ ۔ کیا سقیفہ کی اس پیچیدہ کارروائی اور کاغذ اور قلم دوات مانگنے کی حدیث اور جیشِ اسامہ کے واقعات کا کوئی باہمی ارتباط تو نہیں ہے ؟ تاریخ کے طلاب کے لئے درج بالا سوالات کے جواب انتہائی لازمی ہیں ۔ میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس پوری کارروائی میں حضرت عمر نے مرکزی کردار ادا کیا۔ انہوں نے ہی ابوعبیدہ سے اس معاملہ میں پہلے مشورہ کر لیا تھا اور ایک منصوبہ تیار کر لیا تھا ۔ جس کی تکمیل کے لیے حضرت ابو بکر کو بلایا گیا اور بعد ازاں اسلام کے ان " چاند تاروں " نے اثنائے راہ اپنے منصوبہ کی باقی جزئیات طے کر لیں ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر فقط ان دو حضرات کو ہی پیش کرتے تھے اور یہ دونوں بزرگ حضرت ابوبکر کو پیش کرتے تھے ۔

تو کیا پوری امت اسلامیہ نے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر سقیفہ میں بھیجا تھا ۔ جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ سقیفہ کے اجلاس میں امت کے افراد کا ایک عشر عشیر تک نہ تھا ۔

تو اتنی اقل القلیل تعداد کو امت اسلامیہ کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی اجازت کس نے دی تھی ؟

یہ مُسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر کو جب بلایا گیا تو نہ تو اس سے پہلے اور نہ ہی بعد میں کسی مسلمان سے مشورہ کیا گیا تھا کہ اسلام کی قیادت کے لئے کون سی شخصیت سب سے زیادہ موزوں ہے ۔ سقیفہ کی پوری کارروائی کو اتفاقی حادثہ سمجھ کر نظر انداز کرنا ناممکن ہے ۔ یہ ایک طویل منصوبہ بندی اور حکمت عملی کا نتیجہ ہے ۔ جس میں حضرت عمر کا کردار سب سے نمایاں ہے ۔

ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

حضرت علیؑ کی خلافت سے محرومی کی ایک اور وجہ

وفات رسولؐ اور حضرت ابوبکر کی خلافت کا حال تو آپ پڑھ چکے ہیں حضرت علیؑ کو خلافت سے کیوں محروم کیا گیا ؟

اس کا ایک اہم سبب حافظ نے بیان کیا ہے ۔ ہم اسے اپنے منصف مزاج قارئین کی نذر کرتے ہیں :-

علیؑ کے قریش سے تعلقات انتہائی پیچیدہ تھے ۔ قریش علیؑ سے سخت کینہ رکھتے تھے ۔ کیونکہ علیؑ نے ان کے بزرگوں کو غزوات میں قتل کیا تھا اور ان کی قوت کو ضعف میں تبدیل کردیا تھا ۔ ان کی تمام ترشان و شوکت کو خاک میں ملادیا تھا ۔ اسلام قبول کرنے سے دلوں کے کینے اور نفرتیں ختم نہیں ہوا کرتیں ۔

اس کے لئے آپ یہ فرض کریں کہ آپ خدا نخواستہ سال دو سال پہلے مشرک ہوتے اور ایک مسلمان نے اسلامی جنگ میں آپ کے بیٹے یا بھائی کو قتل کردیا ہوتا اور پھر چند دنوں کے بعد آپ مسلمان ہوجاتے تو اس مقام پر خدا لگتی کہیں کہ کیا اسلام لانے کے ساتھ ہی آپ کے دل کی تمام رنجشیں اور کینہ ختم ہوجائے گا ؟ اور کیا آپ اپنے بیٹے یا بھائی کے قاتل کو گلے لگالیں گے ؟ ایسا کرنا انتہائی دشوار ہے ۔ ایسا کرنا صرف اس صورت میں ممکن ہے جب آپ دل کی گہرائیوں سے مسلمان ہوجائیں ۔

لیکن اس کے برعکس اکثر عربوں نے یا تقلیدی طور پر اسلام قبول کیا یا کسی منفعت و مفاد کی خاطر انہوں نے ایسا کیا ۔

بہت سے لوگوں نے تو اپنے خون کے تحفظ کے لئے کلمہ پڑھا تھا اور بعض لوگوں نے اپنے مخالف قبیلہ کو مزید زچ کرنے کے لئے اسلام قبول کیا تھا ۔

آپ کو یہ حقیقت ہمیشہ ذہن نشین کرنی چاہئے کہ رسالت مآب کے زمانہ میں جتنے

غزوات ہوئے اور وہ تمام کفار جو علیؑ کی تلوار سے قتل ہوئے یا کسی اور مسلمان کی تلوار سے قتل ہوئے ان کے ورثاء نے اپنے تمام تر قتل کی ذمہ داری علیؑ پر ڈال دی تھی اور وہ علیؑ کو اپنا دشمن اور قاتل سمجھتے تھے ۔ اور اتفاق یہ ہوا کہ مقتول کفار کے ورثا نے بوجوہ اسلام قبول کرلیا ۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ان کے سینے صاف نہیں ہوئے تھے ۔ علیؑ کی دشمنی اور بغض کی آگ ان کے سینوں میں بھڑک رہی تھی اور وہ ہمیشہ علیؑ سے انتقام لینے کی تاک میں رہتے تھے حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کر کے انہوں نے اپنے تئیں علیؑ سے اپنے انتقام کی پہلی قسط وصول کی تھی اور یہی جذبۂ انتقام کربلا میں مکمل پروان چڑھ چکا تھا ۔ حضرت علیؑ کے خاندان کو جس بے دردی سے کربلا میں بھوکا پیاسا رکھ کر مارا گیا تھا وہ سب اسی انتقام کا شاخسانہ تھا [۱] ۔

اگر امت اسلامیہ کے سر کردہ افراد میں انصاف کی رمق ہوتی تو خلافت اور بیعت کے مسئلہ کو رسول خداؐ کی تجہیز وتکفین تک مؤخر کر دیتے ۔ آج درد دل رکھنے والا ہر انسان یہ سوچ کر غم زدہ ہوجاتا ہے کہ جس عظیم شخصیت کی جانشینی کی خاطر ساری تگ و دو کی گئی ۔ اس سے حق محبت کو یوں ادا کیا گیا کہ اس کے جنازہ میں شرکت نہیں کی گئی اور اس کے غم زدہ پسماندگان کے سر پر کسی نے شفقت سے ہاتھ تک نہ پھیرا ۔ حضور اکرمؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی وہ محبت و دوستی کیوں عنقا ہو گئی ؟

علی علیہ السلام کو جو حضور اکرمؐ سے الفت و محبت تھی ، انہوں نے اس محبت کا حق ادا کیا انہوں نے اس لمحہ میں حکومت کے حصول کی بجائے جنازۂ رسولؐ کو ترجیح دی ۔ اس سے علیؑ کے سیاسی حریفوں نے فائدہ اٹھایا ۔ علیؑ صلح و آشتی کو پسند کرنے والے تھے ۔ علیؑ کی عظمت کا اس سے اندازہ لگائیں کہ انہوں

---

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد سوم ۔ ص ۲۸۳ ۔ مطبوعہ مصر ۔

نے سقیفہ میں تشکیل پانے والی حکومت سے پنجہ آزمائی نہیں کی ۔ علیؑ اسلام اور قرآن کے تحفظ کی خاطر خاموش ہو گئے ۔ بلکہ جہاں اسلام اور امت اسلامیہ کی مصلحت کو دیکھتے تھے تو وہاں اپنے صائب مشوروں سے بھی نوازا کرتے تھے ۔

علیؑ نے اسی صلح و آشتی کی پالیسی کو نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں یوں بیان فرمایا :

" اَمّا بَعد ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا اور جب ان کی وفات ہوئی تو مسلمانوں نے امر خلافت میں جھگڑا کیا ۔

خدا کی قسم ! میرے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ عرب امر خلافت کو خاندانِ نبوت سے علیحدہ کریں گے اور میں نے کبھی یہ سوچا تک نہیں تھا کہ لوگ مجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا حاکم بنا لیں گے ۔ جب میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کی بیعت کر رہے ہیں، تو میں نے بھی ان سے کوئی جھگڑا کرنا پسند نہیں کیا ۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو لوگوں کی اکثریت اسلام کو ہی چھوڑ جائے گی ......

ان حالات میں میں نے یہ محسوس کیا کہ میرا ذاتی نقصان ہوتا ہے تو ہوتا رہے مگر اسلام کا تحفظ کرنا چاہیے ۔ میں چند روزہ دنیا کی حکومت لے کر اسلام کو صدمات سے دوچار کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ کیونکہ حکومت حاصل نہ ہونے کے صدمہ کی بہ نسبت مجھے اسلام کا نقصان زیادہ ضرر رساں نظر آتا تھا [1] ۔" حضرت علیؑ کی صلح پسندی کا اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ انہوں نے خلفائے ثلاثہ کے ادوار میں اگر اختلاف کیا تو فقط دینی امور کے متعلق ہی کیا تھا ۔

تاریخ عالم علیؑ جیسے صلح پسند افراد کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کیونکہ علیؑ نے اپنے حقوق کی پامالی اور اپنی زوجہ کے حق سے محرومی کے باوجود بھی اسلام

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۴۴ ۔ ص ۱۶۴،۱۶۵ ۔

کے عظیم تر مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے جن سے اجتناب کیا ۔ حضرت فاطمہ زہرؑا کو حق میراث اور حق ہبہ فدَک سے محروم کیا گیا ۔ اس کے باوجود بھی علیؑ نے امن و صلح کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ۔ علاوہ ازیں حضرت ابوبکر کی خلافت کے ابتدائی ایام میں چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب اپنے ہم نوا افراد کو لے کر علیؑ کے دروازے پر آئے اور لکڑیاں بھی اپنے ساتھ لائے اور گھر جلانے کی باتیں کیں ۔ کیا لوگوں کی زبان کو ان تاریخی واقعات کے بیان کرنے سے روکا جاسکتا ہے [1] ۔

واقعۂ فدَک

واقعہ فدک کا خلاصہ یہ ہے کہ فدک حجاز کا ایک قریہ ہے اور مدینہ کے قریب ہے ۔ مدتوں سے وہاں یہودی آباد تھے اور وہاں کی زمین بڑی زرخیز تھی ۔ وہاں یہود کھیتی باڑی کیا کرتے تھے ۔

۷ ھ میں اہل فدک نے حضور اکرمؐ کے رعب و دبدبہ سے مرعوب ہو کر فدک کی زمین ان کے حوالہ کر دی تھی اور فدَک خالص رسول خدؐا کی جاگیر تھی ۔ کیونکہ سورۂ حشر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔ " وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ ......" " ان میں سے اللہ جو رسولؐ کو عطا کردے جس پر تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۔"

رسولِ خدؐا نے سر زمینِ فدَک میں اپنے ہاتھ سے گیارہ کھجوریں بھی کاشت فرمائی تھیں ۔ اس کے بعد آپؐ نے فدَک کی مکمل جاگیر اپنی اکلوتی دختر حضرت فاطمہ زہرؑا کو ہبہ فرمادی ۔ فدَک ہبہ ہونے کے بعد مکمل طور پر حضرت سیدۂ

(۱) عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ الامام علی بن ابی طالب ۔ جلد اول ص ۲۱۶ ۔

کے تصرف میں رہتا تھا ۔ جب حضور اکرمؐ کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر نے علیؑ و فاطمہؑ کو اپنا سیاسی حریف سمجھتے ہوئے فدک پر قبضہ کر لیا ۔ فدک خاندان محمدؐ کے تصرف میں تھا ۔ اس قبضہ اور تصرف کا ثبوت حضرت علیؑ کے اس خط سے بھی ملتا ہے جو انہوں نے والیٔ بصرہ عثمان بن حنیف کو تحریر کیا تھا ۔ اس خط کے ضمن میں آپ نے یہ الفاظ تحریر کیے :

"بَلٰى قَدْ كَانَتْ فِيْ اَيْدِيْنَا فَدَكُ مِّنْ كُلِّ مَا اَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ فَشحتْ بِهَا نُفوسُ قَوْمٍ وَسخت عَنْهَا نُفُوْس اٰخَرِيْنَ ......" اس آسمان کے سایہ تلے ،لے دے کے ایک فدک ہمارے ہاتھوں تلے تھا ۔ اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے اس کے جانے کی پروا نہ کی ۔ اور بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے [۱] ۔

حضرت سیدہ فاطمہ زہرؑا ہی شرعی لحاظ سے اس جاگیر کی بلاشرکت غیرے مالک تھیں۔

خلیفہ کا فرض تھا کہ ہبۂ رسولؐ کو اصلی حالت پر رہنے دیتے اور اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرتے اور اگر بالفرض خلیفہ صاحب کو اس ہبہ پر کوئی قانونی اعتراض تھا تو بھی قانون کا تقاضا یہ تھا کہ مقدمہ کے تصفیہ تک فدک کو حضرت سیدہؑ کے تصرف میں رہنے دیا جاتا ۔

اور اس مقدمہ کا عجیب ترین پہلو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا یہ موقف تھا کہ فدک کی جاگیر حضرت سیدہؑ کی نہیں ہے بلکہ عامۃُ المسلمین کی ہے اور یہ قومی ملکیت ہے ۔ اسی لئے اس جاگیر پر انہوں نے بزور حکومت قبضہ کر لیا ۔ تو حضرت سیدہؑ نے اپنا قبضہ واپس لینے کا مطالبہ حضرت ابوبکر سے کیا ۔ تو اب صورت حال یہ ہے کہ حضرت سیدہؑ مدعیہ تھیں اور اس مقدمہ میں حضرت ابوبکر مدعیٰ علیہ تھے ۔

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد چہارم ۔ ص ۲۸ ۔ مکتوب ۴۵ ۔

اس مقدمہ میں ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جو فریقِ ثانی تھا وہی منصف بھی تھا ۔ حالانکہ سیدھی سی بات تھی کہ مقدمہ حضرت ابو بکر کے خلاف تھا یا کم از کم عوام الناس کے خلاف تھا جن کے سربراہ حضرت ابو بکر تھے تو ان دونوں صورتوں میں مقدمہ حضرت ابو بکر کے ہی خلاف تھا اب انہیں قانونی سطح پر اس مقدمہ کی سماعت کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا ۔ اور نہ ہی انہیں اس مقدمہ میں منصفی کا حق حاصل تھا ۔

فَدَک مختلف ہاتھوں میں

مقدمہ فَدَک کی تفصیل سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرات شیخین کے دور اقتدار میں فدک قومی ملکیت میں رہا ۔

خلیفۂ ثالث کے دور میں فَدَک کی پوری جاگیر مروان بن حکم کو عطا کی گئی ۔ خدارا ہمیں یہ بتایا جائے کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر کا طرز عمل صحیح تھا یا حضرت عثمان کا طرز عمل صحیح تھا ؟

علمائے اہل سنت اس مقام پر حضرت ابوبکر کے کردار کو مثالی بناکر پیش کرتے ہیں، ان سے درخواست ہے کہ حضرت عثمان نے تو اس مسئلہ میں ان کے طرز عمل سے انحراف کیا تھا ۔ اب ان دونوں خلفاء میں سے کون صحیح تھا اور کون غلط تھا ؟

فَدَک اگر بنتِ رسولؐ کے ہاتھ میں تھا تو لوگوں کو اچھا نہ لگا اب جو مروان جیسے افراد کے ہاتھوں میں چلا گیا تو اس وقت امت اسلامیہ کیوں خاموش ہوگئی ؟ جب کہ حضرت ابو بکر کہہ چکے تھے کہ فَدَک کسی فرد واحد کی نہیں پوری امت اسلامیہ کی ملکیت ہے ؟

اور جب معاویہ بن ابو سفیان کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے فدک کی جاگیر کو تین حصوں میں تقسیم کیا ۔ ایک تہائی مروان بن حکم طریدِ رسولؐ کے پاس

رہنے دی۔ ایک تہائی حضرت عثمان کے فرزند عمرو بن عثمان بن عفان کو عطا کی گئی۔ ایک اور تہائی اپنے بیٹے یزید بن معاویہ بن ابو سفیان کے حوالے کی گئی۔

اور جب یزید کے بعد مروان کو حکومت ملی تو اس نے خلیفۂ ثالث کے عمل کو حجت قرار دیتے ہوئے اپنے دونوں شریکوں کو بے دخل کر دیا اور خود سارے فدک پر قابض ہو گیا۔

بعد ازاں یہی فدک اس کے بیٹے عبدالعزیز کی ملکیت بنا اور جب عبدالعزیز کا بیٹا حضرت عمر بن عبدالعزیز بر سر اقتدار آیا تو اس نے فدک سے اپنے خاندان کو بے دخل کر کے اولاد فاطمہؑ کے حوالہ کر دیا اور جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات ہوئی تو بنو امیہ میں سے یزید بر سر اقتدار آیا۔ اس نے اولادِ فاطمہؑ سے فدک چھین کر اولاد مروان کے حوالے کر دیا۔ بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ تک فدک اولاد مروان کے پاس رہا۔

اور جب بنی امیہ کی حکومت ختم ہوئی اور بنی عباس کا اقتدار شروع ہوا تو ابو العباس سفاح نے فدک اولاد فاطمہؑ کے حوالہ کیا۔

منصور دوانیقی نے بنی فاطمہؑ سے چھین لیا۔ بعد ازاں اس کے بیٹے مہدی نے فدک بنی فاطمہؑ کے حوالہ کیا۔ جسے ہادی اور رشید نے پھر واپس لے لیا۔ مامون الرشید عباسی نے فدک واپس کیا تھا۔ جسے بعد میں معتصم نے واپس چھین لیا۔

اس کے بعد کیا ہوا اس کے متعلق مؤرخین خاموش ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام کے ہاتھ میں فدک ایک ایسا کھلونا تھا۔ جسے جب چاہتے وارثان بازگشت کو دے دیتے تھے اور جب چاہتے اپنے قبضہ میں لے لیا کرتے تھے۔ مامون الرشید عباسی نے فدک کی واپسی کے لئے جو تحریری احکام روانہ کیے تھے وہ انتہائی علمی قدر وقیمت کے حامل ہیں۔ جس میں اس نے پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ وارثانِ فدک کی نشان دہی کی تھی۔

مامون کی واپسیٔ فدک

مامون الرشید عباسی کے خط کو مؤرخ بلاذری نے نقل کیا ہے۔

سن ۲۱۰ ہجری میں مامون الرشید نے فدک کی واپسی کے احکام جاری کیے اور اس نے مدینہ کے عامل قثم بن جعفر کو خط تحریر کیا۔

اَمَّابَعْدُ ، فَاِنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَکَانَةٍ مِّنْ دِیْنِ اللّٰہِ وَخِلَافَةِ رَسُوْلِہٖ وَالْقَرَابَةِ بِہٖ ، اَوْلٰی مَنِ اسْتَنَّ سُنَّتَہٗ وَنَفَذَ اَمْرَہٗ وَسَلَّمَ لِمَنْ مَّنَحَہٗ مَنْحَةً وَّتَصَدَّقَ عَلَیْہِ بِصَدَقَةٍ منحتہ وصدقتہ۔ وَقَدْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَعْطٰی فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَدَکَ وَتَصَدَّقَ بِہَا عَلَیْہَا وَکَانَ ذٰلِکَ اَمْرًا ظَاہِرًا مَّعْرُوْفًا لَا اخْتِلَافَ فِیْہِ فَرَاٰی اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْ یَّرُدَّہَا اِلٰی وَرَثَتِہَا وَیُسَلِّمَہَا اِلَیْہِمْ تَقَرُّبًا اِلَی اللّٰہِ بِاِقَامَةِ حَقِّہٖ وَعَدْلِہٖ وَاِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ بِتَنْفِیْذِ اَمْرِہٖ وَصَدَقَتِہٖ ...... الخ

"امیرُ المومنین کو اللہ کے دین میں جو مقام حاصل ہے اور انہیں رسالت مآبؐ کی جانشینی اور جو قرابت حاصل ہے، ان تمام چیزوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رسول خدؐا کی سنت پر عمل پیرا ہوں اور نبی اکرمؐ کے فرامین کو نفاذ میں لائیں اور رسول خدؐا نے جسے جو کچھ عطا کیا تھا اس عطا کو اس تک پہنچائیں۔

جناب رسولِ خدؐا نے اپنی دختر حضرت فاطمہ زہرؑا کو فدک عطا کیا تھا۔ یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اسی لئے امیر المومنین کی یہ رائے ہے کہ فدک اس کے وارثوں کو واپس کر دیا جائے اور اس عمل کے ذریعہ سے امیرالمومنین اللہ کی قربت کے خواہش مند ہیں اور عدل و انصاف کی وجہ سے رسولِ خدؐا کی سنت پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں۔" بعد ازاں مامون الرشید نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ سرکاری ریکارڈ میں اس بات کو لکھا جائے۔

رسولِ خدا کی وفات کے بعد سے ہمیشہ ایامِ حج میں یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ رسولِ خدا نے جس کسی کو کوئی صدقہ یا جاگیر عطا کی ہو تو وہ آ کر وصول کرے اس کی بات کو قبول کیا جائیگا ۔ اس کے باوجود آخر رسولِ خدا کی دختر کو ان کے حق سے محروم رکھنے کا کیا جواز ہے؟

مامون الرشید نے اپنے غلام خاص مبارک طبری کو خط لکھا کہ فدک کی مکمل جاگیر کو جملہ حدود کے ساتھ اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا جائے اور اس کام کی تکمیل کے لیے محمد بن یحیی بن زید بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ اور محمد بن یحیٰی اور محمد بن عبداللہ سے مدد حاصل کی جائے اور فدک کے لئے ایسے انتظامات کیے جائیں جس کی وجہ سے وہاں زیادہ پیداوار ہو سکے ۔

درج بالا خط ذی الحجہ ۲۱۰ ء میں لکھا گیا ...... (۱) ۔

محاکمۂ فدک

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَّوْاَنَّھَا   صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

مجھ پر اتنے مصائب آئے اگر وہ دنوں پر پڑتے تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے ۔ (ماخوذ از مرثیہ فاطمہ زہرا علیہا السلام)

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی نے فدک کی جاگیر عطا فرمائی پھر آپؐ نے وہ جاگیر حکم خداوندی کے تحت اپنی اکلوتی دختر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ہبہ فرمائی ۔ رسولِ خدا کی حیاتِ مبارکہ میں جناب فاطمہؑ اس جاگیر پر تصرف مالکانہ رکھتی تھیں اور جب جناب رسولِ خدا کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے ملازمین کو فدک سے بے دخل کر دیا اور اسے

(۱) البلاذری ۔ فتوح البلدان ۔ ص ۴۶ ۔ ۴۷ ۔

حَشْرِكَ ...... فَنِعْمَ الْحَكَمُ

بحق سرکار ضبط کر لیا ۔ جناب زہ
حق کی بازیابی کے لئے حضرت ابوبکر ۔
کا مطالبہ کیا ۔

جس کے جواب میں حضرت ابوبکر ۔
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :۔ " نَحْنُ مَع
مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ " ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث
ہمارا وارث ہوتا ہے ۔ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے ۔

"لاوارثی" حدیث اور قرآن

اس حدیث کے متعلق عرض ہے کہ ا حدیث کے واحد راوی حضرت ابوبکر ہیں اسی حدیث کی طرح حضرت ابوبکر ۔ ایک اور حدیث بھی مروی ہے ۔ جس وقت رسول خدا کی وفات ہوئی اور مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ حضور اکرمؐ کو کہاں دفن کیا جائے تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ جناب رسولِ خدا کا فرمان ہے :۔ " مَاقُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا وَدُفِنَ حَیْثُ قُبِضَ " جہاں کسی نبی کی وفات ہوئی وہ اسی جگہ ہی دفن ہوا ۔ جب کہ مورخ طبری ہمیں بتاتے ہیں کہ بہت سے انبیاء کرامؑ اپنی جائے وفات کے علاوہ دوسرے مقامات پر دفن ہوئے ہیں ۔

حضرت زہرا سلامُ اللہ علیہا نے اس حدیث کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر انبیاءؑ کی میراث ان کی اولاد کو نہیں ملتی تھی تو حق تو یہ بنتا تھا کہ رسول خدا خود اپنی بیٹی سے کہہ دیتے کہ میری میراث تمہیں نہیں ملے گی ۔ طرفہ یہ ہے کہ جس شخصیت کو میراث ملتی تھی اسے نہیں کہا اور چپکے سے یہ بات ایک غیر متعلقہ شخص کے کان میں کہہ دی گئی اور یہ " لاوارثی حدیث " حضرت علیؑ نے بھی نہیں سنی تھی کیونکہ اگر انہوں نے سنی ہوتی تو اپنی

رسولِ خدا کی وفات کے بعد سے ہمیشہ ایام حج میں یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ رسول خدا نے جس کسی کو کوئی صدقہ یا جاگیر عطا کی ہو تو وہ آ کر وصول کرے اس کی بات کو قبول کیا جائیگا ۔ اس کے باوجود آخر رسول خدا کی دختر کو ان کے حق سے محروم رکھنے کا کیا جواز ہے؟

مامون الرشید نے اپنے غلام خاص مبارک طبری کو خط لکھا کہ فدک کی مکمل جاگیر کو جملہ حدود کے ساتھ اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا جائے اور اس کام کی تکمیل کے لیے محمد بن یحیی بن زید بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ اور محمد بن یحیٰی اور محمد بن عبداللہ سے مدد حاصل کی جائے اور فدک کے لئے ایسے انتظامات کیے جائیں جس کی وجہ سے وہاں زیادہ پیداوار ہو سکے ۔

درج بالا خط ذی الحجہ ۲۱۰ ء میں لکھا گیا ...... (۱) ۔

محاکمۂ فدک

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

مجھ پر اتنے مصائب آئے اگر وہ دنوں پر پڑتے تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے ۔ (ماخوذ از مرثیہ فاطمہ زہرا علیہا السلام)

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی نے فدک کی جاگیر عطا فرمائی پھر آپؐ نے وہ جاگیر حکم خداوندی کے تحت اپنی اکلوتی دختر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ہبہ فرمائی ۔ رسولِ خدا کی حیاتِ مبارکہ میں جناب فاطمہؑ اس جاگیر پر تصرف مالکانہ رکھتی تھیں اور جب جناب رسولِ خدا کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے ملازمین کو فدک سے بے دخل کر دیا اور اسے

(۱) البلاذری ۔ فتوح البلدان ۔ ص ۳۶ ۔ ۴۷ ۔

بحق سرکار ضبط کر لیا ۔ جناب زہرا سلام اللہ علیہا کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ اپنے حق کی بازیابی کے لئے حضرت ابوبکر کے دربار میں تشریف لے گئیں اور اپنے حق کا مطالبہ کیا ۔

جس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے ایک نرالی حدیث پڑھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :۔ " نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَانَرِثُ وَلَانُوْرِثُ مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ " ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے ۔ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے ۔

"لاوارثی" حدیث اور قرآن

اس حدیث کے متعلق عرض ہے کہ ا حدیث کے واحد راوی حضرت ابوبکر ہیں اسی حدیث کی طرح حضرت ابو بکر سے ایک اور حدیث بھی مروی ہے ۔ جس وقت رسول خدا کی وفات ہوئی اور مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ حضور اکرمؐ کو کہاں دفن کیا جائے تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ جناب رسولِ خدا کا فرمان ہے:۔ " مَاقُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا وَدُفِنَ حَیْثُ قُبِضَ " جہاں کسی نبی کی وفات ہوئی وہ اسی جگہ ہی دفن ہوا ۔ جب کہ مؤرخ طبری ہمیں بتاتے ہیں کہ بہت سے انبیاء کرامؑ اپنی جائے وفات کے علاوہ دوسرے مقامات پر دفن ہوئے ہیں ۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے اس حدیث کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر انبیاءؑ کی میراث ان کی اولاد کو نہیں ملتی تھی تو حق تو یہ بنتا تھا کہ رسول خدا خود اپنی بیٹی سے کہہ دیتے کہ میری میراث تمہیں نہیں ملے گی ۔ طرفہ یہ ہے کہ جس شخصیت کو میراث ملتی تھی اسے نہیں کہا اور چپکے سے یہ بات ایک غیر متعلقہ شخص کے کان میں کہہ دی گئی اور یہ " لاوارثی حدیث " حضرت علیؑ نے بھی نہیں سنی تھی کیونکہ اگر انہوں نے سنی ہوتی تو اپنی

زوجہ کو حق میراث کے مطالبہ کی کبھی اجازت نہ دیتے ۔ علاوہ ازیں اتنی اہم بات حضورا کرمؐ نے صرف حضرت ابو بکر کو ہی کیوں بتائی دوسرے مسلمانوں کو اس سے بے خبر کیوں رکھا ؟

"لاوارثی حدیث" قرآن کے منافی ہے

مذکورہ لاوارثی حدیث کے متعلق حضرت فاطمہؑ کا موقف بڑا واضح اور ٹھوس تھا ۔ انہوں نے اس حدیث کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ یہ حدیث قرآن کے منافی ہے ۔

۱ ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا فرمان ہے: "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے ۔ بیٹے کو بیٹی کی بہ نسبت دو حصے ملیں گے [(۱)] ۔

اس آیت میں کسی قسم کا استثنا نہیں ہے ۔

۲ ۔ اللہ تعالی نے ہر شخص کی میراث کے متعلق واضح ترین الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے ۔ "وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ" اور ہر کسی کے ہم نے وارث ٹھہرا دیئے اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت والے چھوڑ جائیں [(۲)] ۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ لفظ "وَلِکُلٍّ" پر اچھی طرح سے غور فرمائیں اس آیت مجیدہ میں بڑی وضاحت سے "ہر کسی" کی میراث کا اعلان کیا گیا ۔

میراث سے تعلق رکھنے والی جملہ آیات کی تلاوت کریں ۔ آپ کو کسی بھی جگہ یہ نظر نہیں آئے گا کہ اللہ نے فرمایا ہو : کہ ہر کسی کے وارث ہوتے ہیں لیکن انبیاءؑ کے نہیں ہوتے۔ میراث انبیاء کی اگر قرآن مجید میں کسی جگہ نفی وارد ہوئی ہے تو اس آیت مجیدہ کو بحوالہ سورت بیان کیا جائے اور قیامت تک تمام دنیا کو ہمارا یہ چیلنج ہے کہ اگر قرآن میں ایسی کوئی آیت ہے تو پیش کریں ۔

(۱) النساء ۔ ۱۱۔ (۲) النساء ۔ ۳۳۔

"لا وارثی" حدیث کے تین اجزا ہیں ۔

۱ ۔ انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے ۔

۲ ۔ انبیاء کی اولاد وارث نہیں ہوتی ۔

۳ ۔ انبیاء کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے ۔

قرآن مجید مذکورہ بالا تینوں اجزا کی نفی کرتا ہے ۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ۔ "وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ" سلیمان علیہ السلام ، داود علیہ السلام کے وارث بنے [(۱)] ۔

اگر نبی کسی کا وارث نہیں ہوتا تو سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داودؑ کے وارث کیوں بنے ؟

معلوم ہوتا ہے کہ "لا وارثی" حدیث کا پہلا جز صحیح نہیں ہے ۔

علاوہ ازیں مذکورہ آیت میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ سلیمانؑ ، داودؑ کے وارث بنے ۔

اب جس کے سلیمان وارثؑ بنے وہ بھی تو نبی تھے ۔ اگر "لا وارثی" حدیث کا دوسرا جز صحیح ہوتا یعنی نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو داودؑ کی میراث کا اجرا کیوں ہوا ۔ ان کی میراث کو صدقہ کیوں نہ قرار دیا گیا ۔ تو گویا یہ ایک آیت "لا وارثی" حدیث کے تینوں اجزا کو غلط ثابت کرتی ہے ۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قرآن مجید میں مذکور ہے ۔

" قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۔" زکریا نے کہا میرے رب میری

(۱) النمل ۔ ۱۲۔

ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا اور اے رب میں تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں ہوا اور میں اپنے پیچھے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے، مجھے اپنی طرف سے ایک وارث عطا کر جو میرا وارث ہو اور آل یعقوبؑ کی جو میراث مجھے ملی ہے اس کا بھی وارث ہو۔ اے میرے رب اسے نیک بنانا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے کسی کا یہ نام نہیں رکھا [1]۔

درج بالا آیت کو مکرّر پڑھیں، حضرت زکریا نے اللہ سے اپنا وارث مانگا اور اللہ نے انہیں وارث بھی دیا اور اس وارث کا نام بھی خود ہی تجویز فرمایا۔

اگر انبیاء کی میراث ہی نہیں ہوتی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے وارث کی درخواست کیوں کی؟

اور اگر بالفرض انہوں نے وارث کے لیے دعا مانگ بھی لی تھی تو اللہ نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کیوں نہ کرا دیا کہ تم تو نبی ہو، تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ نبی کی میراث ہی نہیں ہوتی۔ لہذا تمہیں وارث کی دعا ہی سرے سے نہیں مانگنی چاہیے؟

اگر انبیاء کی میراث ہی نہیں ہوتی تو اللہ تعالی نے انہیں وارث کیوں عطا فرمایا اور اس وارث کا نام بھی خود ہی تجویز کیوں کیا؟

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کی اور ان آیات سے "لاوارثی" حدیث کی تردید فرمائی۔

لیکن حضرت ابوبکر نے تمام آیات سن کر بھی حضرت سیدہؑ کو حق دینے سے انکار کر دیا۔

پھر حضرت سیدہؑ نے آخر میں فرمایا:۔

---

(۱) مریم۔۶۔

فَدُوْنَكَهَا مَخْطُوْمَةً مَّرْحُوْلَةً ، نَلْقَاكَ يَوْمَ حَشْرِكَ ...... فَنِعْمَ الْحَكَمُ اللّٰهُ ...... وَالْمَوْعِدُ الْقِيَامَةُ وَعِنْدَ السَّاعَةِ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ۔

"اب تم اپنی خلافت کو نکیل ڈال کر اس پر سوار رہو۔ اب قیامت کے دن تجھ سے ملاقات ہو گی۔ اس وقت فیصلہ کرنے والا اللہ ہو گا اور وعدہ کا مقام قیامت ہے۔ اور قیامت کے روز باطل پرست خسارہ اٹھائیں گے۔"

يَا ابْنَ اَبِيْ قُحَافَةَ اَفِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اَنْ تَرِثَ اَبَاكَ وَلَا اَرِثَ اَبِيْ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فَرِيًّا اَفَعَلٰى عَمْدٍ تَرَكْتُمْ كِتَابَ اللّٰهِ وَنَبَذْتُمُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِكُمْ ؟

اَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَهُ تَعَالٰى : وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اَخَصَّكُمُ اللّٰهُ بِاٰيَةٍ اَخْرَجَ اَبِيْ مِنْهَا ؟ اَمْ تَقُوْلُوْنَ : اَهْلُ مِلَّتَيْنِ لَا يَتَوَارَثَانِ ؟ اَوَلَسْتُ اَنَا وَاَبِيْ مِنْ مِّلَّةٍ وَّاحِدَةٍ ؟ اَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِخُصُوْصِ الْقُرْاٰنِ وَعُمُوْمِهٖ مِنْ اَبِيْ وَابْنِ عَمِّيْ ؟

"ابو قحافہ کے فرزند! کیا اللہ کی کتاب کا یہی فیصلہ ہے کہ تم تو اپنے باپ کے وارث بنو اور میں اپنے والد کی میراث سے محروم رہوں؟ تم ایک عجیب چیز لائے ہو۔

تو کیا تم نے جان بوجھ کر اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا اور اسے پس پشت ڈال دیا؟ اور کیا تم نے اللہ تعالی کا یہ فرمان نہیں سنا کہ: رشتہ دار ہی ایک دوسرے کے اللہ کی کتاب میں وارث ہیں؟ اور کیا اللہ نے تمہیں میراث کے لئے مخصوص کرنے کے لئے کوئی آیت نازل فرمائی ہے، جس سے میرے والد کو مستثنیٰ قرار دیا ہے؟ یا تم یہ کہتے ہو کہ دو ملت والے افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے؟ تو کیا میں اور میرے والد ایک ہی ملت سے تعلق نہیں رکھتے؟ اور کیا تم میرے والد اور میرے چچا زاد کی بہ نسبت قرآن کے عموم و خصوص کو زیادہ جانتے ہو؟"

ان دلائلِ قاہرہ اور آیاتِ قرآنیہ پڑھنے کے بعد حضرت سیدہؑ نے ملاحظہ کیا کہ ان باتوں کا خلیفہ پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا تو ناراض ہو کر روتی ہوئی واپس آئیں۔

حضرت سیدہؑ کو پہلے سے ہی علم تھا کہ خلیفہ انہیں فدک کبھی بھی واپس نہیں کرے گا۔ آپ فقط اِتمامِ حجت کے لئے تشریف لے گئی تھیں اور عملی طور پر دنیا کو دکھایا کہ جب چند روز پہلے میرے والد حدیث لکھانا چاہتے تھے تو اسی گروہ نے کہا تھا: ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں ہمیں قرآن کافی ہے۔ اور جب حضرت سیدہؑ نے اپنی میراث کے لیے قرآن پڑھا تو مقابلہ میں "لاوارثی" حدیث پڑھ کر سیدہؑ کو محروم کر دیا گیا۔

تو گویا حضرت سیدہؑ نے دربار میں جا کر کائنات کو اس دوغلے پن سے آگاہ کیا کہ کل جو حدیث کا انکار کر رہے تھے آج وہ قرآنی آیات کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر رہے ہیں۔ جناب سیدہؑ کو پہلے سے علم تھا کہ مجھے میرا حق فدک نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ جن لوگوں نے چند روز پہلے ان کے شوہر کی خلافت چھین لی تھی، وہ ان سے فدک بھی چھین سکتے ہیں۔

"لاوارثی" حدیث اور عقل ونقل کے تقاضے

آئیے! حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث کو سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی میں دیکھیں۔

رسول خدؐا نے اپنے آپ کو شریعت طاہرہ کے احکام سے کبھی بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا۔

۱۔ جس طرح سے یہ کہنا غلط ہو گا کہ: ہم گروہِ انبیاء نہ تو نماز پڑھیں گے اور نہ ہی روزہ رکھیں گے (نعوذُ باللہ)

مذکورہ فقرہ اس لئے غلط ہے کہ نبی احکام شریعت سے مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ تو جس طرح نبی نماز و روزہ اور اسلام کے دیگر احکام سے مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے وہ اسلام کے احکام میراث سے بھی مستثنیٰ نہیں ہوتا۔

۲۔ کیا فدک کا مسئلہ جو کہ خالص شرعی مسئلہ تھا، اس کے نہ دینے میں کوئی سیاسی اغراض تو کار فرما نہیں تھیں؟

۳۔ کیا حضرت سیدہؑ کو محروم وارث رکھ کر خلیفہ صاحب اپنے سیاسی حریف علیؑ اور اس کے خاندان کو اپنے آگے سرنگوں تو نہیں کرنا چاہتے تھے؟

۴۔ اور کیا اس مسئلہ کا تعلق اقتصادیات سے تو نہیں تھا؟ یعنی اس ذریعہ سے علیؑ اور ان کے خاندان کو نانِ شبینہ سے محروم رکھنا تو مقصود نہ تھا؟

۵۔ اور کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ علیؑ کی مالی حالت کمزور کر کے انہیں خلافت کا امیدوار بننے سے روکنا مقصود ہو؟

۶۔ اور کیا فدک چھین لینے میں یہ حکمت عملی تو مدنظر نہ تھی کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کی خلافت کا انکار کیا تھا۔ انہیں مرتد اور مانعین زکوۃ کہہ کر ان پر لشکر کشی کی گئی تھی۔ تو کیا فدک کے چھین لینے میں یہ تصور تو کار فرما نہ تھا کہ اگر فدک علیؑ کے پاس ہو گا تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے مخالفین کی مالی امداد کریں؟

۷۔ کیا فدک چھیننے میں یہ فلسفہ تو مضمر نہ تھا کہ آلِ محمدؐ کے وقار کو لوگوں کی نگاہوں میں گرا دیا جائے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ: خود رسول خدؐا ان لوگوں کو اپنی میراث سے محروم کر گئے ہیں؟

تو جن لوگوں کو رسول خدؐا کی میراث کا حق نہیں ہے انہیں ان کی خلافت کا حقدار کیسے سمجھا جائے؟

۸۔ کیا سلبِ فدک میں بہت سے عوامل کار فرما تھے؟

۹ ۔ اور اگر حضرت ابو بکر کی بیان کردہ حدیث کو درست بھی مان لیا جائے تو اس حدیث کا اطلاق صرف پیغمبر اکرمؐ کے لئے ہو گا یا دوسرے انبیاء پر بھی اس کا انطباق ہو گا ؟

۱۰ ۔ آخر رسولِ خدا اپنی پیاری دختر کو محرومِ اِرث کیوں رکھنا چاہتے تھے ؟

۱۱ ۔ کیا خدا نخواستہ حضور کریمؐ کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کے بعد ان کی بیٹی اور داماد فدک کی کمائی کو غلط مصرف میں لائیں گے ؟

۱۲ ۔ اگر حضور کریمؐ کو یہی اندیشہ تھا تو انہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں اپنی دختر کی تحویل میں کیوں دے دیا تھا ؟

۱۳ ۔ اور کیا یہ خدشہ اس لیے پیدا ہوا تھا کہ حضرت سیدہؑ نے اپنے والد کی حیات طیبہ میں اس جاگیر سے سوء استفادہ کیا تھا ؟

۱۴ ۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو کب اور کیسے ؟

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اسی مسئلہ کے متعلق قاضیُ القضاۃ اور علم الہدیٰ سید مرتضیٰ کا ایک خوبصورت مباحثہ نقل کیا ہے ۔ قاضیُ القضاۃ وراثت انبیاء کی نفی کرتے تھے ۔ جبکہ سید مرتضیٰ میراث انبیاءؑ کا اثبات کرتے تھے ۔

قاضیُ القضاۃ کا موقف یہ تھا کہ قرآن مجید میں انبیاء کی میراث کا جو تذکرہ کیا گیا ہے اس سے علم و فضل کی میراث مراد ہے ۔ مالی میراث مراد نہیں ہے ۔

علمُ الہدیٰ سید مرتضیٰ کا موقف تھا کہ میراث کا اطلاق پہلے مال و دولت اور زمین پر ہوتا ہے ۔ اور یہ اطلاق حقیقی ہوتا ہے ۔ علم و فضل کے لئے مجازی طور پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور اصول قرآن یہ ہے کہ مجازی معنیٰ صرف اس وقت درست قرار پاتا ہے جب کہ حقیقی معنیٰ متعذر ومحال ہو ۔ انبیاء اگر مالی میراث حاصل کریں تو اس سے کونسی شرعی اور عقلی قباحت لازم آتی ہے کہ ہم حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر مجازی معنی قبول کرنے پر مجبور ہوجائیں ۔ اور اگر قاضیُ

القضاۃ کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انبیاء کی میراث مالی کی بجائے معنوی یعنی علم و فضل پر مشتمل ہوتی ہے تو اس کا مقصد یہ بھی ہو گا کہ آل نبی پیغمبرؐ کے علم وفضل کے وارث ہیں۔

اور اگر آل نبی پیغمبر اکرمؐ کے علم و فضل کے وارث ہیں تو ان وارثان علم وفضل کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کی خلافت کا جواز کیا تھا [1] ۔

فدک بعنوان ہبہ

جناب سیدہؑ نے فدک کا مطالبہ بطور ہبہ بھی کیا تھا جس پر خلیفہ صاحب نے گواہوں کا مطالبہ کیا ۔ حضرت سیدہؑ کی طرف سے حضرت علیؑ ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ اور حضرت ام ایمنؑ نے گواہی دی ۔

مگر خلیفہ صاحب نے اس گواہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نصاب شہادت مکمل نہیں ہے ۔ کیونکہ علیؑ سیدہ کے شوہر ہیں ۔ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ سیدہ کے فرزند ہیں اور ام ایمن ایک کنیز ہے ۔

حالانکہ یہ شہادت ہر لحاظ سے کامل و اکمل تھی ۔

حضرت علی علیہ السلام کی گواہی کس قدر مستند ہے ۔ اس کے لیے سورۃ آل عمران کی اس آیت مجیدہ کی تلاوت کریں :

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

" اللہ خود اس بات کا گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور ملائکہ اور وہ اہل علم جو عدل پر قائم ہیں گواہی دیتے ہیں کہ اس غالب اور صاحب حکمت اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ۔"

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ۔ جلد چہارم ۔ ص ۷۸ ۔ ۱۰۳ ۔

اس آیت میں توحید کے گواہوں میں خود اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور عدل پر قائم رہنے والے اہل علم کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔

وہ اہل علم جو عدل پر قائم ہیں وہ توحید کے گواہ ہیں ۔ اور عدل پر قائم رہنے والے علماء میں علیؑ سر فہرست ہیں کیونکہ علیؑ کے علم کے متعلق رسول خدا کی مشہور حدیث ہے ۔ " اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا " میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں ۔

اور جہاں تک عادل ہونے کا تعلق ہے تو علیؑ جیسا عادل چشم فلک نے نہیں دیکھا ۔ جب علیؑ توحید کے گواہ ہیں تو پھر فدک کے گواہ کیوں نہیں ہو سکتے ؟ عجیب بات ہے کہ توحید کی شہادت کے لئے تو علیؑ کی گواہی مستند مانی جائے اور تھوڑی سی جائیداد کے لئے ان کی گواہی کو ٹھکرا دیا جائے ؟ علیؑ صرف توحید کے گواہ ہی نہیں ہیں وہ رسالتِ محمدیہ کے بھی گواہ ہیں ۔ جیسا کہ سورہ رعد کی آخری آیت میں ارشادِ خداوندی ہے :۔ " وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ "

اور کافر کہتے ہیں کہ تو رسول نہیں ہے ۔ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا مکمل علم موجود ہے ۔ قول اصح کے مطابق " مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ " سے مراد حضرت علیؑ ہیں ۔

اس آیت مجیدہ میں حضرت علی علیہ السلام کو رسالت کا گواہ قرار دیا گیا ۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو علیؑ رسالت محمدیہ کے گواہ ہیں ۔ ان کی گواہی کو فدک کے لیے معتبر کیوں نہیں تسلیم کیا گیا ؟

فرع کی اصل کے لئے گواہی

حسنین کریمین کی گواہی یہ کہہ کر رد کر دی گئی کہ یہ گواہی " فرع " کی " اصل " کے لیے ہے ۔ یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ چونکہ حضرت سیدہؑ کے فرزند ہیں اور اولاد کی گواہی والدین کے لیے قابل قبول نہیں ہے ۔

جب کہ قرآن مجید کی سورہ مریم میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور حضرت مریمؑ کی پریشانی کا ذکر موجود ہے اور جب حضرت مریمؑ کی قوم نے بچہ کی پیدائش پر زبان طعن دراز کی تھی تو مریمؑ کے نو مولود فرزند حضرت عیسیٰؑ نے ہی اپنی نبوت اور اپنی ماں کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی ۔

اب اگر اولاد کی گواہی والدین کے حق میں قابل قبول نہیں ہے تو اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان کی ماں کی پاکدامنی کی گواہی کیوں دلائی ؟ اگر اس فارمولے کو تسلیم کرلیا جائے کہ ماں باپ کے حق میں اولاد کی گواہی قابل قبول نہیں ہے تو آپ ان روایات کے متعلق کیا کہیں گے جو حضرت عائشہؓ کی زبانی ان کے والد کے حق میں مروی ہیں ؟ خلیفہ صاحب کے دربار میں چار عظیم شخصیات موجود تھیں جن میں سے ایک مدعیہ تھیں اور تین دوسری شخصیات گواہ تھیں ۔

اب ان چاروں شخصیات کی گواہی کتنی معتبر ہے؟ اس کیلئے واقعہ مباہلہ کو مدنظر رکھیں ۔

مباہلہ کی گواہی

جب عیسائی علماء دلائل نبوی سن کر مطمئن نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ مباہلہ نازل کی اور ارشاد فرمایا :۔ " فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَھِلْ

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔"(۱)

" جو علم آنے کے بعد تم سے جھگڑا کرے تو کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹے بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنی جانوں کو لائیں اور تم اپنی جانوں کو لاؤ پھر بد دُعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں ۔"

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول خدا علیؑ کے گھر تشریف لائے اور علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو اپنی چادر پہنائی اور کہا پروردگار یہ میرے اہل بیت ہیں۔

رسولِ خدا انہی عظیم شخصیات کو لے کر مُباہلہ کے لئے روانہ ہوئے جب عیسائی علماء نے ان نورانی چہروں کو دیکھا تو جزیہ دینا قبول کیا اور مباہلہ سے معذرت کرلی ۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار شخصیات پورے اسلام کی گواہ ہیں اور ان کی گواہی کا عیسائیوں نے بھی احترام کیا تھا ۔

مباہلہ کے چند ہی دن بعد یہی چاروں شخصیات خلیفہ صاحب کے دربار میں گئیں ۔ ان میں ایک مدعیہ تھیں اور تین گواہ تھے ۔

انسانی ذہن کو انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ جن شخصیات کو اللہ نے پوری امت اسلامیہ میں سے بطور نمونہ جماعت صادقین بناکر غیر مسلموں کے مقابلہ میں بھیجا تھا ، ان شخصیات کی گواہی کو خلیفۃ المسلمین نے رد کردیا ۔

علاوہ ازیں ان ذوات طاہرہ کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ نے ان کی طہارت کا قرآن مجید میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا : " اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا " اے اہل بیت ! اللہ کا تو بس

(۱) آل عمران ۔

یہی ارادہ ہے کہ وہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح سے پاک بنائے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے (۱) ۔"

حضرت ابو بکر کا حق تھا کہ حضرت سیدہؑ کے دعوی کو بے چون و چرا تسلیم کر لیتے ۔ کیونکہ تاریخ و حدیث کا مشہور واقعہ ہے کہ حضوراکرمؐ کے ساتھ ایک اعرابی نے ناقہ کے متعلق تنازعہ کیا ۔ ہر دو فریق ناقہ کی ملکیت کے دعویدار تھے ۔ اعرابی نے رسول خدا سے گواہ طلب کیا تو حضرت خُزَیمہ بن ثابت نے حضور کے حق کے متعلق گواہی دی ۔ اور جب حضرت خُزَیمہ سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ گواہی بغیر علم کے کیوں دی ہے ؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم محمدؐ کی نبوت اور وحی کی بھی تو گواہی دیتے ہیں ۔ جب کہ ہم نے جبریل امین کو اپنی آنکھوں سے اترتے نہیں دیکھا ۔ جب ہم نبوت و رسالت جیسے عظیم منصب کی ان دیکھے گواہی دے دیتے ہیں تو کیا ہم اپنے نبی کے لئے ایک اونٹنی کی گواہی نہیں دیں گے ؟ رسول خدا نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو صحیح قرار دیا اور انہیں " ذُوالشہادتین " یعنی دو گواہیوں والا ، قرار دیا ۔

حضرت خزیمہ کی طرح اگر حضرت ابوبکر بھی حضرت سیدہؑ کی روایت ہبہ کو بدون شہود تسلیم کر لیتے تو یہ ان کے لئے زیادہ مناسب تھا ۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکر کی "لاوارثی" حدیث کے متعلق جناب زہرؑا نے ان سے گواہ نہیں مانگے تھے ۔ جب کہ حضرت سیدہؑ اس روایت کی صحت سے بھی منکر تھیں ۔

اور علیؑ جیسے صدیق اکبر کی گواہی رد کرنے کا بھی حضرت ابو بکر کے پاس کوئی جواز نہیں تھا ۔ اور ام ایمن جو کہ رسول خدا کی دایہ تھیں جن کی پوری زندگی اسلام اور رسول اسلامؐ کی خدمت میں گزری تھی ، ان کی گواہی کو رد کرنے کی آخر ضرورت کیوں پیش آئی تھی ۔

(۱) الاحزاب ۔

خلیفۃ المسلمین کا عملی تضاد

حضرت ابو بکر کا موقفِ میراث انتہائی عجیب و غریب ہے۔

۱۔ انہوں نے رسولِ خدا کی تلوار ان کی نعلین اور دستار مبارک علیؑ کے پاس رہنے دی تھی اور اس کے متعلق نہ تو انہوں نے علیؑ سے کوئی تنازعہ کیا اور نہ ہی علیؑ سے گواہ طلب کیے۔

۲۔ علاوہ ازیں رسولِ خدا نے مرض الموت میں حضرت علیؑ کو اپنی تلوار اور انگشتری عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابو بکر نے علیؑ سے ان دونوں چیزوں کی واپسی کا کوئی تقاضا نہیں کیا۔

اگر تلوار اور انگشتری ہبہ ہو سکتی ہے اور خلیفہ اسے واپس نہیں لیتے اسی طرح سے فدک بھی تو ہبہ ہو چکا تھا۔ اس کی واپسی کے لئے یہ ساری تگ و دو کیوں کی گئی؟

۳۔ جس لباس میں حضورِاکرمؐ نے وفات پائی تھی، وہ لباس حضرت فاطمہؑ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے لباس رسولؐ کی واپسی کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔

۴۔ ازواج رسولؐ سے بھی رسول خدا کے مکان خالی کرنے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا۔

۵۔ عامل بحرین علاء بن حضرمی نے بحرین سے خلیفہ صاحب کے پاس مال بھیجا۔ حضرت جابر نے خلیفہ صاحب سے کہا کہ رسول خدا نے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی میرے پاس مال آیا تو میں تمہیں اتنا مال دوں گا۔ اب جب کہ رسولؐ خدا کی وفات ہو چکی ہے اور آپ اس وقت خلیفۃ المسلمین ہیں۔ لہذا مجھے اتنا مال دیں۔ حضرت ابو بکر نے ان سے کسی گواہ کا مطالبہ نہیں کیا ان کی زبان پر اعتماد کرتے

ہوئے انہیں مطلوبہ مال فراہم کیا [۱]

تو کیا حضرت خاتون جنتؑ جناب جابر جتنی بھی صادقُ اللہجہ نہ تھیں؟

۶۔ جب خلیفہ صاحب کے پاس مال بحرین آیا تو ابو بشیر المازنی ان کے پاس گئے اور کہا کہ حضورِاکرمؐ نے فرمایا تھا جب بھی بحرین سے مال آیا تو میں تجھے دوں گا۔ حضرت ابوبکر نے اس کی بات سن کر تین ہتھیلیاں بھر کر انہیں مال دیا۔

تاریخ کا طالب علم اس وقت انتہائی پریشان ہو جاتا ہے کہ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک گم نام صحابی اگر مطالبہ کرے تو اس کی بات کو سچ سمجھا جاتا ہے اور اگر بنتِ رسولؐ اپنا حق مانگیں تو ان سے گواہ طلب کیئے جاتے ہیں اور ستم یہ ہے کہ گواہوں کی گواہی کو بھی ٹھکرا دیا جاتا ہے اور رسول خدا کی خاتون جنت بیٹی کو خالی ہاتھ لوٹا دیا جاتا ہے۔

اگر "لاوارثی" حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے بڑی قباحتیں لازم آئیں گی۔ اس حدیث کے تحت رسول خدا کو ان کے مکان میں دفن نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ رسولِ خدا کی وفات کی وجہ سے ان کا تمام ترکہ صدقہ بن جاتا ہے اور وہ عوامی ملکیت میں بدل جاتا ہے۔ اب جب کہ آپؐ کی وفات ہوئی تو مکان بھی تو صدقہ میں شامل ہو گیا۔ رسول خدا کا اس مکان سے کوئی واسطہ نہیں رہا اور جس مکان سے ان کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو تو اس میں دفن کیئے ہوں گے؟

اور عجیب بات یہ ہے کہ خود حضرت ابوبکر ہی دوسری حدیث کے راوی ہیں کہ "انبیاء کی جہاں وفات ہوتی ہے وہ وہاں ہی دفن ہوتے ہیں" اگر انبیاء اپنی جائے وفات پر دفن ہوتے ہیں تو وہ جگہ ان کی ہوتی ہے یا صدقہ کا مال ہوتا ہے۔

اب اگر وہ مال و ترکہ صدقہ ہوتا ہے تو انبیائے کرام کی وہاں تدفین صحیح نہیں ہے اور اگر تدفین صحیح اور درست ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ان کا ترکہ

---

(۱) صحیح بخاری سوم۔ ص ۱۸۰۔

صدقہ میں تبدیل نہیں ہوتا۔

تعجب ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں جو واضح تناقض و تضاد ہے کیا حضرت ابوبکر کو اپنی ہی بیان کردہ دونوں حدیثوں کے تضاد کا ادراک نہیں ہوا تھا؟

اگر مزید وضاحت کرنا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حدیث پڑھی کہ "نبی جہاں وفات پاتے ہیں۔ اسی جگہ ہی دفن ہوتے ہیں"

تو نبی کی جائے وفات دو میں سے ایک جگہ تو ضرور ہوگی۔

۱۔ یا تو نبی اپنی ملکیت میں وفات پائے گا۔

۲۔ یا کسی غیر کی ملکیت میں وفات پائے گا۔

اگر اپنی ملکیت میں نبی وفات پاتا ہے تو اس کی وفات پر وہ جگہ تو صدقہ بن گئی اور جو چیز مرنے والے سے متعلق ہی نہ ہو اس میں دفن ہونا ہی غلط ہے۔

اگر بالفرض نبی کسی غیر کی زمین پر وفات پاتا ہے تو وہ زمین تو پہلے سے ہی غیر کی ہے اس میں تو دفن ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لہذا اگر لاوارثی حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو پھر ہمیں بتایا جائے کہ آخر انبیاء کو کہاں دفن ہونا چاہیے؟

علاوہ ازیں حضرت ابوبکر کو یہ حق کس نے تفویض کیا تھا کہ وہ رسول خدا کے پہلو میں دفن ہونے کی وصیت کریں۔ جب کہ وہ زمین خود رسول خدا کی ملکیت سے نکل کر صدقہ میں تبدیل ہو چکی تھی؟ اور اس مقام پر یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ حُجرہ حضور اکرمؐ کی ملکیت ہی تھا اور وہ وفات کے بعد بھی "بیتُ النبیؐ" ہی تھا تو بیتُ النبیؐ کے داخلہ کے لئے اللہ نے پہلی شرط یہ عائد کی ہے کہ پہلے نبیؐ سے اجازت لی جائے بعد ازاں ان کے گھر میں قدم رکھا جائے تو کیا حضرت ابوبکر رسول خدا کی زندگی میں ان سے دفن ہونے کی اجازت حاصل کر چکے تھے؟

یا رسولِ خدا اپنی زندگی میں یہ کہہ کر گئے تھے کہ خلیفۂ اول کو میرے پہلو

میں دفن کیا جائے؟

الغرض "لاوارثی" حدیث کو صحیح تسلیم کرنے سے یہ تمام قباحتیں جنم لیتی ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اہل سنت مفسرین نے انبیاء کی میراث حاصل کرنے کی آیات کے متعلق ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا کہ ان آیات سے میراث علمی مراد ہے۔ اور ہماری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آسکی کہ علم و فضل کب سے میراث بنا ہے اگر علم و فضل میراث ہوتا تو ہر عالم باپ کا بیٹا عالم ہوتا اور ہر جاہل باپ کا بیٹا ہمیشہ جاہل ہوتا۔ علم نفس اور علم اجتماع اس مفروضہ کی تردید کرتے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے جناب سیدہؑ کو محروم الارث کر کے بزعم خویش اس حدیث پر عمل کیا جس کے وہ واحد راوی تھے۔

اور اپنی منفرد حدیث پر عمل کرتے وقت عالم اسلام کی اس مستند و موثق حدیث کو بھول گئے جس کی صحت کا انہیں خود بھی اقرار تھا۔

رسول اکرمؐ کی مشہور ترین حدیث ہے۔ "فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّيْ مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِيْ، وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ" (۱)۔

"فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔"

اور حضرت سیدہؑ کو محروم رکھتے وقت حضرت ابوبکر کو ابوالعاص بن ربیع کا واقعہ بھی مدنظر رکھنا چاہیے تھا۔

اس واقعہ کی تفصیل مورخ ابن اثیر نے یوں بیان کی ہے:

"جنگِ بدر کے قیدیوں میں ابو العاص بن ربیع بن عبدالعزی بن عبد شمس بھی تھا۔ یہ شخص زینب بنت خدیجہؓ کا شوہر تھا۔

مکہ کے تمام جنگی قیدیوں نے فدیہ دے کر رہائی حاصل کی۔ زینب بنت

---

(۱) درج بالا حدیث کا مفہوم صحیح بخاری میں موجود ہے۔

خدیجہؑ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لئے اپنا وہ ہار بھیجا جو ان کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے انہیں دیا تھا۔ جب جناب رسول خدؐا نے اس ہار کو دیکھا تو انہیں حضرت خدیجہؑ کی یاد آئی اور خدیجہؑ کی یاد سے بڑے متأثر ہوئے اور مسلمانوں سے فرمایا: اگر تم زینب کے قیدی کو رہا کر سکو اور اس کا بھیجا ہوا فدیہ بھی واپس کر سکتے ہو تو کرو۔ مسلمانوں نے ابوالعاص کو حضرت زینب بنت خدیجہؑ کی وجہ سے رہا کر دیا اور ان کا فدیہ بھی واپس کر دیا۔

فتح مکہ سے پہلے ایک دفعہ ابوالعاص بن ربیع اپنا اور باقی قریش کے چند افراد کا مال لے کر شام جا رہا تھا۔ راستہ میں مسلمانوں کے ایک سریہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ مسلمانوں نے اس کا سامان لوٹ لیا اور جب رات ہوئی تو وہ اپنی بیوی زینب بنت خدیجہؑ کے پاس آگیا۔

اور جب رسول خدؐا نماز صبح کے لئے مسجد جا رہے تھے تو زینب نے آواز دی لوگو! "میں ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے چکی ہوں۔"

رسول خدؐا نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو اس کا مال اسے واپس کر دو۔ یہ میری خواہش ہے اور اگر تم مال واپس نہ کرو پھر بھی تم پر کوئی گناہ نہ ہو گا۔

لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی خواہش کے سامنے ہم اپنی گردن جھکائے دیتے ہیں اور ہم اس کا مال واپس کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے اس کا تمام سامان حتی کہ اس کے ہاتھ کی لکڑی بھی اسے واپس کر دی [1]۔"

درج بالا واقعہ میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ مسلمانوں نے وہ مال غنیمت جو کہ ان کا شرعی حق تھا، وہ بھی رسولِ خدؐا کی پروردہ جناب زینب کی وجہ سے ابوالعاص بن ربیع کو واپس کر دیا۔ اگر خدا نخواستہ بالفرض حضرت ابوبکر یہ سمجھتے تھے کہ حضرت سیدہؑ کی میراث نہیں ہے تو بھی انہیں ابوالعاص کے واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت سیدہؑ کی رضامندی کو مقدم رکھنا چاہیے تھا۔

کیا حضرت ابوبکر کا یہ کردار سنتِ رسولؐ کے مطابق تھا؟

---

(۱) ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ۔ جلد دوم۔ ص ۹۳۔ ۹۴۔

سقیفائی حکومت کا دُوسرا چہرہ

ب۔ حضرت عمر بن الخطاب

اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ وَاِنَّهٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَایَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ فَسَدَلْتُ دُوْنَهَا ثَوْبًا وَطَوَیْتُ عَنْهَا کَشْحًا وَطَفِقْتُ ارْتَایُ بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّاءَ اَوْ اَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَةٍ عَمْیَاءَ یَهْرَمُ فِیْهَا الْکَبِیْرُ وَیَشِیْبُ فِیْهَا الصَّغِیْرُ وَیَکْدَحُ فِیْهَا مُؤْمِنٌ حَتّٰی یَلْقٰی رَبَّهٗ فَرَاَیْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰی هَاتَا اَحْجٰی فَصَبَرْتُ وَفِی الْعَیْنِ قَذًی وَفِی الْحَلْقِ شَجًا اَرٰی تُرَاثِیْ نَهْبًا حَتّٰی مَضَی الْاَوَّلُ لِسَبِیْلِهٖ فَاَدْلٰی بِهَا اِلَی ابْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَهٗ ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الْاَعْشٰی:

شَتَّانَ مَا یَوْمِیْ عَلٰی کُوْرِهَا　　وَیَوْمَ حَیَّانَ اَخِیْ جَابِرِ

فَیَا عَجَبًا بَیْنَا هُوَ یَسْتَقِیْلُهَا فِیْ حَیَاتِهٖ اِذْ عَقَدَهَا لِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَیْهَا [1]۔

خدا کی قسم! فرزندِ ابو قحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا۔ حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہ بلند) ہوں جس پر سے سیلاب کا پانی گذر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں، جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے

---

(۱) نہج البلاغہ۔ خطبہ شقشقیہ۔

پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ لہذا میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھوں میں غبار اندوہ کی خلش تھی اور حلق میں غم و رنج کے پھندے لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا۔ پھر حضرت نے بطور تمثیل اعشیٰ کا یہ شعر پڑھا:

"کہاں یہ دن جو ناقہ کی پالان پہ کٹتا ہے اور کہاں وہ دن جو حیان برادر جابر کی صحبت میں گزرتا تھا۔"

تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لیے استوار کرتا گیا۔ بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا۔"

بے شک ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر کی محنت سے جو خلافت حضرت ابوبکر کو ملی تھی۔ انہوں نے وہ خلافت حضرت عمر کے حوالے کی۔

حضرت عمر کی نامزدگی سے پہلے انہوں نے حضرت عثمان بن عفان اور عبدالرحمن بن عوف کو بلایا اور ان سے حضرت عمر کی باقاعدہ نامزدگی کے لیے مشورہ طلب کیا۔ تو عبدالرحمان بن عوف نے کہا "آپ اس کے متعلق جو سوچتے ہیں وہ اس سے بھی بہتر ہیں۔" عبدالرحمان یہ جانتے تھے کہ خلیفۂ اول کے دَوْر میں بھی مرکزی کردار حضرت عمر ہی ادا کرتے رہے۔ جب کہ وہ حضرت ابوبکر کے تصورات سے بھی زیادہ بہتر تھے یعنی چہ معنی دارد؟ اور حضرت عثمان بن عفان کا جواب یہ تھا کہ "ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے اور ہماری بزم میں ان جیسا کوئی اور نہیں ہے۔"

اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے بالکل بجا فرمایا ہے کیونکہ سقیفائی حکومت کے کرداروں میں خلیفۂ ثانی لاجواب شخصیت کے حامل تھے۔

ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ ان دونوں مشیروں نے یہ مشورہ اپنے ضمیر کی آواز پر دیا تھا یا خلیفہ صاحب کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے انہوں نے یہ مشورہ دیا تھا؟

خلیفۂ اول کی حضرت عمر کے لئے وصیت

بہر نوع حضرت ابوبکر نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ حضرت عمر کی نامزدگی کی وصیت تحریر کریں۔

مؤرخین رقم طراز ہیں کہ حضرت ابوبکر اپنی وصیت تحریر کراتے گئے اور حضرت عثمان لکھتے گئے۔ ابھی حضرت عمر کا نام تحریر نہیں ہوا تھا کہ وہ بے ہوش ہوگئے اور حضرت عثمان نے اپنی فہم و فراست سے حضرت عمر کا نام تحریر کردیا اور جب حضرت ابوبکر کو ہوش آیا تو حضرت عثمان نے انہیں حضرت عمر کا نام پڑھ کر سنایا جسے حضرت ابوبکر نے درست قرار دیا اور مذکورہ نام لکھنے پر حضرت عثمان کو آفرین و تحسین کہی۔

۱۔ آج تک ہم سے یہ فیصلہ نہیں ہوسکا کہ حضرت عثمان نے متوفی کی وصیت میں از خود حضرت عمر کا نام داخل کیوں کیا؟

۲۔ اور کیا یہ کارنامہ ان کی اولیات میں شمار کیا جائے گا؟

۳۔ اور کیا اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ حضرت ابوبکر اسی بے ہوشی کے دورہ سے ہی جانبر نہیں ہوئے تھے تو اس وصیت نامہ کی شرعی حیثیت کیا قرار پائے گی؟

۴۔ حضرت عمر کی نامزدگی کے لئے پوری جماعت صحابہ میں سے صرف دو افراد کو ہی مشورہ کے قابل کیوں سمجھا گیا؟

۵۔ ان دونوں بزرگواروں میں آخر وہ کون سی خاصیت تھی جس سے دوسرے صحابہ محروم تھے؟

۶۔ حضرت ابوبکر کے اس اقدام کے متعلق یہ کہہ کر امتِ اسلامیہ کو مطمئن

کردیا جاتا ہے کہ انہوں نے امت اسلامیہ کی ہمدردی کے لئے ایسا کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا رسولِ خدا کو اپنی امت سے اتنی ہمدردی بھی نہ تھی جتنی حضرت ابوبکر کو تھی ؟

۷۔ حضرت ابوبکر عالم نزع میں حضرت عمر کی نامزدگی تحریر کرائیں وہ تو درست ہے اور اگر جناب رسولِ خدؐا اپنے مرض موت میں کوئی وصیت نامہ تحریر کرانا چاہیں تو اسے ہذیان کہا جائے ؟

۸۔ اگر سیکڑوں برس بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جسارت کرے کہ وہ وصیت نامہ حضرت ابوبکر کی بے ہوشی اور ہذیان کی حالت میں تحریر کیا گیا تھا۔ تو کیا ایسا کہنے والے شخص کو دین اسلام کا دوست کہا جائے گا یا دشمن ؟ اور اس کے ساتھ امت اسلامیہ یہ فیصلہ بھی کرے کہ اگر کوئی شخص یہی الفاظ رسولِ خدا کے متعلق کہے تو اس کے لئے کیا کہا جائے ؟

۹۔ حضرت ابوبکر و عمر کا نظریہ یہ تھا کہ رسولِ خدؐا نے کسی کو خلافت کے لئے نامزد نہیں کیا تھا اور اگر حضرت ابوبکر بھی رسولِ خدؐا کی پیروی کرتے ہوئے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کرتے تو کیا یہ عمل سنت رسولؐ کی اتباع نہ کہلاتا ؟

۱۰۔ اگر حضرت علیؑ کے لئے مشورہ کرلیا جاتا اور اس کے لئے مہاجرین و انصار سے رائے طلب کی جاتی تو اس میں آخر کیا قباحت تھی ؟

ان تمام سوالات کا سادہ سا اور حقیقت پسندانہ جواب یہی ہے کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانے میں حضرت عمر نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

حضرت ابوبکر اس طرح سے حضرت عمر کے مقروض احسان تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ قرض اپنی وفات کے وقت ادا کردیا۔

شوریٰ

" حَتّٰی اِذَا مَضَی الثَّانِیْ لِسَبِیْلِهٖ جَعَلَهَا فِیْ جَمَاعَةٍ زَعَمَ اَنِّیْ اَحَدُهُمْ فَیَا لَلّٰهِ وَلِلشُّوْرٰی حَتّٰی اعْتَرَضَ الرَّیْبُ فِیَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْهُمْ حَتّٰی صِرْتُ اُقْرَنُ اِلٰی هٰذِهِ النَّظَائِرِ لٰكِنِّیْ اَسْفَفْتُ اِذَا اَسَفُّوْا وَطِرْتُ اِذَا طَارُوْا ۔ فَصَغٰی رَجُلٌ مِّنْهُمْ لِضَغْنِهٖ وَمَالَ الْاٰخَرُ لِصِهْرِهٖ مَعَ هَنٍ وَّهَنٍ ." (الامام علی بن ابی طالبؑ)

اور دوسرا جب جانے لگا تو خلافت کو ایک جماعت میں محدود کرگیا۔ اور مجھے بھی اسی جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ اے اللہ مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق و فضیلت میں کب شک تھا جو اب ان لوگوں میں بھی شامل کرلیا گیا ہوں۔ مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہوکر اُڑنے لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں۔ یعنی حتیٰ الامکان کسی نہ کسی صورت سے نباہ کرتا رہوں۔ ان میں سے ایک شخص تو کینہ و عناد کی وجہ سے مجھ سے منحرف ہوگیا اور دوسرا دامادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا[1] ۔"

ابن اثیر عمر بن میمون کی زبانی شوریٰ کی داستان یوں بیان کرتے ہیں:۔

" جب حضرت عمر قاتلانہ حملہ کی وجہ سے زخمی ہوئے تو انہیں کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین بنائیں۔ تو انہوں نے کہا میں کسے اپنا جانشین بناؤں ؟

اگر آج ابوعبیدہ زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین بناتا اور اپنے رب کے حضور عرض کرتا کہ پروردگار میں اسے اپنا جانشین بناکر آیا ہوں جس کے متعلق میں نے تیرے حبیبؐ سے سنا تھا کہ ابوعبیدہ میری امت کا امین ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ۔ خطبہ شقشقیہ سے اقتباس۔

اور اگر آج سالم مولیٰ حُذَیْفَہ زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین بناتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں عرض کرتا کہ خداوندا ! میں اسے جانشین بنا کر آیا جس کے متعلق میں نے تیرے رسولؐ سے سنا تھا کہ سالم اللہ سے بڑی محبت کرنے والا ہے [۱] ۔"

ہاں ہمیں بھی یقین ہے کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو حضرت عمر انہیں ہی خلیفہ بناتے ۔ شاید امین امت کی وجہ سے تو نہ بناتے البتہ اس لئے انہیں خلیفہ ضرور بناتے کہ وہ ان کے ساتھ سقیفہ میں شامل تھے اور اگر ایسا ہوتا تو خلفائے راشدین کی تعداد بھی آج چار کی بجائے پانچ ہوتی ۔ بشرطیکہ خلافت اگر حضرت علیؑ کو ملتی ۔

تاریخ کا طالب علم اس روایت کو دیکھ کر انتہائی متعجب ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی زندگی کے آخری لمحات میں تو مسلمانوں نے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ہمیں بے وارث چھوڑ کر مت جائیں لیکن رسولِ خدا کی خدمت میں کسی نے یہ درخواست نہیں کی کہ آپ بھی اپنا جانشین بنا کر جائیں !

اور اہل سنت کے نظریہ کے مطابق جناب رسول خداؐ کو امت کے مستقبل کی کوئی فکر ہی نہیں تھی ۔ اسی لئے انہوں نے خلیفہ کا انتخاب امت کے افراد کے کاندھوں پہ ڈال دیا تھا اور انہیں اس بات سے قطعاً سروکار نہ تھی کہ اس حساس مسئلہ کی وجہ سے امت میں کتنی خوں ریز لڑائیاں ہوں گی اور امت کتنے فرقوں میں بٹ جائے گی ۔

ہاں اللہ بھلا کرے شیخین حضرات کا کہ انہوں نے اس مسئلہ کا بروقت ادراک کرلیا تھا اور امت کو ممکنہ تباہی سے بچالیا ۔ اگر ابوعبیدہ بن جرّاح یا سالم مولیٰ حُذَیْفَہ اتنے ہی لائق و فائق تھے تو حضرت عمر نے سقیفہ میں انہیں خلیفہ کیوں نہ بنالیا تھا ؟ اور ان کا حق تھا کہ انصار سے کہتے کہ تم ابوعبیدہ کی بیعت کرو اور سب

(۱) ابن اثیر ۔ الکامل فی التاریخ ۔ جلد سوم ۔ ص ۳۴ ۔

سے پہلے میں بھی اس کی بیعت کرتا ہوں کیونکہ رسولِ خدا نے انہیں اس امت کا امین فرمایا تھا ؟

یا ان کی بجائے سالم مولیٰ حُذَیْفَہ کی بیعت کرلیتے اور فرماتے کہ یہ اللہ سے شدید محبت رکھنے والے بزرگ ہیں ؟

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ رسولِ خدا نے تو ابوعبیدہ کو " امینُ الامت " قرار دیا تھا جب کہ حضرت ابوبکر کے لئے اس قسم کا کوئی لقب موجود نہ تھا تو پھر افضل کو چھوڑ کر مفضول کی بیعت کیوں کی گئی ؟ اور اگر سقیفہ میں یہ کارخیر نہ ہوسکا تھا تو حضرت ابوبکر جب حضرت عمر کو نامزد کر رہے تھے تو حضرت عمر کا حق تھا کہ وہ خلیفہ اول کی خدمت میں عرض کردیتے کہ آپ میری بجائے ابوعبیدہ کو اپنا جانشین مقرر فرمائیں کیونکہ وہ " امینُ الامت " ہیں ۔

علاوہ ازیں حضرت عمر نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اگر سالم زندہ ہوتے تو میں آج انہیں اپنا جانشین بناتا ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں ایک حدیث پڑھی تھی اور اسی کی وجہ سے انصار کے لئے خلافت کو شجرۂ ممنوعہ قرار دیا تھا ۔ اس حدیث کے الفاظ یہ تھے ۔ " اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ " امام قریش سے ہوں گے ۔

تو کیا حضرت سالم کا تعلق بھی قریش سے تھا ؟

اگر نہیں تھا تو حضرت عمر نے ان کی خلافت کیلئے اپنی حسرت کا اظہار کیوں فرمایا تھا ؟

اگر سالم کا تعلق قریش سے نہ تھا تو حضرت عمر کی اس حسرت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے لئے قریشی ہونا غیر ضروری ہے تو کیا اس صورت میں دونوں خلفاء کا موقف جداگانہ نہ تھا ؟ اور اگر دونوں خلفاء کا موقف الگ الگ تھا تو ان میں سے کس کا موقف صحیح تھا اور کس کا موقف غلط تھا ؟

حضرت سالم کے خلیفہ بنانے کی حسرت اس لئے تھی کہ وہ اللہ سے شدید محبت رکھتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استحقاق خلافت صرف اسے حاصل ہے جو اللہ سے شدید محبت رکھتا ہو۔

آیا حضرت عمر کے ذہن سے اس وقت یہ حدیث محو ہوچکی تھی جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔

" لَاُعْطِیَنَّ هٰذِهِ الرَّایَةَ غَداً رَجُلاً یُّحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ یَفْتَحِ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ۔"

کل میں یہ علَم اسے عطا کروں گا جو مرد ہوگا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا ہوگا اور اللہ اور رسولؐ کا محبوب ہوگا، اللہ اس کے ہاتھ پر خیبر فتح کرے گا [۱]۔

اس حدیث میں رسول خدؐا نے حضرت علیؑ کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مُحب ہیں اور اللہ اور رسولؐ کے محبوب ہیں۔ حضرت سالم کے متعلق تو صرف یہی حدیث تھی کہ وہ مُحبِّ خدا ہیں لیکن ان کے محبوب خدا ہونے کی گواہی کسی حدیث میں نہیں ملتی۔ جب سالم صرف محب خدا ہونے کی وجہ سے مستحق خلافت قرار پائے تو علیؑ جو کہ محب خدا بھی تھے اور محبوب خدا بھی تھے انہیں حضرت عمر نے اپنا خلیفہ نامزد کیوں نہ کیا؟ بہر نوع حضرت عمر نے ایک شوریٰ تشکیل دی جس میں حضرت علیؑ، حضرت عثمان، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمان بن عوف اور زبیر بن عوام کے ساتھ طلحہ بن عبیداللہ کو شامل کیا گیا، اور ان سے فرمایا میری وفات کے بعد تم تین دن مشورہ کرنا اور اسی دوران صہیب لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ چوتھے دن تمہارا امیر ضرور ہونا

(۱) صحیح مسلم۔ جلد دوم۔ ص ۲۲۴۔

چاہئے۔ میرا بیٹا عبداللہ بن عمر تمہارے اجلاس میں بطور مشیر شریک ہوگا لیکن اس کا خلافت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ بعد ازاں حضرت عمر نے ابو طلحہ انصاری کو بلاکر فرمایا کہ:۔ " تم پچاس افراد کا گروہ لے کر افراد شوریٰ کی نگہبانی کرتے رہنا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ کسی کو اپنا میر بنالیں۔"

اس کے بعد مقداد بن اسود کو بلاکر فرمایا کہ:۔

" میری تدفین کے بعد تم ان لوگوں کو اکٹھا کرنا یہاں تک کہ وہ اپنا حاکم مقرر کرلیں۔ اگر پانچ افراد ایک رائے پر جمع ہوں اور ایک انکار کر رہا ہو تو تم تلوار سے اس کا سر قلم کردینا اور اگر چار ایک رائے ہوں اور دو مخالف ہوں تو دو کے سر قلم کردینا اور اگر ایک طرف بھی تین افراد ہوں اور دوسری طرف بھی تین ہوں تو میرے فرزند عبداللہ بن عمر کو حکم بنالینا، اور اگر وہ لوگ میرے فرزند کے فیصلہ کو قبول نہ کریں تو جس طرف عبدالرحمان بن عوف ہوں، تم اسی کی حمایت کرنا، اور دوسرے تین افراد کو قتل کردینا۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس مقام پر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جائیں اور سوچیں کہ حضرت عمر نے اپنی وصیت میں فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب میری تدفین کے بعد کیا جائے۔ تو کیا حضرت عمر نے رسولِ خدا کی وفات کے وقت بھی ایسا ہی کیا تھا؟

جب کہ اسلامی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ رسول خدؐا کا جسدِ اطہر ابھی گھر میں ہی موجود تھا کہ سقیفہ کی کارروائی شروع ہوگئی۔

تو جو شخصیت خلیفہ کے انتخاب کو اتنا اہم تصور کرتی تھی کہ رسولِ خدا کی تدفین پر بھی اسے فوقیت حاصل ہے۔ اپنی باری آنے پر انہیں سقیفائی تعجیل کا حکم کیوں نہ دیا؟

یہ ایک جملۂ معترضہ تھا۔ اب واقعات تاریخ کی جانب آئیں۔ اسکے بعد

حضرت عمر کی وفات ہوگئی اور صُہیب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ۔ جب حضرت عمر دفن ہوگئے تو مقداد نے اصحابِ شوریٰ کو جمع کیا جن میں طلحہ غیر حاضر تھے ۔

شوریٰ کی کارروائی

شوریٰ کی کارروائی شروع ہوئی ۔ عبدالرحمان بن عوف نے کہا :۔ "تم میں سے کوئی ہے جو اپنے آپ کو خلافت سے علیحدہ کرلے اور اپنے سے بہتر شخص کا انتخاب کرے ۔" عبدالرحمان کی تجویز پر کسی نے بھی لبیک نہ کی ۔ انہوں نے خود کہا کہ میں اپنے آپ کو خلافت سے علیحدہ کررہا ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا:۔ "میں تمہارے اس اقدام کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہوں ، باقی لوگوں نے کہا کہ ہم بھی عبدالرحمان کے اس کام پر راضی ہیں ۔ اس دوران علیؑ خاموش بیٹھے یہ سب دیکھتے اور سنتے رہے ۔ عبدالرحمان نے حضرت علیؑ سے کہا :۔ ابوالحسن ! آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا ! "پہلے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم حق کو ترجیح دوگے اور خواہشات کی اتباع نہ کروگے اور امت اسلامیہ کی پوری خیر خواہی کروگے ۔"

"عبدالرحمان بن عوف نے ان باتوں کا حضرت علیؑ سے وعدہ کرلیا [1] ۔"

اس طویل بحث و مباحثہ کے بعد ابن عوف نے حضرت علیؑ کی طرف دیکھ کر کہا کہ:۔ "میں آپ کی بیعت کرتا ہوں اس کے لئے آپ کو اللہ کی کتاب ، رسولِ خدؐا کی سنت اور سیرتِ شیخین پر عمل کرنا ہوگا ۔

حضرت علیؑ نے فرمایا :۔ "میں اللہ کی کتاب اور سنت رسولؐ اور اپنے ذاتی اجتہاد پر عمل کروں گا ۔"

اس کے بعد عبدالرحمان بن عوف نے حضرت عثمان سے کہا کہ میں آپ کی بیعت کرتا ہوں مگر آپ کو اللہ کی کتاب ، سنتِ رسولؐ اور سیرتِ شیخین

(۱) ابن اثیر ۔ الکامل فی التاریخ ۔ جلد سوم ۔ ص ۳۵ ۔ ۳۶ ۔

پر عمل کرنا ہوگا ۔ انہوں نے کہا مجھے یہ تینوں شرائط منظور ہیں ۔

عبدالرحمان بن عوف نے تین مرتبہ حضرت علیؑ کے سامنے اپنی شرائط پیش کیں لیکن حضرت علیؑ نے ہر مرتبہ سیرت شیخین ماننے سے انکار کردیا ۔

جب عبدالرحمان کو یقین ہوگیا کہ علیؑ سیرتِ شیخین کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو اس نے حضرت عثمان کی بیعت کرلی اور کہا :۔ " اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔"

یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے فرمایا مجھے علم تھا کہ تجھے خلیفہ گر کا کردار اسی لئے سونپا گیا تھا اور تونے پہلے سے طے شدہ منصوبہ پر حرف بحرف عمل کیا [1]

چند سوال

اس مقام پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ

۱ ۔ کیا عبدالرحمان نے اتفاقی طور پر حضرت عثمان کی بیعت کی تھی یا پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت انہوں نے ایسا کیا تھا ؟

۲ ۔ کیا سیرتِ شیخین کا لاحِقہ شامل کرنے کا مقصد حضرت علیؑ کو خلافت سے علیحدہ کرنا تھا یا اس کا کوئی اور مقصد بھی تھا ؟

اس مقام پر ہم شوریٰ پروارد ہونے والے سوالات سے قبل دو امور کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں :

۱ ۔ مؤرخ طبری رقم طراز ہیں کہ "جب حضرت عمر زخمی تھے تو انہیں ابوعبیدہ اور سالم کی بے وقت موت کا شدید احساس تھا اور بار بار اس حسرت کا انہوں نے ذکر بھی کیا کہ کاش اگر وہ زندہ ہوتے تو ان میں سے کسی ایک کو خلافت کی مسند پر متمکن کر دیتے ۔ صحابہ کی ایک جماعت ان کی عیادت کیلئے آئی، ان میں حضرت

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد اول ۔ ص ۶۷۰۵۰ ۔

علیؑ بھی موجود تھے ۔ حضرت عمر نے عیادت کرنے والوں سے کہا : میں چاہتا تھا کہ میں کسی ایسے شخص کو حاکم بنا کر جاؤں جو تم لوگوں کو حق کی راہ پر چلا سکے ۔ یہ کہہ کر انہوں نے علیؑ کی طرف اشارہ کیا ۔

پھر مجھے نیند آئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص باغ میں داخل ہوا اور اس میں پودے لگائے اور پودوں پر لگنے والے پھولوں کو اس نے چن چن کر اپنے پاس رکھنا شروع کیا۔ اس خواب کی تعبیر میں نے یہ لی کہ اللہ عنقریب عمر کو موت دینے والا ہے ۔

اب میں زندہ اور مردہ تمہارا بوجھ کیسے اٹھا سکتا ہوں ؟ لہذا اب تم میرے بعد اس گروہ میں سے خلیفہ کا انتخاب کرنا جنہیں رسولِ خداؐ نے جنت کی بشارت دی تھی ۔

سعد بن زید بن عمرو بن نفیل بھی انہیں لوگوں میں شامل ہے ۔ لیکن میں اسے خلافت کے امیدواروں میں داخل نہیں کرنا چاہتا ۔ ویسے میرا خیال یہ ہے کہ حکومت عثمان یا علیؑ میں سے کسی ایک کو ملے گی ۔

اگر عثمان حاکم بن گئے تو ان میں نرمی بہت ہے ۔

اور اگر علیؑ حاکم بن گئے تو ان میں مزاح ہے لیکن وہ لوگوں کو حق پر چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں (۱) ۔"

ارکانِ شوریٰ کے متعلق حضرت عمر کی رائے

۲ ۔ ایک اور مؤرخ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک دفعہ طلحہ ، زبیر ، سعد ، عبدالرحمان ، عثمان اور علیؑ کو بلایا اور کہا :

زبیر ! تو کیا چیز ہے ؟ ایک دن انسان ہے اور دوسرے دن شیطان ہے ۔

(۱) مؤرخ طبری ۔ تاریخ الامم والملوک ۔ جلد دوم ۔ ص ۳۴،۳۵ ۔

طلحہ ! تو کیا ہے ؟ رسولِ خدا تیری اس گفتگو کی وجہ سے تجھ سے وقت وفات تک ناراض تھے اور تیری گفتگو کی وجہ سے ہی ازواج محمدؐ کے ساتھ نکاح کی حرمت والی آیت نازل ہوئی ۔

ایک اور دوسری روایت کے لفظ یہ ہیں :

طلحہ ! کیا تو وہی شخص نہیں ہے جس نے یہ کہا تھا کہ اگر محمدؐ کی وفات ہو گئی تو میں ان کی بیویوں سے شادی کروں گا ۔ اللہ نے محمدؐ کو ہماری چچا زاد لڑکیوں کا ہم سے زیادہ وارث نہیں بنایا ۔ اور تیری اسی گستاخی کی وجہ سے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی :۔ "وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا " تمہیں رسولِ خدا کو اذیت نہیں دینی چاہیے اور نہ ہی ان کی بیویوں سے تم کبھی نکاح کر سکتے ہو (۱) ۔

" ہمارے شیخ ابو عثمان جاحظ کہا کرتے تھے کہ کاش اس وقت کوئی شخص حضرت عمر سے کہہ دیتا کہ جب ان ہستیوں کی حقیقت یہ تھی تو پھر آپ نے ان کے متعلق یہ کیوں فرمایا تھا کہ رسول خدا بوقت وفات ان سے راضی تھے ؟ اور اگر ایسا ہوتا تو یقیناً حضرت عمر لاجواب ہوجاتے ۔

بعد ازاں سعد بن ابی وقاص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا : تو تو لوٹنے والی جماعت کا امیر ہے ، تو ایک شکاری شخص اور تیر کمان سے کھیلنے والا انسان ہے ۔ قبیلہ زہرہ کا خلافت اور عوام کے امور سے کیا تعلق ہے ؟

پھر عبدالرحمان بن عوف کی جانب متوجہ ہو کر کہا : " جس شخص میں تمہاری جتنی کمزوری پائی جائے وہ خلافت کے لئے ناموزوں ہوتا ہے ۔ اور پھر "زہرہ" کا خلافت سے تعلق ہی کیا ہے ؟"

پھر علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا : اگر تمہارے اندر مزاح نہ ہوتی

(۱) الاحزاب ۔ ۵۳ ۔

تو خدا کی قسم! تم ہی خلافت کے حق دار تھے ۔ خدا کی قسم! اگر تم حاکم بن گئے تو لوگوں کو واضح اور روشن راہ پر چلاؤ گے ۔

پھر حضرت عثمان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا : میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ قریش تمہیں حاکم بنا لیں گے اور تم کنبہ پرور انسان ہو ۔ تم بنی امیہ اور ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرو گے اور مسلمانوں کا بیت المال ان کے ہی حوالہ کر دو گے [۱] ۔"

بزمِ شوریٰ میں حضرت علیؑ کا احتجاج

اس موقعہ پر حضرت علیؑ نے ارکان شوریٰ کے سامنے اپنے حق کے اثبات کے لئے ایک طویل احتجاج فرمایا اور ان سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا :

" میں تمہیں اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں جو تمہارے صِدق و کِذب سے باخبر ہے ۔ مجھے بتاؤ کہ

۱ ۔ تمہارے اندر میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بھائی کو اللہ نے جنّت میں دو پَر دیئے ہیں؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا نہیں ۔

۲ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کا چچا سَیِّدُ الشہداء ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا نہیں ۔

۳ ۔ کیا میرے علاوہ کسی کی زوجہ سیدۃ نساءِ العالمینؑ ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا نہیں ۔

۴ ۔ کیا میرے علاوہ کسی کے بیٹوں کو رسول اللہؐ کا بیٹا اللہ نے قرار دیا ہے؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا نہیں ۔

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد سوم ۔ ص ۱۷۰۔

۵ ۔ کیا تم میں سے کسی کے بیٹے جوانانِ جنت کے سردار ہیں ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا نہیں ۔

۶ ۔ کیا تم میں مجھ سے زیادہ کوئی قرآن کے ناسخ و منسوخ کا عالم ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا نہیں ۔

۷ ۔ کیا تم میں سے کسی کے لئے آیتِ تطہیر نازل ہوئی ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا نہیں ۔

۸ ۔ کیا میرے علاوہ کبھی تم نے بھی جبریلِ امین کو دِحیۂ کلبی کی صورت میں دیکھا ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۹ ۔ کیا میرے علاوہ کسی کے لئے " مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ " کا اعلان کیا گیا ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۰ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کو رسولِ خدؐا نے اپنا بھائی بنایا ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۱ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی خندق کا فاتح ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۲ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کو ہارونِ محمدی کا اعزاز نصیب ہوا ہے؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۳ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے اللہ نے قرآن کی دس آیات میں " مؤمن " کہا ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۴ ۔ کیا میرے علاوہ شبِ ہجرت رسولِ خدؐا کے بستر پر تم میں سے کوئی سویا تھا؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۵ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ جنگِ اُحُد کے دن اس کے ساتھ فرشتے کھڑے ہوں ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۶ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس کی گود میں رسولِ خدا کی وفات ہوئی ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۷ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس نے رسولِ خدا کو غسل دیا ہو اور ان کی تجہیز و تکفین کی ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۸ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے پاس رسولِ خدا کا اسلحہ ، عَلَم اور انگشتری ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۱۹ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے رسولِ خدا نے اپنے کندھوں پر سوار کیا ہو اور اس نے بُت توڑے ہوں ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۰ ۔ کیا میرے علاوہ ہاتفِ غیبی نے کسی کے لئے " لَافَتٰی اِلَّاعَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَار " کی ندا کی ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۱ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس نے حضورؐ کے ساتھ بھنے ہوئے پرندے کا گوشت کھایا ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۲ ۔ کیا میرے علاوہ کسی اور کے لئے رسولِ خدا نے کہا تھا کہ تو دنیا اور

آخرت میں میرا علم دار ہوگا ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۳ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی نے آیتِ نجویٰ پر عمل کیا تھا ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۴ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کو رسولِ خدا کا " خَاصِفُ النَّعْل " ہونے کا شرف حاصل ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۵ ۔ کیا میرے علاوہ رسولِ خدا نے کسی اور کے لئے کہا تھا کہ تو مجھے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے اور میرے بعد سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۶ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس نے سو کھجوروں کے عوض پانی کے سو ڈول نکال کر وہ کھجوریں رسولِ خدا کو کھلائی ہوں ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۷ ۔ میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے بدر کے دن تین ہزار ملائکہ نے سلام کیا ہو؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۸ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی مُسلمِ اول بھی ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۲۹ ۔ کیا میرے علاوہ تمہارے اندر کوئی ایسا ہے کہ رسولِ خدا جس کے گھر سے سب سے آخر میں نکلتے اور سب سے پہلے اس کے گھر جاتے ہوں ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۳۰ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ہے جس کے متعلق نبی اکرمؐ نے فرمایا ہو "تو ہی میرا پہلا مُصَدِّق ہے اور حوضِ کوثر پر تو ہی میرے پاس سب سے پہلے آئے گا؟"

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۱ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس کے افراد خاندان کو رسولِ خدا مُباہلہ میں لے گئے ہوں ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۲ ۔ کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دی ہو اور اللہ نے اس کے حق میں اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کی آیت نازل فرمائی ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۳ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسکے متعلق سورۃ دہر نازل ہوئی ہو؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۴ ۔ کیا میرے علاوہ تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جس کے متعلق اللہ نے "اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِّ وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ جَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَایَسْتَوٗنَ عِنْدَاللّٰہِ " کی آیت نازل کی ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۵ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے رسولِ خدا نے ایسے ایک ہزار کلمات تعلیم کئے ہوں کہ ان میں سے ہر کلمہ ایک ہزار کلمات کی چابی ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۶ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے ساتھ رسولِ خدا نے سرگوشی کی ہو اور معترضین کو یہ کہہ کر خاموش کیا ہو کہ " میں نے اس سے سرگوشی نہیں بلکہ اللہ نے کی ہے ؟"

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۷ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے لئے پیغمبرؐ نے فرمایا ہو "اَنْتَ وَشِیْعَتُكَ الْفَآئِزُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۸ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا ہو۔ " وہ جھوٹا ہے جو گمان کرے کہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور علیؑ سے بغض رکھتا ہے ؟"

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۳۹ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا ہو " جو میرے ٹکڑوں سے محبت کرے اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی ۔" آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے ٹکڑے کون ہیں تو فرمایا :۔ وہ علیؑ ، فاطمہؑ ، حسنؑ اور حسینؑ ہیں ۔

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۰ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے نبی اکرمؐ نے فرمایا ہو "اَنْتَ خَیْرُ الْبَشَرِ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ" ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۱ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے رسولِ خدا نے حق و باطل کا میزان قرار دیا ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۲ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے رسولِ خدا نے چادر تطہیر میں داخل کیا ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۳ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جو غارِ ثور میں رسالت مآبؐ کے لئے کھانا لے کر جاتا ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۴ ۔ کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا ہو

"اَنْتَ اَخِیْ وَوَزِیْرِیْ وَصَاحِبِیْ مِنْ اَھْلِیْ" ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۵ ۔ کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا ہو "اَنْتَ اَقْدَمُھُمْ سِلْمًا وَّاَفْضَلُھُمْ عِلْمًا وَّاَکْثَرُھُمْ حِلْمًا" ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۶ ۔ کیا تم میں سے میرے علاوہ کسی نے مَرحب یہودی کو قتل کیا تھا ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۷ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ہے جس نے خیبر کے ایسے وزنی دروازے کو جسے چالیس انسان مل کر حرکت دیتے تھے ، اکھاڑا ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۸ ۔ کیا میرے علاوہ کسی کے سب وشتم کو رسول خدا نے اپنی ذات پر سب وشتم قرار دیا ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۴۹ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کی منزل جنت کے متعلق رسول خدا نے کہا ہو کہ تمہاری منزل میری منزل کے متصل ہوگی ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۰ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسول کریمؐ کا فرمان ہو کہ تو بروزِ قیامت عرش کے داہنی جانب ہوگا اور اللہ تجھے دو کپڑے پہنائے گا ایک سبز ہوگا اور دوسرا گلابی ہوگا ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۱ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس نے تمام لوگوں سے سات برس قبل نماز پڑھی ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۲ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کی محبت کو رسولِ خدا نے اپنی محبت اور جس کی عداوت کو اپنی عداوت قرار دیا ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۳ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کی ولایت کی تبلیغ اللہ نے اپنے رسولؐ پر فرض کی ہو ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۴ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کو رسولِ خدا نے "یَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ" کہا ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۵ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کے لئے رسولِ خدا نے "لَاَبْعَثَنَّ اِلَیْکُمْ رَجُلًا اِمْتَحَنَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ لِلْاِیْمَانِ" کہا ہے ؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۶ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کو رسولِ خدا نے جنّت کا انار کھلایا تھا؟

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۷ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے لئے رسولِ خدا نے فرمایا ہو " میں نے اپنے رب سے جو طلب کیا اس نے مجھے عطا کیا اور میں نے جو کچھ اپنے لئے طلب کیا وہی کچھ تیرے لئے طلب کیا ؟"

ارکانِ شوریٰ نے کہا :۔ نہیں ۔

۵۸ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کے لئے رسولِ خدا نے فرمایا کہ " تو امر خداوندی پر قائم رہنے والا اور عہد خداوندی کو نبھانے والا اور تقسیم میں مساوات کا خیال رکھنے والا اور اللہ کی نظر میں زیادہ رتبہ والا ہے ؟"

ارکان شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۵۹ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ہے جس کے متعلق رسول اکرمؐ نے فرمایا ہو کہ " اس امت میں مجھے وہی برتری حاصل ہے جو سورج کی چاند پر اور چاند کی دوسرے ستاروں پر ہے ؟"

ارکان شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۶۰ ۔ کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے دوست کو جنت اور دشمن کو دوزخ کی بشارت دی گئی ہو ؟

ارکان شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۶۱ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسول خدا نے کہا ہو " لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور تو ایک ہی درخت سے ہیں ؟"

ارکان شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۶۲ ۔ کیا تم میں سے کسی کو رسولِ خدا نے " سیّدُ العرب " فرمایا ہے ؟

ارکان شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۶۳ ۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کا جبرئیل مہمان بنا ہو ؟

ارکان شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۶۴ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس نے سورۃ براءت کی تبلیغ ہو؟

ارکان شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

۶۵ ۔ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی جنت اور دوزخ کے بانٹنے والا ہے ؟

ارکان شوریٰ نے کہا ۔ نہیں ۔

اسکے بعد آپ نے ارکان شوریٰ سے فرمایا جب تم میرے یہ فضائل جانتے ہو تو حق کو چھوڑ کر باطل کی پیروی نہ کرو ۔ لیکن عبدالرحمان بن عوف اور اسکے ساتھیوں نے حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کردیا ۔ (الاحتجاج ۔ من المترجم عفی عنہ)

مجلس شُوریٰ کا تجزیہ

شوریٰ اور شوریٰ ممبران کے متعلق آپ نے حضرت عمر کے نظریات ملاحظہ فرمائے ۔ انہوں نے ممبران کے متعلق اپنی رائے کا بھی کھل کر اظہار فرمایا ۔ حضرت عمر نے محدود شوریٰ تشکیل دی تھی جب کہ اس حساس مسئلہ کے لئے وسیع البنیاد شُوریٰ کی ضرورت تھی ۔

۱ ۔ حضرت عمر نے شوریٰ کو مشروط بنادیا تھا ، انہیں آزادی فکر کی اجازت نہیں دی گئی ۔

۲ ۔ شُوریٰ کے ہاتھ پاؤں اس طرح سے باندھ دیئے گئے کہ محافظین کو یہ حکم صادر کیا گیا کہ ان میں سے جو بھی اکثریتی رائے سے اختلاف کرے ، اسے بلا تامل موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ۔

۳ ۔ اگر دونوں طرف سے ممبران کی تعداد برابر ہو تو پھر عبدالرحمان بن عوف کی پارٹی کو ترجیح دی جائے آخر عبدالرحمان ابن عوف کی رائے کو ہی آخری اور حتمی رائے قرار دینے کی کیا ضرورت تھی ؟

۴ ۔ کیا عبدالرحمان بن عوف کی رائے کو اس لئے تو فیصلہ کن نہیں قرار دیا گیا کہ انہوں نے دس برس پہلے حضرت ابوبکر کے استفسار پر حضرت عمر کی حمایت کی تھی ؟

۵ ۔ کیا قرآن و سنت میں اس بات کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ جو عبدالرحمان بن عوف کی رائے کی مخالفت کرے وہ واجبُ القتل ہے ؟

۶ ۔ ایک مومن کے قتل کی سزا تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا " جو کوئی جان بوجھ کر مومن کو قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے وہ اس

میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر ناراض ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے ۔"

جب کہ ایک عام مومن کے قتل کی یہ سزا ہے تو اصحاب رسولؐ اور وہ بھی حضرت عمر کے بقول جن سے رسول خدؐا راضی ہوکر دنیا سے رخصت ہوئے تھے ، ان کے قتل کی سزا کیا ہوگی ؟

۷ ۔ برادران اہل سنت اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ رسول خدؐا نے فرمایا : میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں ۔ تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے ۔

تو کیا مذکورہ حدیث حضرت عمر کے پیش نظر نہ تھی کہ ان ستاروں کا اختلاف امت اسلامیہ کے لئے نقصان دہ نہیں ہے ۔ آخر انہوں نے اختلافی ستاروں کو قتل کرنے کا فرمان صادر کیوں فرمایا ؟

۸ ۔ کیا دنیا کے کسی مہذب معاشرے میں حزبِ اختلاف کو قتل کرنا درست سمجھا جاتا ہے ؟

۹ ۔ کیا عبدالرحمان بن عوف کی شخصیت حق و باطل کا معیار تھی کہ ان کی رائے سے اختلاف کرنے والا گردن زدنی قرار دیا جائے ؟

۱۰ ۔ حضرت عمر اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس نظریہ کے قائل رہے تھے کہ خلیفہ مقرر نہ کرنا سنتِ رسولؐ ہے اور خلیفہ مقرر کرنا حضرت ابوبکر کی سنت ہے۔ تو آخر وہ کونسی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے حضرت عمر نے رسول خدؐا کی سنت کو چھوڑ کر سنت ابوبکر کی پیروی کی ؟

۱۱ ۔ قرآن مجید میں رسول خدؐا کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے راستے سے انحراف کرنے سے منع کیا گیا ہے ۔ اس کے باوجود وہ عِلَل و اسباب کیا تھے جن کی بناء پر اتباع رسولؐ کو چھوڑنا پڑا ؟

۱۲ ۔ خلافت کو صرف چھ افراد میں منحصر کرنے کی کیا ضرورت تھی اور ان

کے علاوہ پوری امت اسلامیہ میں کوئی جوہر قابل نہیں تھا ؟

۱۳ ۔ اگر جواب میں یہ کہا جائے کہ ان سے رسولِ خدؐا راضی ہوکر دنیا سے رخصت ہوئے تھے ، تو ہمیں اس جواب کے تسلیم کرنے میں تأمل ہوگا کیونکہ شوریٰ ممبران میں سے طلحہ بن عبیداللہ کے متعلق خود حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ : تمہاری اس غلط گفتگو کی وجہ سے رسول خدؐا مرتے دم تک تجھ سے ناراض تھے ۔ جب ایسے فرد بھی شوریٰ میں شامل تھے تو یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ ان افراد کی تعیین رضائے رسولؐ کی وجہ سے عمل میں آئی تھی ؟

۱۴ ۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ان افراد سے رسول خدؐا راضی تھے تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چھ افراد کے علاوہ حضور کریم باقی تمام صحابہ اور امت اسلامیہ سے ناراض تھے ؟

۱۵ ۔ اگر کہا جائے کہ ایسا نہیں ہے تو پھر اس کی وجہ کیا قرار پائے گی کہ رسول خدؐا تو ہزاروں افراد سے راضی ہوکر دنیا سے رخصت ہوں اور خلافت کو صرف چھ افراد میں محدود کیا جائے ؟

۱۶ ۔ سعید بن عمرو بن نفیل کے متعلق حضرت عمر نے خود اعتراف کیا کہ ان میں شوریٰ کی شمولیت کی جملہ صفات موجود ہیں ۔ تو اس کے باوجود انہیں شوریٰ کا ممبر کیوں نہ بننے دیا گیا ؟

۱۷ ۔ حضرت علیؑ کے متعلق خلیفہؓ ثانی نے جو تبصرہ کیا کہ ان میں مزاح زیادہ ہے ۔ تو کیا حضرت عمر کے علاوہ بھی کسی نے حضرت علیؑ کے متعلق یہ رائے دی تھی ؟

۱۸ ۔ کیا حضرت علیؑ کی زندگی کا مطالعہ صرف حضرت عمر کو ہی نصیب ہوا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت علیؑ کی زندگی باقی لوگوں سے اوجھل تھی ؟

اگر ان کی زندگی باقی لوگوں سے اوجھل نہ تھی تو باقی دنیا کو علیؑ میں مزاح

کا عیب آخر کیوں نہ نظر آیا؟

اس کے لئے ابن عباس کا یہ قول بھی ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے کہ حضرت علیؑ اتنے بارُعب تھے کہ ہم ان کے رُعب و دبدبہ کی وجہ سے گفتگو کا آغاز کرنے سے گھبرایا کرتے تھے۔

۱۹۔ شوریٰ کے لئے جن افراد کو چنا گیا، کیا ان سب کی اسلامی خدمات یکساں تھیں یا ان میں کچھ فرق بھی تھا؟ اور اگر فرق تھا اور یقیناً تھا تو پھر حضرت عمر نے ان سب کو ایک ہی صف میں کیوں لا کھڑا کیا؟

۲۰۔ کیا شوریٰ ممبران کے ایک دوسرے سے خاندانی اور عائلی روابط تو نہ تھے؟

۲۱۔ اگر ان کے درمیان عائلی روابط موجود تھے تو کیا وہ قرابت داری کی وجہ سے کسی کی ناجائز حمایت بھی کرسکتے تھے یا نہیں؟

۲۲۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ طلحہ کا تعلق حضرت ابوبکر کے خاندان بنی تیم سے تھا اور اس خاندان کی علیؑ سے تعلقات کی نوعیت پیچ در پیچ تھی؟

۲۳۔ سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمان بن عوف کا تعلق بنی زہرہ سے تھا اور بنی زہرہ کے یہ دونوں چشم و چراغ بنی امیہ سے قریبی رشتہ داری رکھتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص کی ماں حمنہ بنت سفیان تھی اور وہ حضرت عثمان کی انتہائی قریبی رشتہ دار تھیں، تو کیا انتخاب خلافت کے وقت سعد بن ابی وقاص سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ رشتہ کے ماموں کو چھوڑ کر علیؑ کی تائید کریں گے؟ اور عبدالرحمان بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ حضرت عثمان کی بہن تھیں اور کیا اس نازک مرحلہ پر یہ امید کی جاسکتی تھی کہ عبدالرحمان اپنی بیوی کے بھائی کو چھوڑ کر کسی اور کی حمایت کریں گے؟

۲۴۔ حضرت علیؑ کے متعلق حضرت عمر کے ریمارکس کو اگر درست بھی

تسلیم کرلیا جائے تو کیا حس مزاح کی وجہ سے کسی کو حق سے محروم ٹھہرانا درست ہے؟

۲۵۔ مؤرّخ طبری کی روایت آپ سابقہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عمر نے خود کہا تھا کہ علیؑ لوگوں کو حق پر چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر یہ بات درست تھی اور یقیناً درست بھی ہے تو پھر وہ کونسے عوامل تھے جس کی بنیاد پر علیؑ کے انتخاب کو مشکوک بنایا گیا؟ علاوہ ازیں شُوریٰ کے اجلاس میں جو "پھرتیاں" دکھائی گئیں وہ بھی قابل توجہ ہیں۔

۲۶۔ عبدالرحمان بن عوف نے بڑی چالاکی دکھائی اور اپنے آپ کو خلافت کی امیدواری سے دستبردار کرلیا تاکہ لوگ ان کی غیرجانبداری پر کوئی تنقید نہ کرسکیں۔ تو اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی دست برداری ایک اتفاقیہ امر تھی یا پہلے سے طے شدہ منصوبے کی ایک کڑی تھی؟

۲۷۔ عبدالرحمان نے اپنی دست برداری کے بعد اپنے قریبی عزیز کو منتخب نہیں کیا تھا؟

۲۸۔ کیا حضرت عثمان کے انتخاب میں اقرباء پروری کا جذبہ تو کار فرما نہ تھا؟

۲۹۔ عبدالرحمان بن عوف نے خلافت کیلئے تین شرائط عائد کی تھیں (۱) اللہ کی کتاب (۲) سنتِ رسولؐ (۳) سیرتِ شیخین۔ ان شرائط میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی موجودگی کے باوجود "سیرتِ شیخین" کا اضافہ کیوں کیا گیا؟

۳۰۔ سیرتِ شیخین اگر قرآن و سنت کی تعبیر و تفسیر ہے تو شرائط میں کتاب و سنت کی شرط تو پہلے سے موجود تھی، اس کے باوجود اس شرط کو الگ کیوں رکھا گیا؟

۳۱۔ اور اگر سیرتِ شیخین قرآن و سنت کے علاوہ کوئی اور چیز تھی تو خلافت کے لئے اسے ایک شرط کے طور پر کیوں پیش کیا گیا؟

۳۲۔ کتب تاریخ میں ہمیں بہت سے ایسے مواقع نظر آتے ہیں جہاں حضرت

ابوبکر کا موقف کچھ تھا اور حضرت عمر کا موقف کچھ اور تھا ۔ تو اب ان کے بعد میں آنے والا خلیفہ اگر سیرت شیخین کو قبول بھی کرلیتا تو جس مسئلہ میں خود شیخین کا باہمی اختلاف تھا ۔ اس مسئلہ میں وہ کس کی سیرت کو ترجیح دیتا اور کس کی سیرت سے انحراف کرتا ؟ تاریخ و حدیث میں بہت سے ایسے مواقع ہیں جہاں حضرت عمر کا طرز عمل سیرت نبوی سے مختلف تھا ۔

حضرت عمر کے بعض اجتہادات

۱ ۔ جناب رسول خدا اور حضرت ابوبکر اپنے اپنے دور میں تمام مسلمانوں کو یکساں طور پر عطیات و روزینے دیا کرتے تھے اور حضرت ابوبکر نے سابقین اولین کو بھی زیادہ روزینہ سے انکار کردیا تھا ۔ لیکن حضرت عمر نے اس مسئلہ میں ان دونوں کی مخالفت کی اور اپنے زمانہ خلافت میں یکساں وظیفہ دینے کے طریقے کو ختم کردیا اور کسی کا وظیفہ کم اور کسی کا زیادہ مقرر کیا ۔ (۱)

حضرت عمر ایک عجیب نفسیات رکھتے تھے " کبھی سلام پہ ناراض اور کبھی دشنام پہ خوش " تو ان کے کردار کو خلافت کے لئے شرط قرار دینا کسی طرح سے بھی قرین دانش نہیں تھا۔ حضرت عمر کی اس سیمابی فطرت کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں ۔

۱ ۔ ایک شخص ان کے پاس آیا اور فریاد کی ہے کہ : فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے آپ مجھے انصاف فراہم کریں ۔

حضرت عمر نے اپنا دُرّہ فضا میں بلند کیا اور فریادی کے سر پر دے مارا اور کہا جب عمر نکما ہوتا ہے تو تم اس وقت نہیں آتے اور جب عمر امور مسلمین میں مصروف ہوتا ہے تو تم فریادیں لے کر اس کے پاس آجاتے ہو ۔

(۱) عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ الامام علی بن ابی طالب جلد دوم ۔ ص ۹ ۔ ۱۰ ۔

فریادی بے چارہ آہ و زاری کرتا ہوا چلا گیا ۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کہا کہ اس فریادی کو دوبارہ لایا جائے اور جب وہ آیا تو درہ اٹھا کر اس کے ہاتھوں میں دیا اور کہا اب تم مجھ سے قِصاص لے لو ۔

فریادی نے کہا میں نے اللہ اور تمہاری خاطر تمہیں معاف کیا ہے ۔

حضرت عمر نے کہا کہ : تم یا اللہ کے لئے معاف کرو یا صرف مجھے میری خاطر معاف کرو ۔ فریادی نے کہا تو پھر میں اللہ کے لئے تمہیں معاف کرتا ہوں ۔

اس کے بعد فریادی سے کہا کہ اب تم واپس چلے جاؤ (۱)

" عدلِ فاروقی " سیمابی کیفیت کا حامل تھا جہاں فریادی کو انصاف کی جگہ بعض اوقات کوڑے کھانا پڑتے تھے ۔

۲ ۔ حضرت عمر نے نعمان بن عدی بن نفیلہ کو علاقہ " بیسان " کا عامل مقرر کیا کچھ دنوں بعد حضرت عمر کو کسی نے نعمان کی ایک نظم سنائی ۔ جس میں رنگ تغزل و تشبیب نمایاں تھا ۔ حضرت عمر نے انہیں خط لکھا کہ میں نے تجھے تیرے عہدہ سے معزول کردیا ہے ۔ لہذا تم واپس آجاؤ ۔

جب وہ واپس آیا تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے کبھی نہ تو شراب پی ہے اور نہ ہی کبھی عورتوں سے عشق لڑایا ہے ۔ یہ تو صرف شاعرانہ رنگ تھا جس کا اظہار میرے اشعار سے ہوا ہے ۔

حضرت عمر نے کہا درست ہے لیکن تم آج سے میری حکومت کے لئے کوئی کام سرانجام نہیں دوگے ۔

۳ ۔ ایک قریشی کو حضرت عمر نے عامل بنایا ۔ اسکا ایک شعر حضرت عمر کو سنایا گیا۔

اَسْقِنِیْ شُرْبَةً تَرْوِیْ عِظَامِیْ وَاسْقِ بِاللّٰهِ مِثْلَهَا ابْنَ هِشَامِ

مجھے ایک گھونٹ پلا جس سے میری ہڈیاں سیراب ہوں اور اس جیسا

(۱) عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ الامام علی بن ابی طالب ۔ جلد اول ۔ ص ۲۰۰ ۔

ایک پیالہ ابن ہشام کو بھی پلا۔

شعر سن کر حضرت عمر نے اسے بلایا۔ شاعر صاحب بڑے کایاں تھے جب وہ آئے تو حضرت عمر نے پوچھا۔ مذکورہ شعر تم نے کہا تھا؟

اس نے کہا جی ہاں! کیا اس کے ساتھ والا دوسرا شعر آپ نے نہیں سنا؟ کہا نہیں۔ تو شاعر نے کہا کہ اس کا دوسرا شعر یہ ہے:۔

اِنَّنِیْ لَا اُحِبُّ شُرْبَ الْمُدَامِ　　عَسَلاً بَارِدًا بِمَآءِ غَمَامٍ

بارش کے ٹھنڈے پانی میں شہد ملا کر مجھے پلا۔ میں شراب پینے کو پسند نہیں کرتا۔

اس کی اس حاضر جوابی کو سن کر حضرت عمر بڑے محظوظ ہوئے اور کہا تم اپنے فرائض بدستور سرانجام دیتے رہو۔

۴۔ حضرت عمر نے ایک عامل سے قرآن و احکام کے متعلق سوالات کئے تو اس نے تسلی بخش جواب دیئے تو اسے کہا تم اپنا کام سرانجام دیتے رہو۔ جاتے ہوئے وہ واپس آیا اور کہا: رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے آپ اس کی تعبیر بتائیں۔ حضرت عمر نے کہا خواب بیان کرو۔ اس نے کہا: رات میں نے سورج اور چاند کو ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے دیکھا اور ہر ایک کے پاس لشکر بھی تھا۔ حضرت عمر نے پوچھا تم کس لشکر میں تھے؟ اس نے کہا میں چاند کے لشکر میں شامل تھا۔

حضرت عمر نے کہا! میں نے تجھے معزول کردیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً" ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا۔ ہم نے رات کی نشانی کو مٹایا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا[1]۔

(۱) ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ۔ جلد سوم۔ ص ۹۸۔ بنی اسرائیل۔ ۱۲۔

۵۔ مقامِ حُدَیْبِیَہ پر رسولِ خدا اور سہیل بن عمرو کے درمیان صلح نامہ لکھا گیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ: مکہ کا جو فرد مسلمانوں کے پاس جائے گا مسلمان اسے واپس کریں گے مگر مسلمانوں کا کوئی شخص اگر مکہ والوں کے پاس پناہ لے گا تو واپس نہ کیا جائے گا۔

اس شرط کو دیکھ کر حضرت عمر بہت ناراض ہوئے اور حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور ان کے سامنے احتجاج کیا پھر رسول خدا کے پاس آکر بیٹھے اور کہا۔ آپ ہمیں دین میں کیوں رسوا کرنا چاہتے ہیں؟

رسول خدا نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرونگا۔

حضرت عمر ناراض ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا خدا کی قسم! اگر آج میرے پاس مدد گار ہوتے تو میں یہ رسوائی کبھی برداشت نہ کرتا[1]۔

حضرت عمر ایک رات عبدالرحمان بن عوف کو ساتھ لے کر شہر میں چل رہے تھے انہوں نے چند افراد کو شراب پیتے ہوئے دیکھ لیا۔ عبدالرحمان سے کہا میں انہیں پہچان چکا ہوں۔ جب صبح ہوئی تو ان لوگوں کو بلا کر کہا۔ رات تم شراب نوشی کیوں کر رہے تھے؟

ان میں سے ایک شخص نے کہا:۔ آپ کو کس نے بتایا؟

حضرت عمر نے کہا:۔ رات میں نے تمہیں اپنی آنکھوں سے مے نوشی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس شخص نے کہا۔ کیا اللہ نے آپ کو تجسّس سے قرآن میں منع نہیں کیا؟ حضرت عمر نے اسے معاف کردیا۔

(۱) ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ۔ جلد سوم۔ ص ۳۰۔

سیرتِ رسولؐ اور سیرتِ عمر میں اختلاف

اس سے قبل ہم تقسیم غنائم اور صلح حدیبیہ کے متن میں حضرت عمر کے اختلافات کا تذکرہ کرچکے ہیں ۔ علاوہ ازیں چند مزید اختلافات بطور " مشتے از خروارے " نقل کرتے ہیں ۔ سیرت کے اختلاف کی یہ چند مثالیں ہیں ورنہ :۔

ع سفینہ چاہیئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

۱ ۔ فتح خیبر کے بعد رسولِ خدا نے یہودِ خیبر سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ خیبر کے باغات کی نگرانی کریں گے اور بٹائی میں انہیں آدھا حصہ دیا جائے گا ۔ رسولِ خدا کی زندگی میں یہی ہوتا رہا ۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں بھی اس معاہدہ پر عمل ہوتا رہا ۔ حضرت عمر نے ان سے زمین و باغات واپس لے لئے اور انہیں وہاں سے جلاوطن کردیا ۔

۲ ۔ رسول خدا نے وادی القریٰ کو فتح کیا اور وہاں کے یہود سے بھی خیبر کے یہودیوں جیسا معاہدہ فرمایا ۔

حضرت عمر نے اپنے دور اقتدار میں انہیں جلاوطن کرکے شام بھیج دیا اور ان سے تمام زمین چھین لی [۱] ۔

سیرتِ شیخین کا باہمی تضاد

گزشتہ اوراق میں ہم کچھ اختلافات کا تذکرہ کرچکے ہیں اور ان صفحات میں بطور نمونہ چند مزید اختلاف نقل کرتے ہیں اور صاحبانِ علم سے دریافت کرتے ہیں کہ جب ان دونوں بزرگوں کی سیرت ایک دوسرے سے ہی نہیں ملتی تھی تو سیرتِ شیخین کی اصطلاح وضع کیوں کی گئی اور اسے حصولِ خلافت کیلئے شرط کیوں قرار دیا گیا ۔

(۱) البلاذری ۔ فتوح البلدان ۔ ص ۳۶ ۔

۱ ۔ عُیَیْنَہ بن حصن اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور ان سے عرض کی ! اے خلیفۃُ الرسولؐ ! ہمارے پاس بنجر زمین پڑی ہوئی ہے اس میں کسی قسم کی کوئی زراعت وغیرہ نہیں ہوتی ۔ اگر آپ وہ زمین ہمیں عنایت کردیں تو ہم وہاں محنت کریں گے ممکن ہے کسی دن وہ ہمیں فائدہ بھی دے جائے ۔

حضرت ابوبکر نے ان کی درخواست سن کر حاضرین سے مشورہ لیا ۔ حاضرین نے زمین دینے کی حامی بھری ۔ پھر حضرت ابوبکر نے انہیں اس زمین کی ملکیت تحریر کردی اور گواہوں نے بھی دستخط کردیئے ۔ لیکن اس وقت حضرت عمر موجود نہ تھے ۔ راستے میں حضرت عمر کی ان سے ملاقات ہوگئی اور ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟ انہوں نے بتایا کہ یہ زمین کی ملکیت کا گوشوارہ ہے حضرت عمر نے ان سے مذکورہ تحریر لے کر اسے پھاڑ ڈالا اور انہیں کہا : رسول خدا جس زمانے میں تمہاری تالیف قلب کیا کرتے تھے وہ اسلام کی ذلت کے دن تھے اور آج الحمدللہ اسلام ترقی کرچکا ہے ۔ ہمیں تمہاری تالیف قلب کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔

یہ سن کر وہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور حضرت عمر کے سلوک کا شکوہ کیا ۔ اتنے میں حضرت عمر بھی پہنچ گئے اور بڑے ناراض لہجہ میں حضرت ابوبکر سے پوچھا : آپ نے ان دونوں کو جو زمین دی ہے کیا وہ آپ کی ذاتی جاگیر ہے یا تمام مسلمانوں کی ہے ؟

حضرت ابوبکر نے کہا : یہ تمام مسلمانوں کی جاگیر ہے ۔ پھر حضرت عمر نے کہا آپ نے جماعت مسلمین کے مشورہ کے بغیر انہیں زمین کیوں دے دی ؟

حضرت ابوبکر نے کہا میں نے ان حاضرین سے مشورہ کیا تھا اور ان کے مشورہ اور اجازت سے ہی میں نے ان کو زمین دی تھی ۔

حضرت عمر نے کہا : کیا مسلمانوں کا ہر فرد صحیح مشورہ دینے کا اہل ہوتا ہے [۱] ؟

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد سوم ۔ ص ۱۰۸ ۔ طبع اول ۔

۲ ۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی سیرت کے اختلاف کو مالک بن نویرہ کے واقعہ میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے ۔

مالک بن نویرہ کا واقعہ

یہ تاریخ اسلام کا ایک افسوس ناک واقعہ ہے ۔ اس واقعہ میں خالد بن ولید نے اجتماعی اور دینی لحاظ سے بہت غلطیاں کیں ۔

۱ ۔ خلیفہ کی اجازت کے بغیر خالد نے مالک بن نویرہ پر لشکر کشی کی ۔

۲ ۔ دینی اعتبار سے مالک پر لشکر کشی ناجائز تھی ۔

۳ ۔ خالد نے مالک کے قتل کرنے کا جن الفاظ میں حکم دیا اسے " غدر " سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے ۔ جس کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے ۔

۴ ۔ ابھی مالک کی لاش بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ خالد نے مالک کی بیوی سے نکاح کرلیا۔ قانون عفت ، انسانی وجدان اور اسلامی شریعت اس نکاح کی اجازت نہیں دیتے مگر ان تمام جرائم کو حضرت ابوبکر نے معاف کردیا ۔ جب کہ حضرت عمر نے خالد کی اس حرکت کو ناپسند کیا اور جب خلیفہ مقرر ہوئے تو خالد کو معزول کردیا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے :

ابن اثیر رقم طراز ہیں کہ " جب خالد فزارہ ، اسد اور بنی طے کی لڑائی سے فارغ ہوا تو اس نے " بطاح " کا رخ کیا ۔ اس وادی میں مالک بن نویرہ اور اس کی قوم رہائش پذیر تھی ۔ خالد کے کچھ ساتھیوں نے اس کا ساتھ دینے سے معذرت کی اور کہا کہ ہمیں خلیفہ نے یہ حکم نہیں دیا تھا ۔ خلیفہ نے ہمیں کہا تھا کہ جب ہم "بزاخہ " سے فارغ ہوجائیں تو خلیفہ کے حکم ثانی کا انتظار کریں ۔ خالد نے کہا : میں تمہارا سالار ہوں ، مالک بن نویرہ میرے پنجے میں پھنس چکا ہے اگر تم میرے ساتھ نہیں چلتے تو مت چلو میں اپنے ساتھ مہاجرین کا دستہ لے کر چلا جاؤں گا ۔"

حضرت ابوبکر نے اپنے لشکر کو نصیحت کی تھی کہ جب تم کسی منزل پر قیام کرو تو وہاں اذان دو ، اگر مخالف بھی اذان دیں تو انہیں کچھ نہ کہو اور اگر وہ اذان نہ دیں تو ان سے جنگ کرو ۔ اگر وہ اذان دیں تو ان سے زکٰوۃ کے متعلق سوال کرو اور اگر وہ زکٰوۃ کی فرضیت کا اقرار کریں تو ان کی بات قبول کرو اور اگر وہ زکٰوۃ کا انکار کریں تو ان سے جنگ کرو ۔

جب خالد اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچا اور انہوں نے اذان دی تو اس کے جواب میں مالک کے قبیلہ نے بھی اذان دی اور نماز پڑھی اور اس امر کی گواہی خالد کے ایک فوجی ابوقتادہ نے بھی دی ۔

خالد کے لشکر نے اس مسلمان قبیلہ پر شب خون مارا ، دونوں طرف سے تلواریں چلنے لگیں ۔ مالک کے قبیلہ والوں نے حملہ آوروں سے پوچھا کہ تم کون ہو ؟ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں ۔ تو مالک کے قبیلہ نے بھی کہا کہ ہم بھی تو مسلمان ہیں لہذا لڑائی کیسی ؟

خالد کے لشکر نے انہیں ہتھیار ڈالنے کو کہا انہوں نے مسلمانوں پر اعتماد کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے تو خالد نے حکم دیا کہ انہیں گرفتار کرلو ۔ انہیں گرفتار کر کے خالد کے پاس لایا گیا ۔ گرفتار شدگان میں مالک بن نویرہ بھی تھا ۔ اس کی بیوی اسے ملنے آئی اور وہ بڑی خوبصورت عورت تھی ۔ خالد نے اسے دیکھا ۔ اس وقت مالک نے بیوی سے کہا کہ " کاش تو نہ آتی تو ہم بچ جاتے ۔ اب خالد نے تجھے دیکھ لیا ہے اور اس کی للچائی ہوئی نظریں دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ یہ تجھے حاصل کرنے کے لئے ہمیں قتل کردے گا ۔"

وہ ایک سرد اور تاریک رات تھی ۔ قیدی بے چارے سردی میں ٹھٹھر رہے تھے ۔ خالد نے منادی کو حکم دیا اور اس نے بلند آواز میں ندا دی "اَدْفِئُوْا سَرَاکُمْ" بنی کنانہ کی لغت کے مطابق اس جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے قیدیوں کو قتل کردو ۔

خالد کے فوجی اٹھے اور اس مسلمان قبیلے کے نمازی افراد کو بے گناہ تہ تیغ کردیا۔

ابھی مقتولین کی لاشیں تڑپ رہی تھیں کہ خالد نے مالک کی بیوی ام عتیم سے شادی کرلی۔ یہی منظر دیکھ کر ابوقتادہ مدینہ آیا اور حضرت ابوبکر کو واقعہ کی اطلاع دی یہ خبر سن کر حضرت عمر نے کہا کہ خالد کی تلوار میں اسراف آگیا ہے لہذا اسے معزول کر کے سزا دیں۔

حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس نے تاویل کی اور اس سے ایک غلطی سرزد ہوگئی، خالد تو اللہ کی تلوار ہے۔ تم خالد کے متعلق اپنے منہ سے کچھ نہ کہو۔ چند دنوں بعد خالد بھی مدینہ آیا اور حضرت ابوبکر کے سامنے اپنی غلطی کی معذرت کی۔

حضرت ابوبکر نے اسے معاف کردیا اور اس کی شادی کو بھی جائز قرار دیا۔

مالک بن نویرہ کا بھائی متمم بن نویرہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور مطالبہ کیا کہ اس کے بھائی کو خالد نے ناحق قتل کیا ہے اور ہمارے افراد کو ناحق قید کر کے مدینہ لایا ہے۔ لہذا مجھے قانون شریعت کے مطابق خالد سے قصاص دلایا جائے اور ہمارے قبیلہ کے قیدیوں کو رہا کیا جائے۔

حضرت ابوبکر نے قیدیوں کو فی الفور رہا کردیا اور خالد پر قصاص نافذ کرنے کی بجائے بیت المال سے مالک کا خون بہا ادا کیا۔

متمم بن نویرہ اپنے بھائی مالک کے ہمیشہ مرثیے کہا کرتا تھا۔ اس کے مرثیے ادب عربی میں آج بھی شہ پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں[1]۔

واقعۂ مالک کا تجزیہ

۱۔ یہ لشکر کشی خلیفہ کے حکم اور اطلاع کے بغیر کی گئی۔

۲۔ خلیفہ کی طرف سے لشکر کو حکم تھا کہ وہ اذان دیں، اگر جواب میں مخالفین

(۱) الکامل فی التاریخ جلد دوم۔ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳۔

بھی اذان دیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے۔ ان سے زکوٰۃ کے متعلق دریافت کیا جائے کہ آیا وہ اس کی فرضیت کے قائل ہیں؟ اگر وہ قائل ہوں تو ان سے کسی قسم کی چھیڑخانی نہ کی جائے۔

آخر مالک اور اس کے قبیلہ کا جرم کیا تھا؟ انہوں نے اذان دی اور نماز پڑھی۔ جس کی گواہی صحابیٔ رسولؐ ابوقتادہ نے دی۔ اس کے باوجود بھی انہیں قتل کردیا گیا۔ آخر کیوں؟

۳۔ خالد نے بھی ان کے قتل کا حکم جن الفاظ سے دیا وہ الفاظ ذُو معنی تھے۔ اس جملے کا ایک مطلب یہ بنتا تھا کہ "اپنے قیدیوں کو گرم کرو" اور لُغتِ بنی کنانہ میں اس جملے کا مطلب تھا کہ "اپنے قیدیوں کو قتل کردو۔" خالد نے دراصل یہ سمجھا کہ میں ان الفاظ کے ذریعے سے قیدیوں کو قتل کرادوں گا۔ اور اگر خلیفہ کی طرف سے سختی ہوئی تو میں یہ کہہ کر بَرِیُّ الذِّمہ ہوجاؤں گا، کہ میں نے تو قیدیوں کو گرم کرنے کا حکم دیا تھا۔ قتل کرنے کا حکم تو میں نے جاری نہیں کیا تھا، فوجیوں نے میرے الفاظ کا مطلب غلط سمجھا۔ لہذا اس پورے واقعہ میں، میں بالکل بے گناہ سمجھا جاؤں گا۔

۴۔ اگر خالد کو نماز اور اذان کے باوجود بھی ان کے اسلام میں شک تھا تو انہیں خلیفہ کے پاس مدینہ بھیج دیتے۔ انہیں اس طرح سے قتل کرنے کا اختیار کس نے دیا تھا؟

۵۔ شوہر کی لاش ابھی تڑپ رہی تھی اور خالد نے اس کی بیوی کو اپنی بیوی بنالیا۔ خالد کا یہ فعل ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے۔ اس کی اجازت نہ تو دین اسلام دیتا ہے اور نہ ہی انسانیت اس کو جائز سمجھتی ہے۔

۶۔ حضرت ابوبکر نے خالد کے اتنے بڑے   کو کیوں معاف فرمایا۔ جبکہ حضرت عمر بھی خالد کو مجرم قرار دے کر حد شرعی کا مطالبہ کر رہے تھے؟

۶ ۔ خالد نے بھی خلیفہ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معذرت طلب کی تھی اور خلیفہ صاحب نے معاف کر دیا تھا ۔ کیا اسلامی شریعت میں کوئی ایسی شق موجود ہے کہ مجرم اپنے گناہ کا اقرار کر کے معذرت کرے تو اس پر حد شرعی نافذ نہ کی جائے ۔

۷ ۔ کیا نص کی موجودگی میں اجتہاد کی گنجائش ہے ؟

غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ نے سیرت شیخین کی شرط کو ٹھکرا کر کہا تھا ، میری اپنی ایک بصیرت ہے ۔

۸ ۔ حضرت ابوبکر کا طرز عمل بھی خالد کے غلط کار ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے ۔ کیونکہ انہوں نے قیدیوں کو رہا کردیا تھا اور مالک کا خون بہا مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا گیا ۔ لیکن ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ خالد کے گناہ کے لئے مسلمانوں کے بیت المال پر کیوں بوجھ ڈالا گیا ؟ اس واقعہ کے بعد ابوقتادہ نے قسم کھائی تھی کہ آئندہ پوری زندگی خالد کے لشکر میں کبھی شامل نہ ہوں گے اور اس ظلم کو دیکھ کر وہ لشکر کو چھوڑ کر مدینہ آگئے اور حضرت ابوبکر کو تمام ماجرے کی خبر دی اور کہا کہ میں نے خالد کو مالک کے قتل سے منع کیا تھا لیکن اس نے میری بات نہیں مانی ۔ اس نے ان اعراب کے مشورہ پر عمل کیا جن کا مقصد صرف لوٹ مار کرنا تھا ۔

ابوقتادہ کی باتیں سن کر حضرت عمر نے کہا کہ اس سے قِصاص لینا واجب ہوگیا ہے ۔ [1] اور جب خالد مدینہ آئے تو حضرت عمر نے کہا : اے اپنی جان کے دشمن ! تو نے ایک مسلمان پر چڑھائی کی اور اسے ناحق قتل کردیا اور تو نے اس کی بیوی کو ہتھیا لیا ۔ یہ صریحاً زنا ہے ۔ خدا کی قسم ہم تجھے سنگسار کریں گے ۔

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد چہارم ۔ ص ۱۸۴ ۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب حضرت عُمر برسرِ اقتدار ہوئے تو انہوں نے مالک کے خاندان کے بقیہ السیف افراد کو جمع کیا اور پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس خاندان کا لوٹا ہوا مال و متاع فی الفور واپس کیا جائے ۔ حضرت عمر نے یہاں تک کیا کہ ان کی جن خواتین کو اس وقت کنیزیں بناکر فروخت کردیا گیا تھا ان سب عورتوں کو لوگوں سے واپس کرایا اور ان میں سے بعض خواتین حاملہ بھی تھیں ۔ ان عورتوں کو سابق شوہروں کے حوالے کیا گیا ۔

علاوہ ازیں خالد وہی شخصیت ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر کے اواخر خلافت میں سعد بن عبادہ کو علاقہ شام میں رات کی تاریکی میں قتل کردیا تھا اور بعد میں یہ مشہور کیا گیا کہ انہیں جِنّات نے قتل کیا ہے ۔

خالد بن ولید نے رسولِ خدؐا کے زمانہ میں بھی ایک ایسا ہی کارنامہ سرانجام دیا تھا تو رسول خدؐا نے فرمایا تھا کہ پروردگار ! میں خالد کی اس زیادتی سے بری ہوں ۔

خالد کے یہی کارنامے تھے جن کی وجہ سے حضرت عمر نے انہیں فوج کی سالاری سے معزول کردیا تھا ۔

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے حکومت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ انہوں نے اپنے سالار ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ وہ خالد کا لشکر سنبھال لیں ۔ کیونکہ میں نے اسے معزول کردیا ہے اور جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو خالد کے سر سے پگڑی اتارلینا اور اس کا مال تقسیم کردینا [1] ۔

درج بالا واقعات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ :۔ دینی اور دنیاوی لحاظ سے سیرتِ شیخین کوئی مُنظّم اور مُدوّن چیز ہی نہیں تھی ، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا تھا ۔ کیونکہ حضرت علیؑ یہ سمجھتے

(۱) الکامل فی التاریخ جلد سوم ۔ ص ۲۹۳ ۔

تھے کہ اسلامی حکومت کی بنیاد کتاب و سنت ہے ۔ علاوہ ازیں کسی لاحقہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ علیؑ موجودہ دور کے سیاست دان نہیں تھے کہ اقتدار کے لئے کسی ناجائز شرط کو تسلیم کرلیتے ۔

اس کے برعکس حضرت عثمان نے تینوں شرائط کو قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا ۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ وہ نہ تو کتاب و سنت پر کما حقہٗ عمل کرسکے اور نہ ہی سیرت شیخین پر عمل پیرا ہوئے ۔

سقیفہ کا تیسرا چہرہ

۳۔ حضرت عثمان بن عفان

" فَقَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِجًا حِضْنَيْهِ بَيْنَ نَثِيلِهِ وَ مُعْتَلَفِهِ وَقَامَ مَعَهُ بَنُوْ اَبِيْهِ يَخْضَمُوْنَ مَالَ اللهِ خِضْمَةَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِيْعِ اِلٰى اَنِ انْتَكَثَ فَتْلُهُ وَاَجْهَزَ عَلَيْهِ عَمَلُهُ وَكَبَتْ بِهٖ بِطْنَتُهُ فَمَا رَاعَنِيْ اِلَّا وَالنَّاسُ كَعُرْفِ الضَّبُعِ اِلَيَّ يَنْثَالُوْنَ عَلَيَّ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ حَتّٰى لَقَدْ وُطِئَ الْحَسَنَانُ وَشُقَّ عِطْفَايَ مُجْتَمِعِيْنَ حَوْلِيْ كَرَبِيْضَةِ الْغَنَمِ ...... (الامام علی بن ابی طالب علیہ السلام)

" پھر اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائے سرگین اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے ۔ جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصلِ ربیع کا چارہ چرتا ہے ۔

یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب اس کی بٹی ہوئی رسی کے بل کھل گئے اور اس کی بداعمالیوں نے اس کا کام تمام کردیا اور شکم پُری نے اسے مُنہ کے بل گرادیا ۔ اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کردیا جو میری جانب بجّو کے ایال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا ۔ یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؑ اور

حسینؑ کچلے جارہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے ۔ وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے ۔ مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی ۔ دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ نے فِسق اختیار کرلیا ۔ گویا انہوں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہی نہ تھا کہ " یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ بے جا بلندی چاہتے ہیں اور نہ فساد پھیلاتے ہیں اور اچھا انجام پرہیز گاروں کیلئے ہے ۔"

ہاں ہاں خدا کی قسم ! ان لوگوں نے اس کو سنا تھا اور یاد کیا تھا ۔ لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی سج دھج نے انہیں لبھادیا ۔ دیکھو اس ذات کی قسم ! جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے ، کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ قابلِ اعتنا نہ پاتے[1] ۔"

حضرت عمر کی وفات کے بعد عبدالرحمان بن عوف کی " خصوصی عنایت" کے ذریعے سے حضرت عثمان برسرِ اقتدار آئے ۔

اقتدار پر فائز ہوتے ہی انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں بنی امیہ اور آلِ ابی معیط کو حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز کردیا ۔ ان میں ایسے حکام بکثرت تھے جنہوں نے اسلام اور رسولِ اسلامؐ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا ۔ ان کے دلوں میں تعلیمات اسلام کی بجائے امیہ بن عبد شمس اور حرب اور

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ سے اقتباس ۔

ابوسفیان اور ہند بنت عُتبہ اور معاویہ کی تعلیمات جاگزیں تھیں ۔

حضرت عثمان نے امور مملکت کے لئے اسلام دشمن عناصر اور مروان بن حکم جیسے لوگوں کی خدمات حاصل کیں اور یوں ان لوگوں کے ہاتھوں اسلامی تعلیمات مسخ ہوگئیں ۔

اُموی اقتدار نے عالم عرب میں فساد وفسق کی تخم ریزی کی ۔ ان کے اقتدار کے نتیجہ میں لوگوں میں ہوس زر پروان چڑھی اور احقاق حق اور ابطال باطل کے اسلامی جذبات کے بجائے قبائلی اور خاندانی عصبیتوں نے جنم لیا ۔

اس مقام پر ہم عالَم عرب پر اُموی اقتدار کے منحوس نتائج پر بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہم اپنی اس بحث کو خلیفۂ ثالث کے عہد تک محدود رکھنا چاہتے ہیں کہ اس دور میں بنی امیہ پر کیا کیا نوازشات ہوئیں اور ان نوازشات کی وجہ سے گمنام خاندان نے کس طرح سے اپنی حیثیت تسلیم کرائی ، اور کس طرح سے انہوں نے آئندہ کے لئے اپنی راہ ہموار کی ۔ لیکن اس سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بنی امیہ کی اسلام دشمنی کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جائے ۔

بنی امیہ کی اسلام دشمنی

جنگ بدر

جنگِ بدر کا معرکہ بنی امیہ کی اسلام دشمنی کی بولتی ہوئی تصویر ہے ۔ اس میں معاویہ کا بھائی حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس قتل ہوا ۔

حضرت عثمان کے قریبی اعزاء میں سے عاص بن سعید بن عاص اور عبیدہ بن سعید بن عاص اور ولید بن عقبہ بن ربیعہ بن عبدشمس اور یہ معاویہ بن ابی

سفیان کا ماموں تھا اور اس کی جگر خوار ماں ہند کا بھائی تھا اور شیبہ بن ربیعہ بن عبدشمس اور عقبہ بن ابی معیط جو کہ حضرت عثمان کے مادری بھائی ولید کا باپ تھا ، یہ سب اموی قتل ہوئے تھے ۔ علاوہ ازیں بہت سے اموی جنگ بدر میں قیدی بھی ہوئے تھے ۔ جن میں ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزّٰی بن عبدشمس اور حرث بن وجزہ بن ابی عمر بن امیہ بن عبدشمس سرفہرست تھے اور ان کے علاوہ معاویہ کا بھائی عمرو بن ابی سفیان جو کہ عقبہ بن ابی معیط کا داماد تھا ، وہ بھی قیدیوں میں شامل تھا ۔

ابوسفیان کے کسی ساتھی نے اسے مشورہ دیا کہ اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لئے فدیہ ادا کرو ۔ ابوسفیان نے کہا کیا میرے ہی گھرانے نے قتل ہونا ہے اور فدیہ بھی میں نے ہی دینا ہے ؟ میرے ایک بیٹے حنظلہ کو قتل کیا جاچکا ہے اور اب میں دوسرے بیٹے کا فدیہ دے کر محمدؐ کو مالی طور پر مضبوط کروں ؟ کوئی بات نہیں میں اپنے بیٹے کے لئے فدیہ ادا نہیں کروں گا ۔ اسی اثناء میں ایک مسلمان جس کا نام سعد بن نعمان بن اکال تھا وہ اپنے بیٹے کے ہمراہ عمرہ کرنے آیا تو ابوسفیان نے اسے اپنے بیٹے کے بدلے قید کرلیا اور کہا کہ مسلمان اس کی آزادی کے بدلہ میں جو فدیہ مجھے دیں گے میں وہی فدیہ دے کر اپنے بیٹے کو آزاد کراؤں گا اور اس سلسلہ میں ابوسفیان کے شعر بھی مشہور ہیں ۔

معاویہ کا نانا عتبہ جنگ بدر میں قتل ہوا تھا ۔ اس کی بیٹی اور معاویہ کی ماں ہند اپنے مقتول باپ پر یہ مرثیہ پڑھا کرتی تھی ۔

يُرِيْبُ عَلَيْنَا دَهْرُنَا فَيَسُوْؤُنَا — وَيَاْبٰى فَمَا نَاْتِيْ بِشَيْءٍ نُغَالِبُه

فَاَبْلِغْ اَبَاسُفْيَانَ عَنِّيْ مَالِكًا — فَاِنْ اَلْقِهِ يَوْمًا فَسَوْفَ اُعَاتِبُه

فَقَدْكَانَ حَرْبٌ يسعرُ الْحَرْبَ انَّهٗ   لِكُلِّ امْرِیٍٔ فِی النَّاسِ مَوْلٰی یُطَالِبُه

" آج زمانے کی گردش ہماری مخالف ہوچکی ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس کی وجہ سے ہم زمانے کی گردش پہ غالب آسکیں ۔"

ابوسفیان ! میری طرف سے مالک تک یہ پیغام پہنچادو اگر میں اس سے کسی دن ملی تو اسے ملامت کروں گی ۔

حرب تو جنگ کی آگ بھڑکایا کرتا تھا اور یاد رکھ لو ہر شخص کا کوئی نہ کوئی وارث ہوتا ہے جو اس کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہے ۔"

جنگ بدر میں بنی امیہ کا بے تحاشہ جانی اور مالی نقصان ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کی عداوت کے شعلے مزید بھڑک اٹھے تھے اور دلی کدورتوں کو مزید جلا مل گئی تھی اور وہ ہمیشہ بدر کا انتقام لینے کی سوچتے رہتے تھے ۔ دشمنانِ مصطفیٰ میں ابوسفیان سرفہرست تھا،اس نے کفار قریش کو ایک نئی جنگ کے لئے آمادہ کیا اور باقی عرب کو ہم نوا بنانے کے لئے چار افراد کو سفیر بنایا گیا ۔ جن میں عمرو بن عاص پیش پیش تھا ۔ جنگِ اُحد کے لئے ابوسفیان اپنے ساتھ کفّار کا ایک لشکر لے کر روانہ ہوا اور کفّار کو مزید ترغیب دینے کے لئے عورتوں کو بھی ساتھ لایا گیا تھا ۔ جن میں معاویہ کی ماں ہند اور خالد بن ولید کی بہن فاطمہ بنت ولید اور عمرو بن عاص کی بیوی ریطہ بنت منبہ شامل تھیں ۔ یہ عورتیں دف بجاکر مردوں کو لڑنے کی ترغیب دیتی تھیں اور اپنے مقتولین پر مرثیہ خوانی کرتی تھیں ۔

دورانِ سفر ہند کا گزر جب بھی " وحشی " کے پاس سے ہوتا تو کہتی :

"ابودسمہ ! میرے جذبات کو ٹھنڈا کر اور تو بھی آزادی حاصل کر ۔"

خالد بن ولید سواروں کی ایک جماعت کا سالار تھا اور ابوسفیان لات و

عزیٰ کو اٹھا کر لایا تھا اور ان کے پیچھے ہند دل سوز آواز میں دف کی تال پر جنگی گانے گارہی تھی جس کے چند فقرات یہ ہیں "

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقٍ   نَمْشِیْ عَلَی النّمَارِقِ

اِنْ تقبلُوْا نُعَانِقْ   وَنَفْرِشُ النّمَارِقِ

اَوْ تدبرُوْا نُفَارِقْ   فِرَاقٌ غَیْرَ وَامِقٍ

" ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں ۔ نرم و نازک قالینوں پر چلنے والیاں ہیں ۔ آج تم اگر جنگ کروگے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی اور تمہارے لئے قالین بچھائیں گی اور اگر آج تم نے پشت دکھائی تو ہم تم سے جدا ہوجائیں گی اور تم سے ہماری کوئی رسم و راہ نہ ہوگی ۔"

جنگِ اُحد میں عمُرو بن عاص بھی رَجز پڑھتا رہا اور شعر و شاعری کے ذریعے کفّار کی ہمت افزائی میں پیش پیش تھا ۔

جنگ احد میں مسلمان تیراندازوں کی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا ۔ خالد بن ولید مسلمان فوج کے عقب میں حملہ آور ہوا ، مسلمان فوج کے قدم اکھڑگئے ، صفیں منتشر ہوگئیں اور بہت سے جانبازان اسلام شہید ہوئے ۔ جن میں رسول خدا کے پیارے چچا حضرت امیر حمزہؓ بھی شامل تھے ۔

جنگ کے اختتام پر امیر معاویہ کی " والدہ ماجدہ " نے شہدائے اُحد کی لاشوں کی بے ادبی کی ۔ شہدائے اسلام کے ناک اور کان کاٹے ان سے ہار تیار کیا اور گلے میں پہنا ۔ اس پر بھی اس کی آتش انتقام ٹھنڈی نہ ہوئی تو حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کر کے ان کے جگر کو چبانا شروع کردیا۔جگر چبانے کے بعد ایک چٹان پر کھڑی ہوکر کہا :۔

"آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے ۔ آج میں نے اپنے باپ ، بھائی اور چچا کا انتقام لے لیا ہے ۔"

حلیس بن زبان کی روایت ہے کہ میں نے احد میں ابوسفیان کو دیکھا وہ امیر حمزہ کے مردہ جسم کو ٹھوکریں مار کر کہتا تھا میری ٹھوکروں کا مزہ چکھ ۔

وہاں سے جاتے وقت پھر ابوسفیان نے اعلان کیا کہ آئندہ سال ہم پھر بدر کے مقام پر تم سے جنگ کریں گے ۔

اس کے بعد ابوسفیان نے اسلام اور رسولِ اسلامؐ کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی اور ابوسفیان کی بدولت ہی جنگ خندق پیش آئی ۔ ابوسفیان نے مسلمانوں کے مرکز مدینہ طیبہ کو تباہ کرنے کے لئے مدینہ کے یہودیوں سے سازباز کی۔

یہی ابوسفیان ہی تھا جس نے مہاجرینِ حبشہ کو نجاشی کے ملک سے نکالنے کے لئے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ پر مشتمل سفارت روانہ کی ۔

الغرض ہر طرح کی حرکتیں کرنے کے باوجود بھی جب بنی امیہ اسلام کو نہ مٹاسکے تو انہوں نے اسلام کو مٹانے کی ایک اور تدبیر کی اور سوچا کہ ہماری مخالفت کے باوجود اسلام ختم نہیں ہوا تو ہمیں چاہیئے کہ ہم مسلمان ہوجائیں اور اس طرح سے دو فائدے حاصل کرسکیں گے ۔ اول اپنی جان بچائیں گے ۔ دوم مستقبل میں اسلام کے پیکر پر کاری ضرب لگانے کے بھی قابل ہوجائیں گے یعنی ان کی سوچ صرف یہی تھی کہ اگر بیرونی جارحیت کی وجہ سے ہم اسلام کو نقصان نہیں پہنچاسکے تو اندرونی سازشوں کے ذریعے سے اسلام اور رسولِ اسلامؐ سے انتقام لیا جاسکتا ہے اور فتح مکہ کے وقت انہوں نے اپنی تدبیر پر حرف بہ حرف عمل کیا ۔

بنی امیہ کا اسلام

کفارِ مکہ کا قائد فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگیا اور اس کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب جناب رسول خدؐا بھاری جمعیت لے کر مکہ سے باہر پہنچے تو اس وقت قریش کسی قسم کی مزاحمت کے قابل نہ تھے ۔ ابوسفیان نے رسولِ خدؐا کے چچا عباس کو مجبور کیا کہ وہ انہیں رسولِ خدؐا کی خدمت میں لے جائے ۔ جب عباس اسے لے کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے تو رسول خدؐا نے فرمایا۔ "ابوسفیان! کیا تمہارے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اللہ کی وحدانیت کی گواہی دو ؟"

ابو سفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ۔ آج مجھے یقین ہوگیا کیونکہ اگر یہ بت خدا ہوتے تو آج ہمارے کچھ کام آتے ۔ بعد ازاں رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ تجھ پر وائے ہو ۔ کیا تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری رسالت کی گواہی دو ؟

ابوسفیان نے کہا ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ۔ آپ کتنے شریف اور بردبار اور کریم ہیں ۔ اس چیز کے لئے میرے دل میں کچھ شک ہے ۔

عباس نے کہا ! ابوسفیان اگر آج جان بچانی ہے تو مسلمان ہوجاؤ چنانچہ ابوسفیان مسلمان ہوگیا [1] ۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ابوسفیان نے اپنے کُفر پر پروان چڑھنے والے اعصاب پر بظاہر کنٹرول کیا اور لوگوں کو دکھانے کے لئے بت پرستی کو چھوڑا اور نئے دین کا اعتراف کرنے لگا ۔ لیکن رگوں میں رچی ہوئی بے دینی اور کفر کا گاہے گاہے اس سے اظہار بھی ہوجاتا تھا ۔

فتح مکہ کے بعد ایک کافر جس کا نام حرث بن ہشام تھا ، اس نے

(۱) تاریخ ابن خلدون ۔ جلد دوم ۔ ص ۲۳۴ ۔

ابوسفیان سے کہا :۔ اگر میں محمدؐ کو رسول مان لیتا تو اس کی ضرور پیروی کرتا ۔

ابوسفیان نے اس سے کہا :۔ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا کیونکہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، اگر آج میں کچھ کہوں گا تو یہ پتھر بھی میرے خلاف گواہی دیں گے [1] ۔

عبارت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کا اسلام منافقت پر مبنی تھا اگر وہ دل سے مسلمان ہوچکا ہوتا تو کافر کو مُنہ توڑ جواب دیتا ۔

فتح مکہ کے وقت ابوسفیان کی جگر خوار بیوی ہندہ نے بھی بامرِ مجبوری اسلام قبول کیا تھا ۔

جب رسولِ خدا نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت فرمایا کہ تم میری اس بات پر بیعت کرو کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی ۔

یہ سن کر ہند نے کہا :۔ ہم نے تو انہیں پال کر جوان کیا تھا لیکن تم نے بدر میں انہیں قتل کردیا ۔

رسول خدا نے فرمایا :۔ تم میری بیعت کرو کہ تم زنا نہیں کروگی ۔

ہند نے کہا :۔ کیا آزاد عورت بھی زنا کرتی ہے ؟

جب رسولِ خدا نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب سنا تو عباس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے ۔

اسلام دشمنی میں بنی امیہ کی مثال ڈھونڈنے پر بھی کہیں نہیں ملتی ۔

بنی امیہ جو حضرت عثمان کا خاندان تھا اس کے پیرو جواں غرضیکہ جس پر بھی نظر پڑتی ہے وہ اسلام دشمنی سے بھرا ہوا نظر آتا ہے ۔ مروان کا باپ " حکم " رسول خدا کی نقلیں اتارا کرتا تھا اسی لئے رسول خدا نے اسے مدینہ سے جلاوطن کر کے طائف بھیج دیا تھا ۔

بلاذری لکھتے ہیں :۔ " حکم بن عاص بن امیہ حضرت عثمان کا چچا تھا ۔ دور

(۲) سیرت ابن ہشام ۔ جلد چہارم ۔ ص ۳۳ ۔

جاہلیت میں رسول خدا کا پڑوسی تھا اور آپ کا بدترین ہمسایہ تھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی رسول خدا کو سخت اذیت پہنچایا کرتا تھا ۔ وہ بدبخت حضورؐ کے پس پشت ان کی نقلیں اتارا کرتا تھا ۔"

ایک دفعہ رسولِ خدا اپنی کسی گھر والی کے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اسے اپنی نقل کرتے ہوئے دیکھ لیا ۔ آپ باہر آئے اور فرمایا کہ یہ اور اسکی اولاد میرے ساتھ نہیں رہ سکتی ۔ اس کے بعد آپ نے اسے اولاد سمیت طائف کی طرف جلاوطن کردیا ۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دور میں بھی وہ جلاوطن ہی رہا ۔ جب عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنے چچا کو وہاں سے مدینہ بلالیا [1] ۔

حضرت عثمان کا ایک انتہائی معتمد ابن ابی سرح تھا اور یہ وہ شخص ہے جو کتابت وحی کیا کرتا تھا ۔ اس نے وحی کی کتابت میں تحریف کی تو رسول خدا نے اسے واجبُ القتل قرار دیا ۔ حضرت عثمان کے دور حکومت میں ان کے مادری بھائی ولید بن ابی معیط کو بڑا رتبہ حاصل تھا اور یہ وہ شخص ہے جسے رسولِ خدا نے بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا ۔ موصوف جب اس خاندان کی آبادی کے قریب گئے تو ان سے ملے بغیر واپس چلے آئے اور رسول خدا کو بتایا کہ وہ لوگ تومیرے قتل کے درپے ہوگئے تھے ۔ مقدّر اچھا تھا کہ میں بھاگ نکلا ۔

رسولِ خدا نے ان لوگوں کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا ۔

اسی اثناء میں اس خاندان کے معزز افراد رسول خدا کے پاس آئے اور آکر بتایا کہ آپ کا عامل آیا تھا، جب ہم نے اس کی آمد کی اطلاع سنی تو اس کے استقبال کے لئے آگے آئے لیکن آپ کا عامل ہم سے ملے بغیر واپس چلا گیا ۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی ۔ " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ......

(۱) بلاذری ۔ انساب الاشراف ۔ جلد ۵ ۔ ص ۲۲ ۔

"ایمان والو ! جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو.........[۱]۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان کے اس مادری بھائی کو قرآن مجید میں لفظ "فاسق" سے یاد فرمایا ہے ۔

ابوسفیان اور اس کے ہم نوا افراد کو دوسرے مسلمان "طلقاء" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے اور جب معاویہ کا ذکر ہوتا تو اس وقت کے مسلمان فرمایا کرتے تھے کہ معاویہ جو قائد المشرکین ابوسفیان کا بیٹا ہے اور وہ معاویہ جو ہند جگر خوار کا نور نظر ہے [۲]۔

زبیر بن بکار نے "موفقیات" میں مغیرہ بن شعبہ کی زبانی لکھا ہے کہ :۔

حضرت عمر نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی اپنی کانی آنکھ سے بھی کچھ دیکھا ہے ؟ میں نے کہا نہیں ۔

حضرت عمرؓ نے کہا :۔ خدا کی قسم بنو امیہ تیری آنکھ کی طرح اسلام کو بھی کانا بنائیں گے اور پھر اسلام کو مکمل اندھا بنادیں گے ۔ کسی کو معلوم نہ ہوسکے گا کہ اسلام کہاں سے آیا اور کہاں چلا گیا ۔

امام بخاری اپنی صحیح میں لکھتے ہیں کہ :۔ ایک شخص نے رسول خداؐ سے پوچھا کہ کیا ہمارے ان اعمال کا بھی ہم سے محاسبہ ہوگا جو ہم نے دور جاہلیت میں سرانجام دیئے تھے؟

آپؐ نے فرمایا نہیں ۔ جس نے اسلام لاکر اچھے عمل کئے اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا اور جس نے اسلام لانے کے بعد بھی بُرے عمل کئے تو اس سے اگلے اور پچھلے اعمال کا محاسبہ ہوگا [۳]۔ حضرت عثمان کی مالی پالیسی خالصتاً اقرباء پروری پر مشتمل تھی ۔ انہوں نے بنی امیہ پر بیت المال کا منہ کھول دیا ۔

(۱) الحجرات ۔۶۔ (۲) ڈاکٹر طہٰ حسین مصری ۔ علیؑ و بنوہ ۔ ص ۱۵۵ ۔
(۳) صحیح بخاری ۔ جلد ہشتم ۔ ص ۴۹ ۔

بنی امیہ پر نوازشات

حضرت عثمان نے مروان بن حکم کو دو لاکھ دینار عطافرمائے اور مروان کی بیٹی عائشہ کی شادی کے موقع پر اس کی بیٹی کو بھی دو لاکھ دینار عطا فرمائے ۔ علاوہ ازیں مروان کو بھاری جاگیریں بھی عطا فرمائیں ۔

حالت یہ ہوئی کہ بیت المال کے خازن زید بن ارقم نے استعفاء دے دیا ۔ مذکورہ بالا عطا تو حضرت عثمان کی انتہائی قلیل ترین عطاؤں میں سے ہے ۔

انہوں نے خلافت سنبھالتے ہی ابوسفیان کو ایک لاکھ درہم عطا کئے [۱]۔

اپنے ایک اور رشتہ دار کو بھاری رقم لکھ کر بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا ۔ خازن ایمان دار شخص تھا ۔ اس نے اتنی بھاری رقم دینے سے انکار کردیا ۔

حضرت عثمان نے خازن سے بار بار مطالبہ کیا کہ اسے مطلوبہ رقم خزانہ سے فراہم کی جائے لیکن خازن اپنی بات پر اڑا رہا ۔

حضرت عثمان نے اسے ملامت کرتے ہوئے کہا تیری کیا حیثیت ہے ؟ تو بس ایک خزانچی ہے ۔ لیکن اس نے کہا :۔ میں مسلمانوں کے بیت المال کا خزانچی ہوں، آپ کا ذاتی خزانچی نہیں ہوں ۔ پھر اس نے خزانے کی چابیاں لاکر رسول خداؐ کے منبر پر رکھ دیں [۲]۔

بلاذری اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں :۔

عبداللہ بن ارقم بیت المال کے خازن تھے ۔ حضرت عثمان نے ان سے ایک لاکھ درہم کی رقم طلب کی اور ابھی وہ رقم نکلی ہی تھی کہ مکہ سے عبداللہ بن اُسَید بن ابی العیص اپنے ساتھ چند افراد کو لے کر حضرت عثمان کے پاس آیا ۔ حضرت

(۲) عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ الامام علی بن ابی طالب جلد دوم ۔ ص ۲۰ ۔ ۲۱ ۔
(۱) ڈاکٹر طہٰ حسین مصری ۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ علی و بنوہ ۔ ص ۹۴ ۔

عثمان نے عبداللہ کے لئے تین لاکھ درہم اور اس کے تمام ساتھیوں کے لئے ایک ایک لاکھ درہم دینے کا حکم صادر فرمایا۔

خازن نے مذکورہ رقم دینے سے انکار کردیا۔ حضرت عثمان نے کہا :۔ تو ہمارے مال کا خازن ہے تجھے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

خازن نے کہا :۔ جناب ! میں مسلمانوں کے بیت المال کا خازن ہوں اور آپ کا ذاتی خازن آپ کا غلام ہے۔ میں آپ کے اس رویہ کی وجہ سے استعفاء دے رہا ہوں۔ پھر اس نے چابیاں اٹھا کر منبر نبوی پر رکھ دیں اور خود ملازمت سے علیحدہ ہوگیا۔

حضرت عثمان نے اسے منانے کے لئے اس کے پاس تین لاکھ درہم بھیجے لیکن اس نے لینے سے انکار کردیا۔

حضرت عثمان کی سخاوت کی داستانیں لوگوں کے گوش گزار ہوئیں اس سے لوگوں میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے لگے اور چند دنوں کے بعد لوگوں میں یہ افواہ پھیلی کہ بیتُ المال میں انتہائی قیمتی جواہر کا ہار موجود تھا جو حضرت عثمان نے اپنے کسی رشتہ دار کے حوالے کردیا۔ لوگوں نے اس بات کا برا منایا اور حضرت عثمان سے شدید احتجاج کیا۔ اس احتجاج پر حضرت عثمان سخت ناراض ہوئے اور اعلان کیا ہم اپنی ضرورتوں کی تکمیل اس بیت المال سے کریں گے ، اگر کسی کا دل جلتا ہے تو جلتا رہے ، اگر اس سے کسی کی ناک رگڑتی ہے تو رگڑتی رہے۔ حضرت عمار بن یاسر نے یہ سن کر کہا :۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اس فعل پر راضی نہیں ہوں۔

حضرت عثمان نے کہا :۔ اے گھٹیا شخص ! تیری یہ جُرأت کہ تو مجھ پر جسارت کرے؟ پھر پولیس کے افراد سے کہا اسے فوراً پکڑلو۔

حضرت عمار کو پکڑ لیا گیا اور انہیں اتنا مارا گیا کہ وہ بے ہوش ہوگئے۔

انہیں اٹھا کر حضرت ام سلمہ کے حجرہ میں لایا گیا۔ حضرت عمار سارا دن بے ہوش رہے اور اسی بے ہوشی کی وجہ سے ان کی ظہر ، عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہوگئیں۔ جب انہیں ہوش آیا تو وضو کر کے انہوں نے نماز ادا کی اور کہا :۔ اللہ کا شکر ہے آج پہلی دفعہ مجھے اللہ کے دین کے لئے نہیں مارا گیا۔

حضرت اُمّ سلمہ یا حضرت عائشہ میں سے ایک بی بی نے رسولِ خدا کا لباس اور ان کی نعلین نکال کر اہل مسجد کو مخاطب کر کے کہا لوگو ! یہ رسولِ خدا کا لباس اور ان کا موئے مبارک اور نعلین ہے۔ ابھی تک تو رسول خدا کا لباس بھی پرانا نہیں ہوا تم نے ان کی سنت کو تبدیل کردیا ہے۔

اس واقعہ کی وجہ سے حضرت عثمان کو خاصی شرمندگی اٹھانی پڑی اور ان سے اس کا جواب نہ بن آیا (۱)

اگر یہ روایت درست ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عثمان نے بیک دو غلطیاں کیں :

۱۔ بنو اُمیہ کو مسلمانوں کا مال ناحق دیا گیا۔

۲۔ رسول خدا کے ایک جلیل القدر صحابی کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

حضرت عثمان کی " سخاوت " کی مثال نہیں ملتی۔

آپ نے مروان بن حکم کو افریقہ کا سارا خمس عطا فرمایا اور " حکم " کے دوسرے بیٹے حارث کو تین لاکھ درہم عطا فرمائے۔

عبداللہ بن خالد بن اسید اموی کو تین لاکھ درہم عطا فرمائے۔

اس کے وفد میں شامل ہر شخص کو ایک ایک لاکھ درہم دیا گیا۔

زبیر بن عوام کو چھ لاکھ درہم دیئے گئے۔

طلحہ بن عبید اللہ کو ایک لاکھ درہم دیا گیا۔

(۱) ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ الفتنۃ الکبریٰ "عثمان بن عفان" بلاذری۔ انساب الاشراف جلد پنجم۔ ص ۴۸۔

سعید بن عاص کو ایک لاکھ درہم ملے ۔

سعید بن عاص نے اپنی چار صاحبزادیوں کی شادی کی تو اس کی ایک ایک بیٹی کو بیت المال سے ایک ایک لاکھ درہم دیئے گئے ۔ ان واقعات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بلاذری رقم طراز ہیں ۔ ۲۷ھ میں اسلامی لشکر نے افریقہ فتح کیا اور وہاں سے بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا ۔ اس مال غنیمت کا خمس مروان بن حکم کو دیا گیا ۔ علاوہ ازیں ۲۷ھ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو کہ حضرت عثمان کے رضاعی بھائی تھے ، کی زیر سرکردگی افریقہ پر حملہ کیا گیا ۔ مسلمان فوج نے افریقہ فتح کرلیا ۔ فوج کے سالار نے ایک لاکھ درہم کے بدلے سارا خمس خرید لیا اور بعدازاں حضرت عثمان سے انہوں نے مذکورہ رقم معاف کرنے کی درخواست کی ۔ حضرت عثمان نے انہیں تمام رقم معاف کردی ۔

زکوٰۃ کے اونٹ مدینہ لائے گئے ۔ حضرت عثمان نے تمام اونٹ حارث بن حکم بن ابی العاص کو عطا کردیئے ۔

حضرت عثمان نے حکم بن عاص کو بنی قضاعہ کی زکوٰۃ کا عامل مقرر کیا اور وہاں سے تین لاکھ درہم کی وصولی ہوئی ۔ وہ ساری رقم انہیں دے دی گئی ۔

حارث بن حکم بن ابی العاص کو تین لاکھ درہم دیئے گئے ۔

اور زید بن ثابت انصاری کو ایک لاکھ درہم دیئے گئے ۔

بیت المال کا یہ استحصال حضرت ابوذر سے نہ دیکھا گیا اور انہوں نے مدینہ کے بازاروں اور گلیوں میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھنی شروع کی :

" وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ...... الآيه "

" جو لوگ سونا چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیں ۔ یہی سونا اور چاندی دوزخ کی آگ میں گرم کر کے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں میں داغا جائے گا اور ان

سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا وہ خزانہ ہے جسے تم جمع کیا کرتے تھے [1] ۔" حضرت ابوذر کے اس طرز عمل کی مروان نے حضرت عثمان کے پاس شکایت کی حضرت عثمان نے انہیں کہلا بھیجا کہ تم اس حرکت سے باز آجاؤ ۔

حضرت ابوذر نے کہا ؛ عثمان مجھے اللہ کی کتاب کی تلاوت سے باز رکھنا چاہتا ہے؟ خدا کی قسم میں عثمان کی ناراضگی برداشت کرسکتا ہوں لیکن اللہ کی ناراضگی برداشت نہیں کرسکتا ۔

آپ نے حضرت عثمان کی مالی پالیسی ملاحظہ فرمائی ۔ چند لمحات کے لئے اس مقام پر ٹھہر جائیں اور اس کے برعکس حضرت علیؑ کی مالی پالیسی کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں ۔ کیونکہ

؎ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ

حضرت علیؑ کی مالی پالیسی

حضرت علیؑ کے دَورِ خلافت میں حضرت حسینؑ کا ایک مہمان آیا ۔ انہوں نے ایک درہم ادھار لے کر روٹی خریدی ۔ سالن کے لئے ان کے پاس رقم موجود نہ تھی انہوں نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ یمن سے جو شہد آیا ہے اس میں سے ایک رطل کی مقدار میں شہد دیں ۔ قنبر نے حکم کی تعمیل کی اور ایک رطل شہد انہیں لاکر دی ۔ چند دنوں کے بعد حضرت علیؑ نے تقسیم کی خاطر وہ شہد منگایا اور شہد کی مشک کو دیکھ کر فرمایا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کچھ کمی ہوئی ہے ۔ قنبر نے عرض کی ۔ جی ہاں ! آپ کے فرزند حسینؑ نے ایک مہمان کی خاطر ایک رطل شہد مجھ سے لی تھی ۔

یہ سن کر حضرت علیؑ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ حسینؑ کو بلاؤ ۔ جب

(۱) التوبہ ۔ ۳۴ ۔

حسنؑ آگئے تو حضرت علیؑ نے فرمایا :۔ حسنؑ بیٹے ! تقسیم سے پہلے تم نے ایک رطل شہد بیت المال سے کیوں لی ہے ؟

حسنؑ نے عرض کی :۔ بابا جان ! جب تقسیم ہوجائے گی تو میں اپنے حصہ سے اتنی مقدار واپس کردوں گا ۔

اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا :۔ یہ درست ہے کہ اس میں تمہارا بھی حصہ ہے لیکن تقسیم سے پہلے تم شہد لینے کے مجاز نہیں تھے ۔ بعدازاں قنبر کو ایک درہم دے کر فرمایا کہ اس درہم سے بہترین شہد خرید کر دوسرے شہد میں شامل کردو ۔

حضرت علیؑ کے عدل کے لئے عقیل کا واقعہ ہی کافی ہے ۔

اس واقعہ کو عقیل نے خود معاویہ بن ابی سفیان کے دربار میں اس وقت سنایا جب وہ علیؑ کے عدل سے بھاگ کر وہاں پہنچے تھے کہ مجھے شدید غربت نے اپنی لپیٹ میں لیا تو میں اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنے بھائی علیؑ کے پاس گیا۔ میرے بچوں کے چہروں پر غربت و یاس چھائی ہوئی تھی اور بھوک کی وجہ سے ان کے چہرے زرد ہوچکے تھے ۔

میرے بھائی علیؑ نے کہا کہ تم آج شام میرے پاس آنا ۔ چنانچہ شام کے وقت میرا ایک بیٹا میرا ہاتھ پکڑے ہوئے ان کے پاس لے گیا ۔ انہوں نے میرے بچے کو مجھ سے ہٹا دیا اور مجھے کہا کہ اور قریب آجاؤ ۔ میں سمجھا کہ علیؑ مجھے زرو دولت کی تھیلی دیں گے لیکن انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگ کی طرح گرم لوہے پر رکھا اور اس کی وجہ سے میں یوں گرا جیسا کہ بیل قصاب کے ہاتھ سے گرتا ہے [1] ۔

اس واقعہ کو خود حضرت علیؑ نے اپنے ایک خطبہ میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے ۔

" رَأَيْتُ عَقِيْلاً وَّقَدْ اَمْلَقَ حَتّٰى اسْتَمَاحَنِىْ مِنْ بُرِّكُمْ صَاعًا ۔ وَرَأَيْتُ

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔

صِبْيَانَهٗ شُعْثَ الشُّعُوْرِ ، غُبْرَ الْاَلْوَانِ مِنْ فَقْرِهِمْ ، عَاوَدَنِىْ مُؤَكِّدًا وَّكَرَّرَ عَلَىَّ الْقَوْلَ مُرَدِّدًا ......" (الامام علی بن ابی طالب)

" بخدا میں نے عقیل کو سخت فقر وفاقہ کی حالت میں دیکھا ۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے حصہ کے گیہوں میں ایک صاع مجھ سے مانگتے تھے اور میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور فقرو بے نوائی سے رنگ تیرگی مائل ہوچکے تھے گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کردیئے گئے ہیں وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دہرایا ۔ میں نے ان کی باتوں کو کان دے کر سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھوں اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہوجاؤں گا مگر میں نے یہ کیا کہ ایک لوہے کے ٹکڑے کو تپایا پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا تاکہ عبرت حاصل کریں ۔ چنانچہ وہ اس طرح سے چیخے جس طرح بیمار درد وکرب سے چیختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا جسم اس داغ دینے سے جل جائے ۔ پھر میں نے ان سے کہا :۔ اے عقیل ! رونے والیاں تم پر روئیں، کیا تم لوہے کے اس ٹکڑے سے چیخ اٹھے ہو جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں بغیر جلانے کی نیت کے تپایا ہے اور تم مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے ۔ تم اذیت سے چیخو اور میں جہنم کے شعلوں سے نہ چلاؤں ۔" [1]

ہمیں علی علیہ اسلام کی زندگی صداقت اور انسانی عزت نفس کا بلند ترین نمونہ نظر آتی ہے ۔

آپ جانتے ہیں کہ خوارج سے حضرت علی علیہ اسلام کو کتنی نفرت تھی ۔ آپ انہیں باطل پر سمجھتے تھے ۔ اس کے باوجود حضرت علیؑ کا ان سے طرز عمل کیا تھا ۔ اس کے لئے ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کے بیان کردہ واقعہ کو پڑھیں :۔

(۱) نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۲۱ سے اقتباس ۔

" حضرت علیؑ کے پاس حریث بن راشد السامی خارجی آیا اور کہا اللہ کی قسم میں نہ تو آپ کا فرمان مانوں گا اور نہ ہی آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا ۔ اس کے ان جملوں پر حضرت نے ناراضگی کا اظہار نہ کیا اور نہ ہی اسے اس پر کوئی سزا دی ۔ آپ نے اسے بحث ومباحثہ کی دعوت دی اور فرمایا تم مجھ سے بحث کرلو تاکہ تمہارے سامنے حق واضح ہوجائے اس نے دوسرے دن آنے کا وعدہ کیا اور آپ نے قبول کرلیا ۔" (۱)

ایک خارجی کے ساتھ حضرت علیؑ کا سلوک ملاحظہ فرمائیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت عمار کے ساتھ حضرت عثمان کا بھی سلوک ملاحظہ فرمائیں ۔ تاکہ آپ خود فیصلہ کرسکیں کہ علیؑ کیا تھے اور عثمان کیا تھے ؟

حضرت عثمان نے اسلامی خزانہ کو صرف اپنے اقرباء پر ہی نہیں لٹایا بلکہ اس دور کے مشاہیر کو بھی اس سے وافر حصہ دیا۔ حضرت عثمان نے زبیر بن عوام کو چھ لاکھ عطاکئے۔ طلحہ بن عبیداللہ کو ایک لاکھ عطاکئے اورتمام قرضہ بھی معاف کردیا۔

ایک طرف سے اپنے رشتہ داروں پر یہ نوازشات جاری تھیں ۔ جب کہ دوسری طرح عامۃُ المسلمین بھوک و افلاس اور شدید ترین غربت کا شکار تھے ۔ کیونکہ بیت المال کا اکثر حصہ تو بنی امیہ اور مقربین کی نذر ہوگیا ۔ غریب عوام کو دینے کے لئے خزانہ خالی تھا ۔

چند مشاہیر کی دولت

حضرت عثمان کے دور خلافت میں اشرافیہ طبقہ کی جائیداد کی ایک ہلکی سی جھلک مسعودی نے یوں بیان کی ہے :۔

صحابہ کی ایک جماعت اس زمانہ میں بڑی مالدار بن گئی اور انہوں نے

(۲) الفتنۃ الکبریٰ علیؑ و بنوہ ۔ ص ۱۲۵ ۔

بڑی بڑی جاگیریں خریدلیں اور عظیم الشان محلات تعمیر کر لئے ۔ ان میں سے زبیر بن عوام نے بصرہ میں اپنا محل تعمیر کرایا جو اس وقت ۳۳۲ ہجری میں بھی اپنی اصلی حالت میں پورے جاہ و جلال کے ساتھ موجود ہے۔ اس میں تاجر اور سرمایہ دار آکر ٹھہرا کرتے ہیں ۔

اس کے علاوہ انہوں نے مصر ، کوفہ اور اسکندریہ میں بھی عالی شان محل تعمیر کرائے ۔ اسکے علاوہ اس کی دوسری جاگیروں کے متعلق بھی اہل علم جانتے ہیں۔

زبیر کی وفات کے وقت اس کے گھر سے نقد سرمایہ پچاس ہزار دینار برآمد ہوئے ۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنے پیچھے ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار لونڈیاں چھوڑیں ۔

طلحہ بن عبیداللہ التیمی نے بھی کوفہ میں عظیم الشان محل تعمیر کیا اور عراق سے طلحہ کے غلہ کی یومیہ آمدنی ایک ہزار دینار تھی جب کہ دوسرے مؤرخین اس سے بھی زیادہ بیان کرتے ہیں ۔ عراق کے علاوہ باقی علاقوں سے اس کی کمائی اس سے بھی زیادہ تھی ۔ اس نے مدینہ میں ایک مثالی محل تعمیر کرایا جس میں جص اور ساج استعمال کیا گیا تھا ۔

عبدالرحمان بن عوف زہری نے بھی فلک بوس محل تعمیر کرایا اور اسے وسعت بھی دی ۔ اس کے اصطبل میں ایک ہزار گھوڑے ہر وقت بندھے رہتے تھے ۔ اس کے پاس ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں ۔ وفات کے وقت ان کی چار بیویاں تھیں اور ہر بیوی کو چوراسی ہزار (۸۴۰۰۰) دینار ملے (۱) ۔"

" اہل جنت " کے سرمایہ کی آپ نے ہلکی سی جھلک مشاہدہ فرمائی ۔ جب حاکم ہی بیت المال کو دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا ہو تو آپ رعایا سے صبر و قناعت کی امید کیسے کریں گے۔ اس دور کے عُمّال و حکام سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ

(۱) مسعودی ۔ مروج الذہب و معادن الجوہر ۔ جلد ۲ ۔ ص ۲۲۲ ۔

انہوں نے اس بہتی گنگا سے ہاتھ نہیں دھوئے ہوں گے ؟

حضرت عثمان نے بنی امیہ کو صرف درہم و دینار دینے پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ انہیں بڑی بڑی جاگیریں بھی عطافرمائیں ۔ ممکن ہے کہ اس مقام پر حضرت عثمان کے بہی خواہ اہلِ سنت اور معتزلہ ان کی صفائی میں یہ کہیں کہ انہوں نے یہ زمینیں اس لئے دی تھیں تاکہ زمینیں آباد ہوجائیں ۔

اس کے جواب میں شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ جواب تو حضرت عثمان نے بھی خود نہیں دیا تھا لہذا یہ جواب ناقص اور " مدعی سست اور گواہ چست " والا معاملہ ہے ۔ اس کے جواب میں شیعہ یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ جاگیریں صرف بنی امیہ کو ہی کیوں دی گئی تھیں ؟ کیا بنی امیہ زمینوں کے اسپیشلسٹ تھے [1] ؟

ڈاکٹر صاحب کے اس بیان کے بعد یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ حضرت عثمان کی اس مالیاتی پالیسی کے دو نتیجے نکلے اور دونوں ایک دوسرے سے خراب تر تھے ۔

۱۔ مسلمانوں کے مال کو ناحق خرچ کیا گیا ۔

۲۔ اور اس کی وجہ سے ایک نودولتیے طبقہ نے جنم لیا جن کا مطمع نظر دوسروں کے حقوق کو غصب کرنا اور اپنی دولت میں بے پناہ اضافہ کرنا تھا اور یہ نودولتیہ طبقہ اپنی دولت بچانے کے لئے کسی بھی برے سے برے حاکم کی اطاعت پر بھی کمربستہ ہوسکتا تھا اور مذکورہ طبقہ ایک خاص امتیاز کا بھی خواہش مند تھا اور اپنی دولت کو تحفظ دینے کے لئے ہر اس حکومت کو خوش آمدید کہنے پر آمادہ تھا جو کہ مسلمانوں کے لئے مضر لیکن ان کے لئے مفید ہو ۔

حضرت علی علیہ اسلام کے دور خلافت میں یہی سرمایہ دار طبقہ ہی ان کی مخالفت میں پیش پیش تھا ۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی مخالفت اپنے سرمایہ اور جاگیروں کے تحفظ کے لئے کی تھی ۔

(۱) ڈاکٹر طہٰ حسین مصری الفتنۃ الکبریٰ ۔ عثمان بن عفان ۔ ص ۱۹۳ ۔ ۱۹۴ ۔

حضرت عثمان کی مالیاتی پالیسی کے بنیادی خدوخال آپ نے مشاہدہ کئے اور آئیے دیکھیں کہ ان کی دیگر حکومتی پالیسیاں کیا تھیں ؟

حضرت عثمان کی حکومتی پالیسی

حضرت عثمان کی دوسری حکومتی پالیسی کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ ان کی کوئی ذاتی پالیسی سرے سے تھی ہی نہیں ۔ انہوں نے ہمیشہ بنی امیہ پر انحصار کیا اور اپنے سسرال اور دیگر رشتہ داروں کی بات کو انہوں نے ہمیشہ اہمیت دی تھی ۔

عثمانی دور میں مروان بن حکم کو خصوصی اہمیت حاصل تھی ۔ انہوں نے ہمیشہ مروان کے مشوروں کو درخور اعتنا سمجھا اور بنی امیہ کو مسلمانوں کی گردن پر سوار کیا ۔

بنی امیہ جیسے ہی حاکم بنے انہوں نے امت مسلمہ میں ظلم و ستم کو رواج دیا۔ ان کی وجہ سے امت اسلامیہ شدید مشکلات کا شکار ہوگئی ۔ مگر ظالم و جابر حکام پورے اطمینان سے مسلمانوں کا استحصال کرتے رہے انہیں امت اسلامیہ کے افراد کی کوئی پروا تک نہ تھی ۔ کیونکہ خلیفۃ المسلمین ان سے خوش تھا اور دوسرے مسلمانوں کی ناراضگی کی انہیں کوئی فکر ہی نہیں تھی ۔

حضرت عثمان کی شخصیت کا المناک پہلو یہ ہے کہ وہ بنی امیہ پر جس قدر مہربان تھے ، دوسرے صحابہ اور عامۃ المسلمین کے لئے وہ اتنے ہی سخت تھے ۔ انہوں نے عبداللہ بن مسعود اور ابوذر غفاری اور عمار بن یاسر جیسے جلیلُ القدر صحابہ تک سے ہتک آمیز سلوک کیا ۔ ان جلیلُ القدر صحابہ کو ان کے حکم سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور حضرت ابوذر غفاری پر صرف تشدد ہی نہیں بلکہ انہیں جلا وطن کر کے ربذہ کے بے آب وگیاہ میدان میں مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا۔

ان اجلّہ صحابہ کا جُرم صرف یہی تھا کہ وہ بنی امیہ کی لوٹ کھسوٹ اور بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے ۔

بلاذری بیان کرتے ہیں کہ :۔

"حضرت عثمان نے بنی امیہ کے ان افراد کو عامل مقرر کیا جنہیں رسولِ خدا کی صحبت یسر نہ تھی اور نہ ہی اسلام میں انہیں کوئی مقام حاصل تھا ۔ اور جب لوگ ان کی شکایت کرنے آتے تو حضرت عثمان عوامی شکایات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور انہیں معزول نہیں کرتے تھے ۔ اپنی حکومت کے آخری چھ برسوں میں انہوں نے اپنے چچا کی اولاد کو حاکم مقرر کیا ۔

اسی دور میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کا حاکم مقرر ہوا ۔ وہ کئی برس تک مصر میں رہا ۔ مصر کے لوگ اس کے ظلم کی شکایت کرنے کے لئے حضرت عثمان کے پاس آئے اور حضرت عثمان نے ان کے کہنے پر اسے ایک خط بھی تحریر کیا جس میں اسے غلط کاریوں سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی لیکن اس نے حضرت عثمان کے خط پر کوئی عمل نہ کیا اور شکایت کرنے والوں پر بے پناہ تشدد کیا ۔ جس کی وجہ سے ایک شخص موقع پر ہی دم توڑ گیا ۔

اس کے بعد اہل مصر کا ایک اور وفد ابن ابی سرح کے مظالم کی شکایت کرنے کے لئے مدینہ آیا اور اوقات نماز میں انہوں نے صحابہ سے ملاقات کی اور اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی ان لوگوں کو داستان سنائی ۔ چنانچہ طلحہ حضرت عثمان کے پاس گئے اور ان سے سخت لہجہ میں احتجاج کیا ۔ بی بی عائشہ نے بھی عثمان کے پاس پیغام روانہ کیا کہ ان لوگوں کو اپنے عامل سے انصاف دلاؤ ۔

کبار صحابہ جن میں حضرت علیؑ ، مقداد اور طلحہ و زبیر شامل تھے ۔ انہوں نے حضرت عثمان کے نام ایک خط تیار کیا جس میں اس کے عمال کے مظالم کی تفصیل بیان کی گئی تھی اور خط کے ذریعے سے حضرت عثمان کو تنبیہ کی گئی تھی

کہ اگر انہوں نے اپنے رویہ کو درست نہ کیا تو پھر انہیں خلافت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

عمار نے وہ خط لیا اور حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا ۔ جب حضرت عثمان نے اس کی ایک سطر پڑھی تو انہیں بہت غصہ آیا اور عمار سے کہا :۔ تیری یہ جُرأت کہ تو ان کا خط میرے سامنے لائے ؟

عمار نے کہا :۔ میں خط اس لئے لایا ہوں کہ میں آپ کا زیادہ خیر خواہ ہوں ۔ حضرت عثمان نے کہا :۔ سمیہ کا فرزند ! تو جھوٹا ہے ۔

حضرت عمار نے کہا :۔ خدا کی قسم میں اسلام کی پہلی شہید خاتون سمیہ اور یاسر کا بیٹا ہوں ۔

حضرت عثمان نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے پکڑ کر لٹائیں ۔ نوکروں نے انہیں پکڑ کر لٹا دیا ۔ حضرت عثمان نے جناب عمار کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں ماریں ۔ ضربات اتنی شدید تھیں کہ انہیں "فتق" کا عارضہ لاحق ہوگیا ۔ اور بے ہوش ہوگئے ۔"[1] جب حضرت عثمان کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ان کی مالیاتی اور حکومتی پالیسیوں کا مقصد امت اسلامیہ کے مقدر سے کھیلنا اور دین اسلام کے بہی خواہوں کو کمزور کرنا اور دشمنان اسلام بالخصوص بنی امیہ کے لئے مستقبل کی حکومت کی راہ ہموار کرنا تھا ۔

حضرت عثمان کی پالیسی نہ یہ کہ قرآن و سنت سے علیحدہ تھی بلکہ سیرت شیخین سے بھی جداگانہ تھی ۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ :۔

" جب حضرت عثمان نے سعید بن العاص کو ایک لاکھ درہم دیئے تو لوگوں نے اس پر تنقید کی اور اسے غلط قرار دیا ۔ حضرت علیؑ اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ نے مل کر حضرت عثمان سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تو حضرت عثمان نے کہا وہ

---

(۱) بلاذری ۔ انساب الاشراف ۔ جلد پنجم ۔ ص ۲۵ ۔ ۲۶ ۔

میرا قریبی رشتہ دار ہے ۔ صحابہ نے کہا تو کیا ابوبکر و عمر کے اس جہان میں کوئی رشتہ دار نہیں تھے ؟

حضرت عثمان نے کہا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو محروم کرکے خوش ہوتے تھے جب کہ میں اپنے رشتہ داروں کو دے کر خوش ہوتا ہوں ۔" (۱)

حضرت عثمان کی یہ روش کسی طرح سے بھی سیرتِ شیخین سے مطابقت نہیں رکھتی تھی اور ان کی اس روش کا روحِ اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا ۔

عثمانی عُمّال کی سیرت

آیئے چند لمحات کے لئے عثمانی عمال پر بھی نظر ڈال لیں ۔

اس حقیقت میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان نے امور سلطنت کے لئے اپنے اقرباء پر ہی انحصار کیا تھا اور خدا گواہ ہے کہ ہم اتنے تنگ نظر نہیں ہیں کہ ہم صرف رشتہ داری کی وجہ سے کسی پر اعتراض کریں ۔ ہم جانتے ہیں کہ سلاطین کا قدیم الایام سے یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ اہم مناصب پر اپنے بااعتماد اور باصلاحیت رشتہ داروں کو فائز کرتے رہے ہیں ۔

اگر رشتہ دار باصلاحیت ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ لیکن جن رشتہ داروں پر حضرت عثمان نے انحصار کیا تھا کیا وہ باصلاحیت اور صاحب سیرت افراد تھے ؟

حضرت عثمان نے اپنی قرابت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے افراد کو بھی اہم عہدوں پر فائز کیا جن کے فِسق و فجُور اور نِفاق و کِذب کی اللہ نے قرآن میں گواہی دی تھی ۔

ذیل میں ہم بطور نمونہ اپنے قارئین کے لئے چند افراد کی سیرت کا تذکرہ

(۱) بلاذری ۔ انساب الاشراف بحوالہ واقدی جلد ۵ ۔ ص ۲۷ ۔

کرتے ہیں ۔ لیکن ان واقعات کو "مشتے از خروارے" کی حیثیت حاصل ہے ۔ اگر ہم عمال عثمانی کی بدکرداریوں کی تفصیل بیان کرنے لگیں تو اس کے لئے علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے ۔

ولید بن عقبہ

عثمانی عُمّال کا حقیقی چہرہ دکھانے کے لئے ہم ولید بن عقبہ بن ابی معیط سے ابتداء کرتے ہیں ۔ حضرت عثمان نے انہیں کوفہ کا والی مقرر کیا تھا ۔

اس "اُموی ستارہ" کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ حضرت رسول کریمؐ نے اسے بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ کیا ۔ یہ صاحب ان سے ملے بغیر واپس آگئے اور کہا کہ ان لوگوں نے مجھے قتل کرنا چاہا اور صدقات دینے سے انکار کردیا ۔ رسول خدؐا نے مذکورہ قبیلہ کے خلاف فوج کشی کا ارادہ کرلیا ۔ اس اثناء میں ان کا ایک وفد رسول خدؐا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ! ہم نے آپؐ کے قاصد کی آمد کا سنا تھا ہم اس کی تعظیم وتکریم کے لئے باہر آئے لیکن آپ کا قاصد ہمیں دیکھ کر دور سے ہی واپس چلا گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی :۔ "يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ" (۱) ۔

"ایمان والو ! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو تکلیف پہنچاؤ اور بعد میں اپنے کیے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے ۔"

ولید وہ "شخصیت" ہیں کہ ایک دفعہ اس کی بیوی رسولِ خدؐا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کی شکایت کی کہ وہ اسے ناحق مارتا پیٹتا ہے ۔

(۱) الحجرات ۔ ۶ ۔

رسولِ خدؐا نے اسے فرمایا کہ جاکر اپنے شوہر سے کہہ دو کہ مجھے رسول خدؐا نے امان دی ہے ۔ وہ بے چاری چلی گئی اور رسول خدؐا کا پیغام سنایا ۔

دوسرے دن عورت پھر حاضر ہوئی اور عرض کی :۔ یارسول اللہؐ ! اس نے آپ کا پیغام سن کر مجھے مارا ۔

رسولِ خدؐا نے اس کے کپڑے کا ایک حصہ پھاڑا اور کہا جاکر شوہر سے کہو کہ رسولِ خدؐا نے بطور نشانی اس کپڑے کو پھاڑا ہے ۔ لہذا تم مجھے مت مارو ۔ وہ عورت چلی گئی ۔ تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ روتی ہوئی رسول خدؐا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی :۔ یارسول اللہؐ ! میں نے آپ کا فرمان اسے سنایا اور نشانی بھی دکھائی ۔ لیکن اس نے مجھے پہلے سے بھی زیادہ پیٹا[1] ۔

کوفہ میں ولید کی شراب نوشی

حضرت عثمان نے اسی ولید کو کوفہ کا والی مقرر کیا اور یہ "بزرگوار" اپنے ہم پیالہ ساتھیوں کے ساتھ ساری ساری رات شراب پیا کرتا تھا ۔ ایک دفعہ صبح کی اذان ہوئی تو یہ صاحب نشہ میں دھت تھے اور نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں چلے گئے اور فجر کی نماز دو رکعت کی بجائے چار رکعت پڑھائی ۔ اور پھر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے کہا :۔ اگر ارادہ ہو تو اور زیادہ پڑھادوں ؟

بعض راوی بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سجدہ میں تھے تو کہہ رہے تھے کہ :۔
خود بھی پیو اور مجھے بھی جام پلاؤ ۔

پہلی صف میں کھڑے ہوئے ایک نمازی نے کہا :۔ مجھے تجھ پر کوئی حیرت نہیں ہے ۔ مجھے تو اس پر تعجّب آتا ہے جس نے تجھ جیسے شخص کو ہمارا والی بنا کر بھیجا ۔ ولید نے ایک دفعہ خطبہ دیا تو لوگوں نے اس پر پتھراؤ کیا ۔ صاحب

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد چہارم ۔ ص ۱۹۵ ۔

موصوف پتھراؤ سے گھبرا کر اپنے محل میں چلے گئے ۔

ولید زانی تھا ۔ شراب پیا کرتا تھا ۔ ایک دفعہ شراب پی کر مسجد میں نماز پڑھانے آیا تو اس نے محراب میں قے کردی اور قے میں شراب کا رنگ نمایاں تھا ۔ قے کرنے کے بعد اس نے یہ شعر پڑھا :

عَلِقَ الْقَلْبُ الرَّبَابَا   بَعْدَ مَاشَابَتْ وَشَابَا

"میرا دل رباب سے اٹک گیا ۔ جب وہ جوان ہوگئی اور میں بھی جوان ہوگیا ۔"

اہل کوفہ نے حضرت عثمان کے پاس اس کی شکایت کی اور حد شرعی کا مطالبہ کیا ۔ ناچار حضرت عثمان نے ایک شخص کو حد جاری کرنے کے لئے کہا ۔ جب وہ شخص درہ اٹھاکر ولید کے قریب گیا تو ولید نے حضرت عثمان سے کہا :۔ آپ کو اللہ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے معاف کردیں ۔ حضرت عثمان نے اسے چھوڑدیا اور پھر خیال کیا کہ دنیا یہ کہے گی کہ عثمان نے حد شرعی کو چھوڑ دیا ہے اس خیال کے تحت انہوں نے خود ہی اسے اپنے ہاتھ سے دوچار کوڑے مار کر چھوڑ دیا ۔

اہل کوفہ دوبارہ ولید کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے تو حضرت عثمان اہل کوفہ پر سخت ناراض ہوئے اور کہا :۔ تم لوگ جب بھی کسی امیر پر ناراض ہوتے ہو تو اس پر تہمتیں تراشتے ہو ۔

ان لوگوں نے حضرت عائشہ کے پاس جاکر پناہ لی ۔ جب حضرت عثمان نے دیکھا کہ ان لوگوں کو امّ المومنین نے پناہ دے رکھی ہے تو کہا کہ :۔ عراق کے فاسق اور بدمعاشوں کو عائشہ کا گھر ہی پناہ دیتا ہے ۔ یہ الفاظ بی بی عائشہ نے سنے تو رسولِ خدؐا کی نعلین بلند کر کے کہا :۔ تو نے اس نعلین کے مالک کی سنت کو چھوڑ دیا ہے[1] ۔

(۱) المسعودی ۔ مروج الذہب ۔ جلد دوم ۔ ص ۲۲۴ ۔

ولید کو والیٔ کوفہ کیوں بنایا گیا

ولید کے والی کوفہ بننے کی داستان بھی عجیب ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان جس تخت پر بیٹھا کرتے تھے۔ اس پر ایک اور شخص کے بیٹھنے کی گنجائش بھی موجود تھی۔

حضرت عثمان کے ساتھ صرف چار افراد ہی بیٹھا کرتے تھے اور وہ عباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان بن حرب، حکم بن ابی العاص اور ولید بن عقبہ تھے۔

ایک دن ولید حضرت عثمان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ حکم بن ابی العاص آگیا تو حضرت عثمان نے ولید کو کھڑا ہونے کا اشارہ کیا تاکہ حکم کو بٹھایا جاسکے۔ جب کچھ دیر بعد حکم چلا گیا تو ولید نے کہا۔ آپ نے اپنے چچا کو اپنے چچا زاد پر ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ سے میں نے دو شعر تخلیق کئے ہیں۔

واضح رہے کہ مروان کا باپ حکم حضرت عثمان کا چچا تھا اور بنی امیہ کا بزرگ تھا اور ولید حضرت عثمان کا مادری بھائی تھا۔

حضرت عثمان نے کہا وہ شعر مجھے سناؤ۔

رَاَیْتُ لِعَمِّ الْمَرْءِ زُلْفٰی قَرَابَة   دوینَ اَخِیْهِ حَادِثًالَمْ یَکُنْ قدمَا
فَاَملْتُ عُمرًا اَنْ یَّشبَّ وَخَالِدًا   لِکَیْ یَدْعُوَانِیْ یَوْمَ نَائِبَةٍ عَمَّا

"میں نے دیکھ لیا ہے کہ بھائی کی بہ نسبت لوگ چچا کا زیادہ احترام کرتے ہیں، پہلے یہ بات رائج نہ تھی۔ آپ کے دونوں فرزندوں یعنی عمر اور خالد کی عمر دراز ہو تاکہ وہ بھی ایک دن مجھے چچا کہہ کر مخاطب کریں۔"

یہ شعر سن کر حضرت عثمان نے کہا کہ تم بھی کیا یاد رکھوگے۔ میں نے تمہیں کوفہ کا گورنر بنایا۔

جی ہاں! یہ وہی ولید ہے جسے قرآن میں فاسق کہا گیا۔ یہی وہ ولید ہے

جس نے رسولِ خدا کے فرمان کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

گورنری کا پروانہ لے کر ولید کوفہ پہنچا اور والیٔ کوفہ سعد سے ملاقات کی۔ سعد نے پوچھا کہ تم یہاں سیر و سیاحت کرنے آئے ہو یا یہاں کے حاکم بن کے آئے ہو؟

ولید نے کہا۔ میں یہاں کا حاکم بن کر آیا ہوں۔ یہ سن کر سعد نے کہا خدا کی قسم مجھے علم نہیں ہورہا کہ میں پاگل ہوگیا ہوں یا تو دانا ہوگیا ہے؟ ولید نے کہا۔ نہ تو آپ پاگل ہوئے ہیں اور نہ ہی میں دانا ہوا ہوں، جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہے یہ انہی کا فیصلہ ہے۔[(۱)]

حضرت عثمان کے دیگر عمال کے متعلق بھی کتب تاریخ بھری ہوئی ہیں حضرت عثمان نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ اس وقت اس کی عمر پچیس برس تھی۔ جب کہ اس وقت کبار صحابہ اور تجربہ کار افراد بھی موجود تھے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا گیا۔ یہ وہی شخص ہے جسے اللہ اور رسولِ خدا نے واجبُ القتل قرار دیا تھا اور فتح مکہ کے دن اعلان فرمایا تھا کہ ہر شخص کو امان ہے مگر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کیلئے کوئی امان نہیں ہے۔ یہ شخص اگر غلاف کعبہ سے بھی چمٹا ہوا ہو تو بھی اسے قتل کردیا جائے۔[(۲)]

---

(۱) ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ الفتنۃ الکبریٰ۔ عثمان بن عفان ص۔ ۱۸۷۔
(۲) عبدالفتاح عبدالمقصود۔ الامام علی بن ابی طالب جلد دوم ص ۳۳۔

حضرت عثمان کا صحابہ سے سلوک

بنی امیہ کے ظالم حکام نے مسلمانوں سے جو سلوک کیا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے ۔ لیکن حضرت عثمان نے بذاتِ خود جو اجلّہ صحابہ سے سلوک کیا وہ کسی طرح سے بھی مستحسن نہیں ہے ۔

تاریخ کے قارئین جانتے ہیں کہ عامۃ المسلمین کے ساتھ حکام بنی امیہ نے اتنی بدسلوکی نہیں کی جتنی کہ حضرت عثمان نے جلیل القدر صحابہ کے ساتھ کی ۔

جب صحابہ کرام کی ممتاز جماعت نے حضرت عثمان کے عمال کی ان کے پاس شکایت کی اور یہ مطالبہ کیا کہ ایسے قماش کے حکمرانوں کو معزول کیا جائے تو حضرت عثمان نے حسن تدبیر کی جگہ اکابر صحابہ کو تشدد کا نشانہ بنایا ۔

حضرت عثمان کے تشدد کا نشانہ بننے والے افراد میں حضرت عبداللہ بن مسعود شامل ہیں ۔ قرآن مجید کی جمع و تدوین کے وقت ان کا آپس میں تنازعہ ہوا تو حضرت عثمان نے انہیں مطمئن کرنے کی بجائے انہیں درے مارنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان کے غلاموں نے ان پر بے تحاشہ تشدد کیا ، انہیں اٹھاکر زمین پرپٹکا گیا جس کی وجہ سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور اتنا تشدد کر کے بھی انہیں تسکین نہ ہوئی تو انہوں نے ان کا وظیفہ بند کردیا ۔ حضرت ابوذر غفاری کے ساتھ اس سے بھی زیادہ برا سلوک کیا گیا ۔

حضرت ابوذر غفاری رسالت مآب کے عظیم المرتبت صحابی ہیں اور رسول خدا نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ :۔ جنت ابوذر کی مشتاق ہے ۔ جناب رسول خدا نے ابوذر غفاری کے زہد و تقویٰ کی تشبیہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے دی تھی ۔ اور ان کے متعلق رسولِ خدا کی مشہور حدیث وارد ہے :۔ "مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ اَصْدَقَ مِنْ ذِیْ لَهْجَةٍ مِّنْ اَبِیْ ذَرٍّ" آسمان نے

سایہ نہیں کیا اور زمین نے اپنی پشت پر کسی ایسے انسان کو نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو ۔"

حضرت عثمان کے دور میں سرمایہ داری نظام کے عروج کو دیکھ کر حضرت ابوذر اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے اور سارا دن مدینہ کے بازاروں میں سرمایہ داری کی مخالفت کیا کرتے تھے اور سورۃ توبہ کی آیت کی تلاوت فرماتے تھے: "وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" یعنی جو لوگ سونا چاندی کے ڈھیر اکٹھے کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ، انہیں دردناک عذاب کی بشارت دو ۔ جس دن دوزخ کی آگ میں سونا چاندی کو تپایا جائے گا اور ان کی پیشانیوں ، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ تمہارا ذخیرہ کردہ مال ہے اس کا مزہ چکھو ۔"

حضرت عثمان نے محسوس کیا کہ ابوذر کی تعلیمات سے مدینہ کے غریب طبقہ کے لوگ متأثر ہو رہے ہیں تو انہیں جلا وطن کر کے شام بھیج دیا گیا اور شام کے والی معاویہ بن ابی سفیان کو ان پر کڑی نظر رکھنے کا حکم دیا گیا ۔

حضرت ابوذر کا شام میں بھی وہی رویّہ رہا جو کہ مدینہ میں تھا آخرُالامر معاویہ نے انہیں درشت اونٹ پر سوار کر کے مدینہ روانہ کیا اور حضرت عثمان نے انہیں مدینہ میں رہنے کی اجازت نہ دی ۔ ان کو عرب کے صحرائے ربذہ میں جلاوطن کیا گیا ۔ جہاں ان کے فرزند ذر کی وفات ہوگئی اور وہ اور ان کی بیٹی صحرا میں اکیلے رہ گئے ۔ چند دنوں کے بعد عالم غربت میں ان کی وفات ہوئی ۔ اہل عراق کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا تو انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کے اس جلیل القدر صحابی کی تجہیز و تکفین کی ۔

بلاذری بیان کرتے ہیں کہ جب خلیفہ عثمان کو حضرت ابوذر کی وفات کی خبر ملی تو حضرت عثمان نے کہا :۔ اس پر اللہ کی رحمت ہو ۔

حضرت عمّار نے فرمایا :۔ اس کے جلاوطن کرنے والے کے متعلق کیا خیال ہے ؟ تو حضرت عثمان نے بڑے تیز و تند لہجے میں عمار سے کہا :۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں ابوذر کو جلاوطن کر کے نادم ہوں ۔

اس کے بعد حضرت عثمان نے جناب عمار بن یاسر کی جلاوطنی کے احکام جاری کئے اور کہا کہ تو بھی ربذہ چلاجا ۔

حضرت عمار نے جلاوطنی کے لئے اپنی تیاری مکمل کرلی تو ان کے قبیلے بنو مخزوم کے افراد داد رسی کے لئے حضرت علیؑ کے پاس آئے ۔ حضرت علیؑ ، عثمان کے پاس گئے اور فرمایا :۔ خدا کا خوف کر، تونے پہلے ہی ایک صالح مسلمان کو جلاوطن کیا ہے اور وہ بے چارہ جلاوطنی میں فوت ہوچکا ہے اور پھر تو اس واقعہ کو دہرانے کا خواہش مند ہے ۔ ان دونوں کے درمیان کافی تلخ جملوں کا تبادلہ ہوا ۔ خلیفہ عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا :۔ عمار کی بجائے جلاوطنی کا زیادہ حقدار تو ہے ۔

حضرت علیؑ نے فرمایا :۔ اگر تجھ میں جرأت ہے تو ایسا کرکے بھی دیکھ لے ۔ بعد ازاں مہاجرین جمع ہوکر خلیفہ کے پاس آئے اور کہا :۔ جب بھی کسی شخص نے تم سے گفتگو کی ہے تم نے اسے جلاوطن کردیا ہے ۔ تمہاری یہ روش اچھی نہیں ہے ۔[۱]

حضرت عمار کی جلاوطنی کے احکام انہیں مجبوراً واپس لینے پڑے ۔ حضرت عمار جیسے جلیل القدر صحابی کو جس وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا اس کی مزید تفصیل علامہ عبدالفتاح عبدالمقصود کی زبانی سماعت فرمائیں : " بہت سے صحابہ نے بنی امیہ کے ظالم عمال کی شکایات کے لئے ایک مشترکہ خط تحریر کیا ۔ حضرت عمار وہ خط لے کر خلیفہ صاحب کے پاس گئے ۔ جب عمار خلیفہ عثمان کے دربار میں پہنچے تومروان نے حضرت عثمان سے کہا : یہ کالا حبشی غلام لوگوں کو آپ کے خلاف

(۱) انساب الاشراف ۔ جلد پنجم ۔ ص ۵۴ ۔ ۵۵ ۔

برانگیختہ کر رہا ہے ۔ اگر آج آپ اسے قتل کردیں تو آئندہ کے فتنہ سے محفوظ ہوجائیں گے ۔"

حضرت عثمان نے مروان کی رائے کو پسند کیا اور عصا اٹھا کر حضرت عمار کو بے تحاشہ مارا ۔ خلیفہ کے خاندان کے افراد نے بھی انہیں مارنے میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی ۔

ان ظالمانہ ضربات کی وجہ سے انہیں " فتق " کا عارضہ لاحق ہوگیا ۔ حضرت عمار بے ہوش ہوگئے ۔ خلیفہ کے نوکروں نے انہیں پکڑ کر برستی ہوئی بارش اور ٹھنڈے موسم میں سڑک کے کنارے ڈال دیا [۱] ۔" اسی دور میں عدلِ اجتماعی ختم ہوچکا تھا اور امت اسلامیہ پر ظلم و جور کے سائے منڈلا رہے تھے ۔

محقق معاصر ڈاکٹر طہٰ حسین نے بالکل درست لکھا ہے کہ :۔ دور عثمانی کے لئے اہل سنت اور معتزلہ کو حضرت عثمان کے عمال کی ہی صفائی نہیں دینی پڑے گی بلکہ انہیں خود حضرت عثمان کے اعمال کی بھی صفائی دینی ہوگی ۔ انہوں نے عظیم المرتبت صحابہ بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ کسی طور پر صحیح نہیں ہے ۔

حضرت عمار کو اتنا مارا گیا کہ انہیں مرض " فتق " لاحق ہوگیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو بے عزت کرکے مسجد سے نکالا گیا اور تشدد کے ذریعے ان کی پسلیاں توڑ ڈالی گئیں ۔

ان دو عظیم المرتبت انسانوں کے ساتھ حضرت عثمان نے جو سلوک کیا تھا صرف اپنے عمال کی زبان پر اعتماد کیا گیا تھا ۔

ان دونوں بزرگواروں پر باقاعدہ کوئی مقدمہ نہیں چلایا گیا تھا اور نہ ہی فریقین سے بیان لئے گئے تھے اور کسی واضح اور ٹھوس ثبوت کے بغیر ان کو وحشیانہ

(۱) عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ الامام علی بن ابی طالب ۔ جلد دوم ۔ ص ۳۴ ۔

تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا ۔

یقیناً حضرت عثمان کو ایسا کرنے کا کوئی قانونی اور شرعی اختیار حاصل نہ تھا ۔ حضرت ابوذر کی مثال کو ہی لے لیں ۔ ان کا جرم صرف یہی تھا کہ انہوں نے ان کی مالیاتی پالیسی بالخصوص اقرباء پروری یعنی بنی امیہ نوازی کو ہدف تنقید بنایا تو انہیں اس کی پاداش میں مدینہ سے نکال دیا گیا ۔

حضرت عثمان نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے حکام و عمال کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ جس کو چاہیں جلاوطن کریں ۔ اس اجازت کے ملنے کے بعد ان کے عمال کبھی اپنے مخالفین کو کوفہ سے شام جلاوطن کرنے لگے اور کبھی شام سے بصرہ اور کبھی بصرہ سے مصر جلاوطن کرتے تھے ۔ گویا سعید جلاوطن کرکے معاویہ کے پاس بھیجتا تھا اور معاویہ لوگوں کو جلاوطن کر کے سعید کے پاس بھیجتا اور سعید عبدالرحمان بن خالد کی طرف جلاوطن کردیتا تھا ۔ مظلوم لوگوں کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا اور نہ ہی انہیں کسی عدالت میں پیش کیا جاتا تھا اور ان کو کسی قسم کی صفائی کا موقع بھی فراہم نہیں کیا جاتا تھا [۱] ۔

عبداللہ بن مسعود کی داستان مظلومیت

حضرت عبداللہ بن مسعود کی داستانِ مظلومیت خاصی عبرت انگیز ہے ۔

ان کے مصائب کی ابتداء اس وقت ہوئی جب حضرت عثمان کا مادری بھائی ولید بن عقبہ کوفہ کا گورنر بن کے آیا ۔ جناب عبداللہ بن مسعود اس وقت کوفہ کے بیت المال کے خازن تھے ۔

ولید نے ان سے ایک بڑی رقم بطور قرض مانگی انہوں نے دے دی ۔ چند دنوں کے بعد ولید نے ایک اور بھاری رقم نکالنے کا حکم دیا ۔ تو انہوں نے انکار

(۱) ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری ۔ الفتنۃ الکبریٰ " عثمان بن عفان " ۔ ص ۱۹۸ ۔ ۱۹۹ ۔

کردیا ۔ ولید نے حضرت عثمان کی طرف ایک خط لکھا جس میں بیتُ المال کے خازن کے اس طرز عمل کی شکایت کی ۔

حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو خط لکھا کہ تم ہمارے مال کے خازن ہو ۔ لہذا تم ولید کو مال لینے سے منع نہ کرو ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ خط پڑھ کر چابیاں پھینک دیں اور کہا کہ :۔ میں اپنے آپ کو مسلمانوں کا خازن تصور کرتا تھا اور اگر مجھے تمہارا خازن بننا ہے تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔

بیت المال کو چھوڑنے کے بعد بھی وہ کوفہ میں مقیم رہے ۔

ولید نے سارا واقعہ خط میں لکھ کر حضرت عثمان کو روانہ کیا ۔ حضرت عثمان نے ولید کو لکھا کہ اسے کوفہ سے نکال کر مدینہ بھیج دو۔حضرت ابن مسعود نے کوفہ چھوڑا اور اہلِ کوفہ نے ان کی مُشایَعت کی اور ابن مسعود نے انہیں اللہ کے تقویٰ اور تمسّک بِالقرآن کی وصیت کی ۔ اہلِ کوفہ نے ان سے کہا :۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے ۔ آپ نے ہمارے جاہلوں کو تعلیم دی اور ہمارے علماء کو ثابت قدمی کا درس دیا ۔ آپ نے ہمیں قرآن کی تعلیم دی اور دین کی سمجھ عطا کی ۔

ابن مسعود مدینہ آئے اس وقت حضرت عثمان منبرِ رسول پر خطبہ دے رہے تھے ۔ جب ان کی نظر ابن مسعود پر پڑی تو کہا :۔ وہ دیکھو بُرائی کا کیڑا تمہارے پاس آیا ہے ۔

ابن مسعود نے کہا :۔ میں ایسا نہیں ہوں میں تو پیغمبر اکرمؐ کا صحابی ہوں۔ حضرت عثمان نے اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ اسے مسجد سے ذلت کے ساتھ باہر نکال دیں اور عبداللہ بن زمعہ نے انہیں اٹھا کر پوری قوت کے ساتھ زمین پہ پٹکا دیا ۔ جس کی وجہ سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود مدینہ میں رہے ۔ عثمان انہیں مدینہ سے باہر

جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے ۔

قتلِ عثمان سے دو برس قبل ان کی وفات ہوئی ۔ وفات سے چند روز قبل حضرت عثمان ان کی عیادت کے لئے آئے تو پوچھا ۔

عثمان :- آپ کو کونسی بیماری کی شکایت ہے ؟

ابن مسعود :- اپنے گناہوں کی ۔

عثمان :- کیا میں طبیب کو بلاؤں ؟

ابن مسعود :- طبیب نے تو بیماری دی ہے ۔

عثمان :- آپ کیا چاہتے ہیں ؟

ابن مسعود :- اپنے رب کی رحمت ۔

عثمان :- کیا میں تمہارا وظیفہ جاری کردوں ؟

ابن مسعود :- جب مجھے ضرورت تھی تو تم نے روک لیا تھا ۔ اب جبکہ میں موت کے استقبال کے لئے آمادہ ہوں تو میں وظیفہ لے کر کیا کروں گا؟

عثمان :- وظیفہ سے آپ کی اولاد کی گزر بسر اچھی ہوگی ۔

ابن مسعود :- ان کا رازق اللہ ہے ۔

عثمان :- عبدالرحمان کے ابا ! میری بخشش کے لئے اللہ سے دعا مانگیں ۔

ابن مسعود :- میری خدا سے درخواست ہے کہ تجھ سے میرا حق وصول کرے ۔

حضرت ابن مسعود وصیت کر کے گئے تھے کہ ان کی نماز جنازہ میں عثمان شامل نہ ہوں[۱] ۔

حضرت عثمان کے طرز عمل پر لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں ۔ کچھ اعتراضات تو ان واقعات کی وجہ سے ہوئے ہیں جو ہر لحاظ سے رُوحِ اسلام ، سنتِ نبوی اور سیرتِ شیخین کے خلاف تھے ۔

---

(۱) البلاذری ۔ انساب الاشراف ۔ جلد چہارم ۔ ص ۲۰ ۔

صحابۂ کرام نے حضرت عثمان کے دوسرے تصرفات پر بھی اعتراض کیا۔ ان میں سے کچھ کا تعلق قرآن و سنت کی مخالفت کی وجہ سے تھا ۔ ان تمام اعتراضات کا جامع خلاصہ ڈاکٹر طہٰ حسین نے یوں بیان کیا ۔

مخالفین کے حضرت عثمان پر الزامات

حضرت عثمان کے مخالفین ان پر الزام عائد کرتے تھے کہ انہوں نے اقتدار سنبھالتے ہی اللہ کی بیان کردہ حد شرعی کو معطل کیا ۔

۱ ۔ انہوں نے حضرت عمر کے بیٹے عبیداللہ پر حد شرعی جاری نہیں کی تھی ۔ جب کہ اس نے اپنے باپ کے قتل کے بدلے ہرمزان ، جُفینہ اور ابُولؤلؤ کی بیٹی کو قتل کردیا تھا ۔ حالانکہ حق یہ تھا کہ وہ اپنے والد کے قتل کا مقدمہ عدالت میں پیش کرتے اور عدالت اس کے باپ کے قاتل کو سزا دیتی ۔ اس نے عدالت سے رجوع کرنے کی بجائے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور ایک قاتل کے بدلے میں تین بے گناہ افراد کو قتل کردیا تھا ۔ جب کہ ہرمزان مسلمان تھا اور جفینہ اور ابولؤلؤ کی بیٹی اسلامی ریاست کے ذمی تھے اور اسلام مسلمانوں اور ذمیوں کے خون کا تحفظ کرتا ہے ۔ صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا تھا کہ حضرت عمر کے بیٹے سے قصاص لینا فرض ہے اور اس اسلامی قانون کو کسی صورت بھی معطل نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت عثمان نے کوئی قصاص نہ لیا اور کہا کہ " کل اس کا باپ قتل ہوا اور آج اس کو بیٹے کو میں قتل کروں ۔" چنانچہ انہوں نے حضرت عمر کے بیٹے کو معاف کردیا ۔ اس دور کے مسلمانوں نے اس بات پر شدید احتجاج کیا تھا اور کہا تھا کہ قصاص نہ لینا قرآن و سُنّت کی عملی نفی ہے اور مزید یہ "سیرت شیخین " کی بھی کھلم مخالفت ہے ۔

۲ ۔ انہوں نے مِنیٰ میں نماز پوری پڑھی ۔ جب کہ رسول خدا اور شیخین نے

وہاں نماز قصر پڑھی تھی اور خود حضرت عثمان بھی کئی برس تک وہاں نماز قصر پڑھتے تھے ۔

صحابہ کرام کو اس مقام پر پوری نماز دیکھ کر دکھ ہوا تھا ۔ کیونکہ وہ اسے سنت نبوی کی مخالفت سمجھتے تھے اور بالخصوص مہاجرین کی نظر میں یہ ایک انتہائی خطرناک چیز تھی ۔ کیونکہ رسولِ خدا نے جب مکہ سے ہجرت کی تو انہوں نے مدینہ کو ہی اپنے لئے " دار اقامت " قرار دیا تھا اور مکہ کو اپنے لئے اجنبی شہر قرار دیا تھا ۔ اسی لئے رسول خدا اور ان کے اصحاب جب بھی مکہ آتے تو نماز ہمیشہ قصر پڑھا کرتے تھے تاکہ ہر شخص سمجھ لے کہ وہ مکہ کو اپنا وطن نہیں سمجھتے اور نہ ہی وہاں دوبارہ آباد ہونا چاہتے ہیں ۔ حضور اکرمؐ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ ہجرت کے بعد کوئی صحابی مکہ میں فوت ہو ۔

۳ ۔ صحابہ کرام نے حضرت عثمان کے دور کی زکوٰۃ پر بھی اعتراض کیا تھا، کیونکہ حضرت عثمان نے گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ وصول کی، جب کہ رسول خدا نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا تھا اور حضرات شیخین کے عہد حکومت میں بھی گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی تھی ۔

۴ ۔ صحابہ کرام نے چراگاہوں پر حضرت عثمان کے قبضہ کی مخالفت کی تھی۔ کیونکہ اللہ اور رسولؐ نے پانی ، ہوا اور چراگاہوں کو تمام لوگوں کی ملکیت قرار دیا ہے۔

۵ ۔ حضرت عثمان کے دور میں زکوٰۃ کو جنگ میں بھی خرچ کیا جاتا تھا ۔ اسی لئے بہت سے صحابہ نے اس کی مخالفت کی تھی اور ان کی دلیل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مصارف زکوٰۃ کی تفصیل بیان کردی ہے اور مذکورہ مصارف کے علاوہ زکوٰۃ کو کسی اور مصرف میں خرچ نہیں کیا جاسکتا ۔

۶ ۔ قرآن مجید کی جمع و تدوین کے وقت بھی صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے ان پر سخت اعتراضات کئے تھے اور ان کا موقف یہ تھا کہ تدوینِ قرآن کے لئے جو

کمیٹی قائم کی گئی ہے وہ چند منظور نظر افراد پر مشتمل ہے ۔ جب کہ اس وقت قرآن کے قراء و حفاظ کی معتد بہ ایسی جماعت بھی موجود تھی جو ہر لحاظ سے کمیٹی ممبران سے قرآن مجید کا زیادہ علم رکھتی تھی ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؑ جیسی شخصیات کو قرآن کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا تھا ۔ واضح ہو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود قرآن مجید کے بہت بڑے قاری تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول خدا سے ستر سورتیں اس وقت سنی تھیں جب کہ زید بن ثابت ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے اور حضرت علیؑ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے متعلق اللہ نے خود فرمایا "وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ" اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے ۔" اتنی بڑی شخصیات کو چھوڑ کر زید بن ثابت اور ان کے دوستوں تدوین قرآن کیلئے مقرر کرنا درست نہیں تھا۔

۷ ۔ قرآن مجید کے باقی نسخوں کو نذر آتش کرنا بھی صحیح اقدام نہ تھا ۔

۸ ۔ حضرت عثمان کے مخالفین ان پر یہ اعتراض بھی کیا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے طرید رسولؐ چچا حکم اور اس کے بیٹے مروان کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دی ۔ جب کہ رسول خدا نے اسے مدینہ سے جلاوطن کیا تھا ۔

۹ ۔ دور جاہلیت میں حکم بن ابی العاص کا گھر رسول خدا کے گھر کے قریب تھا اور وہ آپ کا بدترین ہمسایہ تھا ۔ ہمیشہ حضور اکرمؐ کو اذیتیں دیا کرتا تھا ۔

فتح مکہ کے بعد اس نے اپنی جان بچانے کے لئے اسلام قبول کیا اور مدینہ آکر بھی وہ اپنی حرکات سے باز نہ آیا ۔ یہاں وہ جناب رسولِ خدا کی نقلیں اتارا کرتا تھا ۔ ایک دفعہ رسول خدا نے اسے اپنی آنکھوں سے یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھ لیا تو فرمایا کہ حکم اور اس کی اولاد میرے ساتھ ایک شہر میں نہیں رہ سکتی ۔ بعد ازاں اسے طائف جلاوطن کردیا گیا ۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دور میں بھی وہ بدستور جلاوطن رہا ۔ حضرت عثمان نے اقتدار پر آتے ہی اپنے چچا اور اس کی

اولاد کو مدینہ بلالیا ۔ صحابہ کرام کہا کرتے تھے کہ جس منحوس صورت کو رسول خدا اپنی زندگی میں دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے ۔ عثمان کو بھی چاہیئے تھا کہ وہ اسے مدینہ بلاکر حضور کی اذیت کا موجب نہ بنتا ۔

۱۰ ۔ حضرت عثمان نے طرید رسولؐ چچا کو صرف مدینہ لانے پر ہی بس نہ کی بلکہ مسلمانوں کے بیتُ المال سے اسے لاکھوں دینار بھی عطا کئے تو کیا یہ انعام رسول خدا کو اذیت دینے کے صلہ میں دیا گیا تھا یا کوئی اور وجہ تھی ؟

۱۱ ۔ حکم کے بیٹے مروان بن الحکم کو اپنا مشیر خاص مقرر کیا ۔ تو کیا اس دور میں مروان کے علاوہ کوئی صالح مسلمان باقی نہیں رہا تھا ؟

۱۲ ۔ حارث بن حکم کو امور مدینہ کا انچارج مقرر کیا گیا ۔ اس نے وہ طرز عمل اختیار کیا جو کسی طور بھی امانت و دیانت کے تقاضوں کے مطابق نہ تھا ۔ اس سے خیانت کی باز پرس کی بجائے خصوصی نوازشات سے نوازا گیا [۱] ۔

اپنوں کی طوطا چشمی

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے ۔

حضرت عثمان کی سیاست اس وقت دم توڑنے لگی جب ان کے اپنوں نے بھی ان سے آنکھیں چرانی شروع کیں ۔ کثرت زر اور شکم سیری نے انہیں یہ روز بد دکھایا کہ خود ان کے افراد خانہ اور ان کے مقربین اور جنہوں نے ان کو خلیفہ بنانے میں کردار ادا کیا تھا وہ بھی ان کی مخالفت کرنے لگے ۔

محمد بن ابی حذیفہ کی مثال آپ کے سامنے ہے ۔ اسے ان سے یہ شکوہ پیدا ہوا کہ حضرت عثمان ان پر اپنے دیگر افراد خاندان کو ترجیح دیتے ہیں ۔ چنانچہ وہ غزوہ روم سے واپس آنے والوں سے گفتگو کرتا اور کہتا کہ :۔ کیا تم جہاد سے واپس

(۱) ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری ۔ الفتنۃ الکبریٰ "عثمان بن عفان" ص ۱۷۵ ۔ ۱۷۶ ۔

آرہے ہو ؟

وہ کہتے کہ جی ہاں ! حجاز کی طرف وہ انگلی کا اشارہ کر کے کہتا تھا ۔ ہمیں اس وقت تو عثمان سے جہاد کرنے کی ضرورت ہے ۔

یہ " حضرت " مزید نفرتیں پھیلانے کے لئے مصر گئے ۔ وہاں مخالفین عثمان کو منظم کرنے لگا اور ان سے کہتا تھا :۔ مصر والو ! اگر جہاد کرنا ہے تو مدینہ چلو اور عثمان سے جہاد کرو ۔

حضرت عثمان نے اس کا منہ بند کرنے کے لئے اس کے پاس تیس ہزار درہم اور شاہی خلعت روانہ کی ۔ اس نے مذکورہ رقم اور خلعت کو مسجد میں لاکے رکھا اور کہا لوگو ! گواہ رہنا عثمان ان سکّوں کے عوض میرے دین اور ضمیر کو خریدنا چاہتا ہے ۔ مگر میں بکنے والا شخص نہیں ہوا ۔

اس واقعہ سے مصر میں حضرت عثمان کی مخالفت زیادہ پروان چڑھی ۔

ایک "زُود پشیماں" کی پشیمانی

حضرت عثمان کی اقربا نوازی اور غیر منصفانہ طرز عمل کو دیکھ کر انہیں خلافت دینے والا شخص عبدالرحمان بن عوف بھی ان کا مخالف ہوگیا اور کہتا تھا :۔ اگر میں بعد والے کو پہلے لاتا تو عثمان کو میری جُوتی کا تسمہ بھی خلیفہ نہ بناتا ۔

عبدالرحمان عالم نزع میں کہہ رہے تھے ۔ اسے باز رکھو ، اسے روکنے کی جلدی کرو ۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی حکومت مزید مستحکم ہوجائے [۱] ۔

بلاذری بیان کرتے ہیں :۔ حضرت ابوذر کی المناک وفات کے بعد حضرت علیؑ نے عبدالرحمان بن عوف سے فرمایا :۔ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے ۔ تم نے ہی اس کو حکومت دی تھی اور اس حکومت کی وجہ سے بے گناہ صحابی پر اتنے

(۱) عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ الامام علی بن ابی طالب جلد دوم ص ۶۲ ۔

مظالم ڈھائے گئے ہیں ۔ اس کے اصل مجرم تم ہو ۔

عبدالرحمان نے کہا ۔ اگر آپ چاہیں تو میں اپنی تلوار اٹھا لیتا ہوں اور آپ اپنی تلوار اٹھالیں ۔ دونوں مل کر اس سے جنگ کریں ۔ اس نے میرے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کا لحاظ نہیں رکھا ۔

عبدالرحمان یہ وصیت کر کے مرے تھے کہ ۔ ان کے جنازے میں عثمان شریک نہ ہوں ۔

عمرو بن العاص اور حضرت عثمان

حضرت عثمان نے عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے معزول کردیا ۔ اس لئے عمرو بن العاص بھی ان کا مخالف بن گیا اور اس نے لوگوں کو خلیفہ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور ایک مرتبہ حضرت عثمان کے سامنے اس نے جرات کر کے کہا تھا کہ ۔ تم نے لوگوں پر ظلم کئے اور ہم بھی ان مظالم میں تمہارے شریک تھے لہذا تم بھی توبہ کرو اور ہم بھی تیرے ساتھ توبہ کریں گے ۔

جب عمرو بن العاص نے دیکھا کہ اب حالات حضرت عثمان کے کنٹرول میں نہیں رہے اور ان کا منطقی نتیجہ ظاہر ہونے ہی والا ہے تو وہ فلسطین میں اپنی جاگیر پر چلا گیا اور مدینہ کی خبروں کا انتظار کرنے بیٹھ گیا ۔

فلسطین کی جاگیر میں عمرو بن العاص اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ رہائش پذیر تھا کہ اسے حضرت عثمان کے قتل کی خبر ملی تو اس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہا ۔ عبداللہ ! میں تیرا باپ ہوں ۔ میں نے آج تک جس زخم کو کریدا تو اس سے خون ضرور نکالا ۔

اس جملے سے وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے عثمان کے قتل کی راہ ہموار کی

چنانچہ وہ اب قتل بھی ہوگیا [۱] ۔

عمرو بن عاص خود راوی ہیں کہ ۔ میں نے عثمان کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کیا یہاں تک کہ میں نے چرواہوں کو بھی عثمان کی مخالفت پر آمادہ کیا [۲] ۔

باغیوں کی جانب سے حضرت عثمان کا جو پہلا محاصرہ ہوا اس موقع پر عمرو بن العاص حضرت عثمان کے پاس گیا اور کہا ۔ تم نے لوگوں پر بہت ظلم کئے ہیں ۔ خدا سے ڈرو اور توبہ کرو ۔

حضرت عثمان نے کہا ۔ اے نابغہ کے فرزند! لوگوں کو میرے خلاف جمع کرنے میں تیرا بڑا حصہ ہے کیونکہ میں نے تجھے حکومت مصر سے معزول کیا ہے ۔

اس کے بعد عمرو بن العاص فلسطین آیا اور لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف بھڑکاتا رہا اور جب اس نے حضرت عثمان کے قتل کی خبر سنی تو کہا ۔ میں عبداللہ کا باپ ہوں ۔ میں نے آج تک جس بھی زخم کو کریدا تو اس سے خون ضرور جاری ہوا [۳] ۔

حضرت عثمان اور اُمّ المؤمنین عائشہ

تمام امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کی بہت زیادہ مخالفت کی ۔

جب حضرت عثمان نے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود کو برا بھلا کہا تو اس وقت پردہ کی اوٹ سے ام المؤمنین نے حضرت عثمانؓ کو خوب کھری باتیں سنائیں ۔

---

(۱) ڈاکٹر طہٰ حسین مصری ۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ علیؑ و بنوہ ۔ ص ۶۷ ۔ ۶۸ ۔

(۲) عباس محمود العقاد ۔ عبقریۃ الامام ۔ ص ۸۳ ۔

(۳) البلاذری ۔ انساب الاشراف ۔ جلد پنجم ۔ ص ۷۴ ۔

حضرت عثمان اور ان کے عُمّال پر دل کھول کر تنقید کیا کرتی تھیں اور لوگ مخالفین عثمان میں ام المؤمنین کو سب سے بڑا مخالف تصور کرتے تھے [1]۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے رسولِ خدا کی قمیص اٹھا کر مسجد میں دکھائی اور حاضرینِ مسجد سے فرمایا کہ دیکھ لو، رسول خدا کی تو قمیص بھی پرانی نہیں ہوئی لیکن عثمان نے ان کی سیرت کو پرانا کردیا ہے۔ "نعثل" کو قتل کرڈالو۔ اللہ نعثل کو قتل کرے [2]۔

حضرت عائشہؓ نے لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا اور لوگوں کو متعدد مرتبہ ان کے قتل کا حکم دیا اور جب ستم زدہ عوام نے ان کے گھر کا محاصرہ کیا تو حضرت عائشہؓ حج و عمرہ کا بہانہ کرکے مکہ چلی گئیں اور اپنی لگائی ہوئی آگ کو انہوں نے بجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور مکہ میں رہائش کے دوران ہر وقت مدینہ کی خبر کی منتظر رہتی تھیں۔

ایک دفعہ ایک جھوٹی خبر ان کے گوش گزار ہوئی کہ:۔ حضرت عثمان نے محاصرہ کرنے والے مخالفین کو قتل کرادیا ہے اور شورش دم توڑ گئی ہے۔ یہ سن کر بی بی صاحبہ نے سخت غصہ میں فرمایا:۔ یہ تو بہت برا ہوا، حق کے طلبگاروں کو قتل کردیا گیا اور ظلم کے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا [3]۔

ایک دفعہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہؓ میں کافی تلخ کلامی ہوئی تو حضرت عثمان نے کہا امور سلطنت کے ساتھ تیرا کیا واسطہ ہے؟ اللہ نے تجھے گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔

یہ الفاظ سن کر انہیں سخت غصہ آیا اور رسول خدا کے چند بال اور ایک

(۱) ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ الفتنۃ الکبریٰ۔ علیؑ و بنوہ۔ ص ۲۹۔
(۲) ابن ابی الحدید معتزلی۔ شرح نہج البلاغہ۔ جلد چہارم۔ ص ۴۰۸۔
(۳) عبدالفتاح عبدالمقصود۔ الامام علی بن ابی طالبؑ۔ جلد دوم۔ ص ۲۷۶۔ ۲۷۷۔

لباس اور نعلین مبارک نکال کر فرمایا:۔ رسول خدا کے بال، لباس اور ان کی نعلین تک بوسیدہ نہیں ہوئی تم نے ان کی سنت کو چھوڑ دیا ہے [1]۔

اُمّ المؤمنین اور کبارِ صحابہ کی وجہ سے تمام ملتِ اسلامیہ میں مخالفت کی لہر دوڑ گئی اور باقی ممالک محروسہ کی بہ نسبت حجاز، مصر اور عراق میں مخالفت کی شدت زیادہ تھی۔ اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ حضرت عثمان کو مخالفت کی اس شدید لہر کا احساس نہیں تھا اور کبار صحابہ کے پر خلوص مشوروں کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ انہوں نے ہمیشہ مروان بن حکم اور اپنے دوسرے عُمّال کے مشوروں کو اہمیت دی۔ جب کہ تمام مشکلات ومسائل انہی کے پیدا کردہ تھے۔

بنی امیہ کا اجلاس

جب چاروں طرف سے حضرت عثمان پر تنقید ہونے لگی تو انہوں نے اپنی کابینہ کا خصوصی اجلاس بلایا۔ جس میں معاویہ بن ابی سفیان، عبداللہ بن ابی سرح، عبداللہ بن عامر اور سعید بن عاص نمایاں تھے۔

حضرت عثمان نے معتمدین کے اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔ ہر سربراہ کے وزیر ہوا کرتے ہیں اور تم لوگ میرے وزیر ہو۔ موجودہ خلفشار تمہارے سامنے ہے۔ اس سے نمٹنے کیلئے مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت ہے۔

معاویہ نے تو صرف یہی جواب دیا کہ تمام عمال کو ان کے علاقوں میں بھیج دیا جائے اور وہاں کے تمام شرپسند افراد سے نمٹنے کی ان کو کھلی چھٹی دی جائے اور عمال کو چاہیئے کہ وہ کسی حکومت مخالف فرد کو مدینہ آنے کی اجازت نہ دیں۔

(۱) البلاذری۔ انساب الاشراف۔ ص ۴۸۔ ۴۹۔

سعید بن العاص نے کہا کہ :۔ شورش کے سربراہوں کو قتل کردیا جائے۔
عبداللہ بن ابی سرح نے کہا کہ :۔ قتل کرنے سے ہماری حکومت مزید بدنام ہوگی بیت المال سے ان لوگوں کو بھاری رقمیں دے کر خاموش کرادیا جائے ۔ عبداللہ بن عامر نے کہا کہ :۔ لوگوں کو جہاد میں مشغول کیا جائے اور انہیں سرحدی علاقوں میں بھیج کر اس مشکل سے جان چھڑائی جائے[1] ۔

مشیروں کے درج بالا مشوروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اصل حقیقت کے ادراک سے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں اور وہ کسی ایک نتیجہ پر بھی نہیں پہنچے تھے اور انہوں نے اقرباء پروری اور مالی بدعنوانیوں کو ختم کرنے کی بجائے لوگوں کو بیرونی جنگوں میں الجھانے کا مشورہ دیا اور مذکورہ اجلاس میں حضرت عثمان بھی اپنی کوئی رائے پیش کرنے سے قاصر رہے تھے اور مشکلات کے دقیق اور دائمی خاتمہ کے لئے ان کے پاس کوئی پروگرام نہیں تھا ۔

اس وقت ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی ہے کہ جب چند صحابہ نے انہیں پر خلوص مشورہ دیا تو انہوں نے ان سے کہا کہ :۔ ہر امت کے لئے کوئی نہ کوئی آفت و مصیبت ہوتی ہے اور اس امت کی آفت مجھ پر نکتہ چینی کرنے والے افراد ہیں ۔

اے گروہ مہاجرین و انصار ! تم کیسے لوگ ہو تم نے میرے ایسے کاموں پر بھی اعتراض کیا ہے جنہیں عمر بن خطاب بھی کیا کرتے تھے ۔ لیکن تم نے اس پر تو کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اب مجھ پر تم معترض ہوتے ہو ۔ تم عمر کے سامنے اس لئے اعتراض نہیں کرتے تھے کیونکہ اس نے تمہاری باگیں کھینچ رکھی

(۱) ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری ۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ عثمان بن عفان ۔ ص ۲۰۶،۲۰۰ ۔

تھیں ۔ تمہیں جان لینا چاہیے کہ ابن خطاب کا خاندان چھوٹا خاندان تھا جب کہ میرا خاندان بہت بڑا ہے ۔

حضرت عثمان کی اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا ان سے مطالبہ یہی تھا کہ وہ اپنی حکومت کو قرآن و سنت اور سیرت شیخین کے مطابق چلائیں ۔ مگر صحابہ کے اس جائز اور فطری مطالبہ کے جواب میں حضرت عثمان نے انہیں لالچی اور عیب جو قرار دیا ۔ جبکہ ان القاب کی بجائے ان کا حق یہ تھا کہ وہ اپنی اور اپنے عمال کی صفائی پیش کرتے اور بیت المال کو جس طرح سے بنی امیہ پر لٹایا گیا تھا اس کا حساب پیش کرتے اور عجیب ترین امر یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے اعمال کی صفائی دینے پر تو چنداں توجہ نہیں دی بلکہ انہیں طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ یہی کام تو عمر بھی کیا کرتے تھے لیکن تمہاری زبانیں اس وقت خاموش رہتی تھیں اور خلیفہ صاحب نے اپنے خطبہ کا اختتام ڈرانے دھمکانے پر کیا ۔

انہی بے تدبیریوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ لشکر میں بھی ان کی مخالفت سرایت کرتی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ چنگاری شعلوں کی صورت اختیار کر گئی ۔

یہی وجہ ہے جب عبداللہ بن عامر رومیوں کے بحری بیڑے کو شکست دے کر واپس آیا تو محمد بن ابوحُذیفہ اس کے لشکر کو اس کا مخالف بناچکا تھا ۔ کیونکہ وہ لشکر گاہ میں لوگوں سے کہتا تھا کہ :۔ ہمیں مدینہ جاکر عثمان سے جہاد کرناچاہیے۔ کیونکہ عثمان کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسولؐ اور سیرتِ شیخین سے انحراف کرچکا ہے۔ اصحاب رسولؐ کو کلیدی عہدوں سے ہٹاکر فاسق اور خائن قرابت داروں کو ان عہدوں پر فائز کرچکا ہے ۔ تم لوگ اپنے اسی حاکم اور قائد جہاد کو ہی دیکھ لو ۔ قرآن

نے اس کے کفر کی تائید کی ہے اور رسول خدا نے اسے واجب القتل ٹھہرایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود عثمان نے اسے تمہارا حاکم مقرر کیا ہے کیونکہ یہ اس کا رضاعی بھائی ہے[1]۔

الغرض اس وقت حضرت عثمان کے خلاف ایک ایسا محاذ بن گیا جہاں ان کے خلاف سینہ بہ سینہ خبریں جنم لیتی تھیں اور زبان زد عام و خاص ہوجاتی تھیں۔ لیکن ان خبروں کے اصل ذرائع کا لوگوں کو علم نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی توسیع کی تو اس وقت لوگوں کی زبانوں پر یہ عبارت جاری تھی کہ:۔ دیکھو رسولؐ کی مسجد کی توسیع ہورہی ہے۔ لیکن ان کی سنت سے انحراف کیا جارہا ہے۔

حضرت عثمان کے دور میں کبوتر زیادہ ہوگئے۔ مسجد نبوی، مدینہ کے گھر اور اکثر چھتیں کبوتروں سے بھری ہوئی نظر آنے لگیں تو حضرت عثمان نے کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو اس وقت لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ:۔ پناہ حاصل کرنے والے بے چارے کبوتوں کو تو ذبح کرایا جارہا ہے اور طریدِ رسولؐ حکم بن ابی العاص اور اس کے بیٹے مروان کو گھر میں بسایا جارہا ہے[2]۔

بلاذری نے یہی روایت سعید بن مسیب سے کی ہے کہ حضرت عثمان نے کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو لوگوں نے کہا کہ بے چارے پرندوں کو ذبح کرا رہاہے اور جن کو رسولِ خدا نے مدینہ سے نکالا تھا انہیں پناہ دی جارہی ہے[3]۔

---

(۱) ڈاکٹر طہٰ حسین مصری۔ الفتنۃ الکبریٰ۔ عثمان بن عفان۔ ص ۱۶۸۔
(۲) ایضاً۔
(۲) انساب الاشراف۔ جلد پنجم۔ ص ۷۷۔

ایک سوال جس کا جواب ضروری ہے

اس مقام پر ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور اس کا جواب تلاش کرنا بھی بڑا ضروری ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ:۔

حضرت عثمان کی سیاست کی مخالفت کہاں سے پیدا ہوئی ؟

کیا تحریک مخالفت خلافت کے مرکز مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئی تھی ؟

یا

دوسرے شہروں میں اس تحریک نے جنم لیا اور پھر اس نے مدینہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ؟

واضح الفاظ میں یہ سوال ان الفاظ کے ذریعے بھی کیاجاسکتاہے کہ:۔

حضرت عثمان کی تحریک مخالفت مہاجرین و انصار میں پہلے پہل پیدا ہوئی اور پھر وہاں سے دوسرے شہروں کو منتقل ہوئی ؟

یا

یہ تحریک پہلے فوج میں پیدا ہوئی اور وہاں سے سفر کر کے مدینہ پہنچی اور مہاجرین و انصار کو اپنی طرف مائل کرلیا ؟

ہم جانتے ہیں کہ اندھی عقیدت رکھنے والے افراد کے لئے اس سوال کا جواب دینا بڑا مشکل ہے۔

کیونکہ اگر پہلی صورت کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عثمان کی سیاست کا انکار سب سے پہلے مہاجرین و انصار صحابہ نے کیا بعد ازاں دوسرے لوگوں نے ان کا اتّباع کیا۔

اور اگر دوسری صورت کو کم ضرر رساں سمجھ کر اختیار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عثمان کی سیاسی ناہمواریوں کو دیکھ کر ان کے جاں نثار

لشکر نے ان کی مخالفت کا آغاز کیا اور صحابہ نے مخالفین کی پیروی کی ۔ لیکن ہمیں اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی ہوگی کہ کیا جلیل القدر صحابہ عام افراد کی باتوں میں آسکتے تھے اور ان کے ہاتھوں کھلونا بن سکتے تھے ؟

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے خلاف جو تحریک چلی تھی اس کی ابتداء مدینہ سے ہوئی تھی ۔ اس تحریک مخالفت کا سرچشمہ مدینہ میں ہی تھا اور مدینہ سے یہ تحریک باقی شہروں تک پہنچی (۱) ۔

ہمارے پاس اپنے اس جواب کی صداقت کے لئے بزرگ صحابہ کرام کا طرز عمل موجود ہے ۔

ہم جانتے ہیں کہ حضرت عثمان نے حضرت ابوذر کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمّار یاسر پر کتنا تشدد روا رکھا تھا ؟ اسلامی تاریخ میں حضرت عثمان کے اس " حسن سلوک " کی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور اسی وجہ سے صحابہ کرام بھی ان کی مخالفت پر اتر آئے تھے ۔

بلاذری کی زبانی جبلّہ بن عمرو الساعدی کی گفتگو سماعت فرمائیں : "جس زمانے میں لوگوں میں حضرت عثمان کی مخالفت عام ہوچکی تھی ، انہی ایام میں حضرت عثمان جبلّہ بن عمرو الساعدی کے مکان کے پاس سے گزرے اس وقت جبلہ اپنے دروازے پر کھڑا ہوا تھا تو اس نے حضرت عثمان سے کہا : اے نعثل ! اللہ کی قسم میں تجھے قتل کروں گا یا تجھے جلاوطن کر کے خارش زدہ کمزور اونٹنی پر سوار کروں گا ۔ تو نے حارث بن الحکم کو بازار کا مالک بنایا ہے اور تو نے فلاں فلاں غلط کام کئے ہیں ۔" (۱)

(۱) ڈاکٹر طہٰ حسین مصری ۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ عثمان بن عفان ۔ ص ۱۳۶۔
(۲) البلاذری ۔ انساب الاشراف ۔ جلد پنجم ۔ ص ۴۷۔

واضح ہو کہ حارث بن الحکم مروان کا بھائی تھا اور اس نے بازار مدینہ میں اندھیر مچایا ہوا تھا ۔ اسی لئے جبلہ بن عمرو الساعدی نے اعتراض کیا تھا اور کسی نے حضرت جبلہ سے کہا کہ آپ اس مسئلہ میں حضرت عثمان کی مخالفت ترک کردیں تو انہوں نے کہا تھا کہ مجھے کل اپنے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور میں یہ نہیں کہنا چاہتا ۔ " اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا " (الاحزاب) ۶۷ ۔

" پروردگار ! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں گمراہ کیا ۔"

قتلِ عثمان

حضرت عثمان کے رشتہ داروں نے اسلامی مملکت میں وہ اودھم مچایا کہ خدا کی پناہ ۔ غریب و مظلوم عوام نے وفد تشکیل دیئے اور انہیں مدینہ بھیجا شاید کہ اصلاح احوال کی کوئی صورت نکل آئے ۔ لیکن مروان بن الحکم نے حضرت عثمان کو ہمیشہ غلط مشورے دیئے اور وفد کے ارکان انصاف سے مایوس ہو کر اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے ۔

حضرت عثمان کی زندگی کے آخری ایام میں بہت بڑا حادثہ یہ ہوا کہ مصر کے لوگ اپنے والی کی شکایت کرنے آئے اور حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ اسے معزول کر کے کوئی اچھا سا حاکم مقرر کریں ۔

آخرکار ایک لمبی بحث و تمحیص کے بعد حضرت عثمان نے ان کا مطالبہ مان لیا ۔ ایک نئے حاکم کا تقرر عمل میں لایا گیا اور سابق والی کی معزولی کا فرمان بھی جاری کیا گیا ۔

اہل مصر خوش ہو کر اپنے وطن جارہے تھے ۔ لیکن ابھی وہ لوگ ارض کنانہ تک پہنچے تھے کہ انہوں نے ایک اونٹنی سوار کو دیکھا جو معروف راستے سے

ہٹ کر جارہا تھا ۔ انہیں اونٹنی والے پر شک گزرا چنانچہ اس کا تعاقب کر کے اسے پکڑ لیا گیا اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے مشکیزے سے موم میں لپٹا ہوا ایک خط برآمد ہوا ۔ وہ خط حضرت عثمان کی جانب سے والیٔ مصر کو لکھا گیا تھا ۔ جس میں اسے حکم دیا گیا تھا کہ جب یہ مفسد تیرے پاس آئیں تو ان کے سرغنوں کو قتل کردینا اور دوسروں کو سخت سزا دینا ۔

ان لوگوں نے اس حبشی غلام اور اونٹنی کو اپنے قبضہ میں لے لیا ۔ حبشی غلام حضرت عثمان کا خادم تھا اور اونٹنی بھی بیت المال کی تھی ۔ خط کے نیچے حضرت عثمان کی مخصوص مہر بھی لگی ہوئی تھی ۔

اہلِ مصر غلام اور اونٹنی سمیت واپس مدینہ آئے اور خلیفہ صاحب سے کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا ۔ تو خلیفہ صاحب نے حلفیہ طور پر کہا کہ یہ خط میں نے تحریر نہیں کیا ۔

ان لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا آپ اس حبشی کو جانتے ہیں ؟ فرمایا ! جی ہاں ۔ یہ میرا خادم ہے ۔

انہوں نے پھر پوچھا اس اونٹنی کو بھی پہچانتے ہیں ؟

خلیفہ صاحب نے فرمایا ! جی ہاں ، یہ مہر بھی میری ہی ہے ۔

ان لوگوں نے کہا ! جناب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اونٹنی بھی آپ کی ہو ۔ غلام بھی آپ کا ہو اور مہر بھی آپ کی ہو لیکن خط آپ نے نہ لکھا ہو ۔

حضرت عثمان نے فرمایا ! خط میں نے نہیں لکھا ، یہ مروان کی کارروائی ہے ۔ ان لوگوں نے اس وقت نہایت معقول مطالبہ کیا کہ ! ہم آپ کی بات کو تسلیم کرتے ہیں ، آپ بالکل بے گناہ ہیں ۔ سارا قصور مروان کا ہے ۔ آپ مروان کو ہمارے حوالے کردیں ۔ اس کے بعد ہمارا آپ سے کوئی سروکار نہیں ہوگا ۔

حضرت عثمان نے ان لوگوں کے اس مطالبہ کو بھی پائے حقارت سے

ٹھکرا دیا انہوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور یہ محاصرہ ایک ماہ سے بھی زیادہ دیر تک رہا ۔ اس دوران حضرت عثمان کے اقرباء میں سے کسی نے بھی ان کی مدد نہ کی اور نہ ہی مدینہ منورہ میں کسی صحابی نے ان کی جان بچانے کی قابل ذکر حمایت کی ۔

آخرکار طویل محاصرہ کے بعد ان لوگوں نے حضرت عثمان کے گھر میں گھس کر انہیں قتل کردیا (۱) ۔

قتلِ عثمان کے بعد بنی امیہ کی سازشیں

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے ذکر سے پہلے ہم معاویہ اور مروان کی سازشوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ۔

حضرت عثمان کے قتل کے ساتھ ہی بنی امیہ نے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت ختم کرنے کی سازشیں شروع کردی تھیں ۔

حضرت علیؑ کے خلاف مسلحانہ تحریک شروع کرنے کے لئے انہوں نے مختلف افراد کو خط تحریر کئے ۔ جن میں سے چند خطوط ہم اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں :

قتل عثمان کے بعد مروان بن الحکم نے معاویہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ :-

" میں آپ کو یہ خط قتلِ عثمان کے بعد تحریر کر رہا ہوں ۔ باغیوں نے اس پر حملہ کیا اور اسے ناحق قتل کردیا اور باغی ابر کی طرح کھل کر برسے ۔ اور بعد ازاں ٹڈی دل کی طرح علی ابن ابی طالبؑ کے پاس چلے گئے ۔

لہذا تم بنی امیہ کو اپنے ارد گرد جمع کرو اور ثریا ستاروں کے جھرمٹ میں تم

---

(۱) اس واقعہ کی تفصیلات کے لئے الاصابہ فی تمییز الصحابہ کے صفحات ۴۰۰ تا ۴۰۶ کا مطالعہ کیا جائے ۔ ہم نے یہ واقعہ تلخیص کر کے نقل کیا ہے ۔ علاوہ ازیں تمام کتب تاریخ میں یہی واقعہ لکھا ہوا ہے ۔

مرکزی ستارہ بن جاؤ ۔ اے ابو عبدالرحمان ! اگر تم عثمان کا بدلہ لینا چاہو تو تم اس کے لئے ہر طرح سے موزوں ہو ۔"

جب یہ خط معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور پر درد تقریر کی ۔ تقریر سن کر لوگ بے ساختہ رونے لگے اور ان کی آہ و فغاں کی آوازیں بلند ہوئیں ۔ معاویہ کی تقریر اتنی مؤثر ثابت ہوئی کہ عورتوں نے بھی جنگ میں حصہ لینے کی پیش کش کی ۔

اس کے بعد معاویہ نے طلحہ بن عبیداللہ ، زبیر بن عوام ، سعید بن العاص ، عبداللہ بن عامر ، ولید بن عقبہ اور یعلیٰ بن امیہ کو خطوط تحریر کئے ۔

معاویہ نے طلحہ کو درج ذیل خط لکھا ۔

" امّا بعد ! تو اپنے چہرے کی خوبصورتی اور سخاوت و فصاحت کی وجہ سے قریش میں منفرد مقام رکھتا ہے ۔ تجھے اسلام میں سبقت کا شرف حاصل ہے ۔ تو ان افراد میں شامل ہے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی تھی ۔ اُحد کی لڑائی میں تجھے خاص شرَف و فضیلت حاصل ہوئی تھی ۔ اس وقت رعیت جو تجھے منصب عطا کرے تو وہ منصب قبول کرلے اور اس منصب کی قبولیت کی وجہ سے اللہ تجھ سے راضی ہوگا ۔ میں اپنی جانب سے معاملہ تیرے لئے مستحکم کروں گا ۔ زبیر تم سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا ۔ تم دونوں میں سے جو بھی امام بن جائے صحیح ہے ۔ دوسرے فرد کو اس کا ولی عہد بن جانا چاہیئے ۔"

معاویہ نے زبیر کو درج ذیل خط تحریر کیا ۔

" امّا بعد ، زبیر ! تو رسول خدا کی پھوپھی کا فرزند ہے ۔ رسول کریمؐ کا صحابی ہے اور حضرت ابوبکر کا داماد ہے اور مسلمانوں کا شہسوار ہے ۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت رعیت متفرق بھیڑوں کی مانند ہوچکی ہے ۔ اس کا کوئی چرواہا موجود نہیں ہے ۔ تمہیں چاہیئے کہ لوگوں کی جانیں بچاؤ ۔

میں اپنی طرف سے معاملۂ خلافت کو تیرے اور تیرے ساتھی کے لئے مستحکم کرنا چاہتا ہوں ۔ تم میں سے ایک امیر بن جائے اور دوسرا وزیر بن جائے ۔"

اس کے بعد معاویہ نے مروان بن الحکم کو درج ذیل خط تحریر کیا ۔

" مجھے تمہارا خط موصول ہوچکا ہے ۔ تمہارے خط کی وجہ سے امیر المومنین کے حالات کی اطلاع ملی ہے ۔ جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو تم چیتے کی سی پھرتی پیدا کرنا ۔ دھوکے سے شکار پھانسنا اور لومڑی کی طرح محتاط ہوجانا اور بچ بچ کر راہ چلتے رہنا اور ان حالات میں اپنے آپ کو اس طرح سے چھپانا جس طرح سے خارپشت کسی کے ہاتھوں کے لمس کو محسوس کرکے اپنا سر چھپا لیتا ہے ۔ اور اس وقت اپنے آپ کو یوں حقیر و بوسیدہ قرار دے دو جس طرح وہ شخص اپنے آپ کو حقیر بنا لیتا ہے جو قوم کی امداد سے مایوس ہوچکا ہوتا ہے ۔ تم حجاز چھوڑ کر شام چلے آؤ ۔"

معاویہ نے سعید بن العاص کو درج ذیل خط لکھا ۔

" بنی امیہ ! تمہاری ذلّت و خواری کے دن آگئے ہیں ۔ تمہیں معمولی رزق کے حصول کے لئے دور دراز کی مسافت طے کرنی ہوگی ۔ تمہارے واقف بھی تمہارے لئے ان جان بن جائیں گے ۔ تم سے تعلق رکھنے والے بھی تم سے جدا ہوجائیں گے ۔ میں اپنی آنکھوں سے بنی امیہ کا یہ مستقبل دیکھ رہا ہوں کہ وہ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سر چھپاتے پھر رہے ہوں گے ۔ تم لوگوں کو اپنی معاش کی فکر پڑ جائے گی ۔

امیرُ المومنین پر لوگ تمہاری وجہ سے ہی ناراض ہوئے تھے اور تمہاری وجہ سے ہی وہ قتل ہوئے ہیں ۔ اب تم نے اس کی مدد سے خاموشی کیوں اختیار کرلی ہے اور اس کے خون کے انتقام میں سستی کیوں روا رکھی ہے ؟

تم لوگ تو مقتول کے قریبی رشتہ دار ہو اور تم ہی اس کے خون کے وارث ہو ۔ جب کہ تم نے معمولی متاع دنیا میں اپنے آپ کو مشغول کردیا ہے ۔

وہ تمام مال و متاع جو تم نے امیر المومنین کی وساطت سے حاصل کیا تھا، عنقریب تم سے چھن جائے گا۔

علاوہ ازیں معاویہ نے عبداللہ بن عامر کو درج ذیل خط تحریر کیا:۔

بنی امیہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جلاوطن ہوکر اونٹوں کی پشت پر سوار ہو۔ فساد پھیلنے سے پہلے تم مخالفین پر حملہ کردو۔

احتیاط کو اپنی سب سے بڑی ضرورت قرار دو اور ترغیب کے ہتھیار کو تیز کرو اور کانے مخالفین سے اپنی آنکھیں علیحدہ رکھو۔ جھگڑالو افراد سے کنارہ کشی کرو۔ دور رہنے والوں پر شفقت کرو۔ اپنے ساتھیوں کے حوصلوں کو بلند کرو۔"

ولید بن عقبہ کو یہ خط لکھا گیا:۔

" اگر اقتدار تمہارے مخالفین کے ہاتھ میں چلا گیا تو تم شتر مرغ کی طرح ریت کے ٹیلوں میں سر چھپاتے پھرو گے۔ تمہیں گدلا پانی پینا پڑے گا اور خوف کا لباس زیب تن کرنا ہوگا۔"

یعلیٰ بن امیہ کو درج ذیل خط لکھا گیا:۔

" مقتول خلیفہ پر جتنے الزامات عائد کئے گئے ہیں ان میں سر فہرست الزام یہی تھا کہ اس نے تجھے یمن کا حاکم بنایا تھا اور اتنے طویل عرصہ تک حکومت پر فائز رکھا تھا۔ تجھ جیسے افراد کی وجہ سے لوگ خلیفہ پر ناراض ہوئے۔ انہیں قتل کردیا گیا، جب کہ وہ روزہ دار تھے اور قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔

تو جانتا ہے کہ مقتول خلیفہ کی بیعت کا قلادہ ہماری گردنوں میں پڑا ہوا ہے اور ان کا انتقام لینا ہمارا فریضہ ہے۔ تو عراق میں داخل ہونے کی تیاری کر۔ میں نے شام میں اپنی حکومت مستحکم کرلی ہے۔ تجھے شام سے بے فکر ہو جانا چاہئے اور میں نے طلحہ بن عبیداللہ کو خط لکھا ہے کہ وہ مکہ میں تجھ سے ملاقات کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں اپنی دعوت کے اظہار اور خون ناحق کے انتقام کے لئے

کوئی مناسب منصوبہ بندی کرو۔ میں نے عبداللہ بن عامر کو بھی لکھ دیا ہے کہ وہ تمہارے لئے عراق کی زمین کو ہموار کرے۔ علاوہ ازیں تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ لوگ تجھ سے تیرا تمام مال عنقریب اگلوالیں گے۔"

مروان نے معاویہ کے خط کے جواب میں تحریر کیا:۔

" قوم کے محافظ عزتوں کے نگہبان معاویہ کو معلوم ہو کہ میں اپنی نیت کی درستگی اور عزم و ارادہ کی پختگی اور رشتوں کی تقدیس پر قائم ہوں۔ تمہاری طرح میرا خون بھی جوش مار رہا ہے۔ لیکن میں کسی قول و فعل میں تم پر سبقت نہیں کرسکتا۔

تو فرزندِ حرب، انتقام لینے والا اور خود دار شخص ہے اور میں اس وقت اس گرگٹ کی طرح ہر وقت بھیس بدل رہا ہوں جو سخت گرمی میں تڑپ رہا ہو اور بڑی گہری نگاہوں سے حالات پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ میری حالت اس وقت اس درندے کی سی ہے جو شکاری کے جال سے کسی طرح بچ گیا ہو اور اپنی ہی آواز سے خوف زدہ ہو۔

میں تمہارے عزم و ارادہ کا منتظر ہوں اور تمہارے احکام کے لئے گوش برآواز ہوں۔ میں ہر حالت میں تمہارے حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں۔"

عبداللہ بن عامر نے معاویہ کے خط کے جواب میں تحریر کیا:۔

" بلاشبہ امیر المومنین ہم پر سایہ کرنے والے پر کی طرح تھے اور چھوٹے بچے اس کی پناہ لیا کرتے تھے۔ لیکن افسوس ہے جب دشمنوں نے اس پناہ گاہ پر تیر چلائے تو ہم بھاگے ہوئے شتر مرغ کی طرح ان سے علیحدہ ہوگئے۔ میں تمہیں اس حقیقت سے باخبر کرنا چاہتا ہوں کہ اس تحریک میں دس میں سے نو افراد آپ کے ہم نوا ہیں اور ایک آپ کا مخالف ہے۔

خدا کی قسم! ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے اور تو "حرب" کا فرزند ہے۔ تو جنگوں کا جواں مرد ہے۔ بنی عبد شمس کی عظمت کا تو نگراں ہے۔

اس وقت تمام تر تحریک تیری ذات سے ہی وابستہ ہے اور قبیلہ کو عزت دینے والا تو ہے اور عثمان کے بعد بنی امیہ کی امیدیں تجھ سے ہی وابستہ ہیں ۔ میں تمہارے حکم کا منتظر رہوں گا ۔"

ولید بن عقبہ نے معاویہ کو تحریر کیا ۔

"تو عقل کے اعتبار سے قریش کا شیر ہے ۔ فہم و فراست میں تو سب سے ممتاز ہے اور رائے کے لحاظ سے تو سب سے پختہ کار ہے ۔ تیرے پاس حسن سیرت کی دولت ہے اور تو ہی حکومت کی لیاقت رکھتا ہے ۔ کیونکہ تو جس بھی گھاٹ پر اترتا ہے تو دانش مندی سے اترتا ہے اور جب تو کوئی گھاٹ چھوڑتا ہے تو علم و بصیرت سے چھوڑتا ہے ۔

نرمی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عار نقص ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کمزوری ذلت ہے ۔ میں نے اپنے نفس کو موت کے لئے آمادہ کرلیا ہے اور اسے زنجیروں میں جکڑ کر قابو کیا ہوا ہے جس طرح سے اونٹ کو باندھ دیا جاتا ہے ۔ اب میں یا تو عثمان کی طرح قتل ہوجاؤں گا یا اس کے قاتل کو قتل کروں گا ۔

اس کے ساتھ ساتھ میرا عمل آپ کی رائے کے تابع ہو گا ۔ کیونکہ ہم آپ کے ساتھ وابستہ ہیں اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ۔"

یعلیٰ بن امیہ نے اپنے خط میں لکھا ۔

"ہم گروہ بنی امیہ اس پتھر کی طرح ہیں جو گارے کے بغیر اس دوسرے پر رکھا نہیں جاسکتا اور ہم تیغ براں ہیں ۔ مجھے وہ روئے جس کا میں بیٹا ہوں اگر میں عثمان کے انتقام کو فراموش کر بیٹھوں ۔ عثمان کے قتل کے بعد میں زندگی کو کڑوا محسوس کر رہا ہوں ۔"

سعید بن العاص کا جواب مذکورہ خطوط سے مختلف تھا [1] ۔

---

(1) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد ہشتم ۔ ص ۸۳۔

فصل سوم

خلافت امیر المومنین علیہ السلام

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِحْسَانِهٖ لَقَدْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی مَکَانِهٖ"

"اللہ کے احسان پر اسی کی حمد ہے ۔ حق اپنے مقام پر واپس آگیا ۔"

(الامام علیؑ بن ابی طالب)

حضرت علیؑ توفیق ایزدی سے مؤید تھے اور اس کے پورے خیر خواہ تھے ۔ انہوں نے ہر مصیبت پر صبر کیا اور اپنے حق کو تاراج ہوتا ہوا دیکھ کر بھی انہوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی سے کبھی منہ نہ موڑا ۔

انہوں نے اسلام کے وسیع تر مفاد کے لئے خلفائے ثلاثہ سے جنگ نہ کی ۔ بلکہ جہاں اسلامی مفادات کا سوال ہوتا تھا حضرت علیؑ اپنے قیمتی مشوروں سے بھی انہیں نوازا کرتے تھے ۔

فطری تقاضا تھا کہ حضرت عثمان کے قتل کے بعد حضرت علیؑ اپنے آپ کو خلافت کے لئے پیش کرتے اور اس کے لئے ضروری گٹھ جوڑ کرتے ۔ مگر حضرت علیؑ اتنے عظیم انسان تھے کہ انہوں نے اس موقع پر بھی خلافت و حکومت کے حصول کے لئے کسی طرح کی کوئی تگ و دو نہ کی کہ جس وقت امت اسلامیہ نے آپ کو خلافت کے لئے مجبور کیا۔تو گویا علیؑ کو خلافت کی ضرورت نہ تھی بلکہ خلافت کو علیؑ کی ضرورت تھی ۔

خلافت علیؑ کی داستان طبری نے یوں بیان کی ہے ۔

"جب حضرت عثمان قتل ہوئے تو مہاجرین و انصار جمع ہوئے ۔ ان میں طلحہ اور زبیر بھی موجود تھے ۔ پھر تمام افراد حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں ۔

آپؑ نے فرمایا : مجھے تمہاری حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ تم لوگ جسے بھی منتخب کردگے ۔ میں اسے تسلیم کرلوں گا ۔

انہوں نے کہا : ہم آپ کے علاوہ کسی اور کا انتخاب نہیں کریں گے ۔

حضرت علیؑ نے ان کی اس پیشکش کو مسترد کردیا ۔

بعد ازاں مہاجرین و انصار کئی مرتبہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور بار بار خلافت سنبھالنے کی درخواست کی ۔

اٹھارہ ذی الحجہ کے دن حضرت علیؑ بازار گئے تو لوگ آپ کے پیچھے لگ گئے اور خلافت سنبھالنے کی التجا کی ۔

حضرت علیؑ اس سے بے نیاز ہو کر بنی عمرو بن مبذول کے باغ میں چلے گئے ۔ اس باغ کے ارد گرد بہت بڑی دیوار تھی ۔ حضرت علیؑ نے ابی عمرہ بن عمر بن محصن کو حکم دیا کہ دروازہ بند کردو مگر تمام لوگ دروازے پر جمع ہوگئے اور دستک دینی شروع کی ۔

دروازہ کھلا تو مہاجرین و انصار کا مجمع اندر آیا ۔ طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ سے خلافت سنبھالنے کی پھر درخواست کی اور بیعت کیلئے ہاتھ بڑھانے کی التجا کی ۔

مہاجرین و انصار کے مسلسل اصرار پر آپؑ نے ہاتھ بڑھایا تو سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی اس کے بعد زبیر نے بیعت کی ۔

طلحہ کا ایک ہاتھ شل تھا اور جب وہ بیعت کر رہا تھا تو حبیب بن ذُئیب نے کہا :۔ بیعت کی ابتداء مشلول ہاتھ سے ہوئی ہے [۱] ۔"

بیعت لینے کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے پہلے خطبہ میں اپنی حکومت کے خدوخال بیان کرتے ہوئے فرمایا :۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینے والی کتاب نازل فرمائی ۔ اس میں خیر و شر کا بیان موجود ہے ۔ تم خیر کو اپناؤ اور شر کو چھوڑ دو اور فرائض ادا کرو ۔

---

(۱) تاریخ الامم والملوک ۔ جلد پنجم ۔ ص ۱۵۲ ۔ ۱۵۳ ۔

بندگان خدا ! اللہ کے بندوں اور شہروں کیلئے اللہ سے ڈرو ، تم سے ان کے متعلق بازپرس کی جائیگی اور تم سے تمہارے جانوروں تک کے متعلق بھی پوچھا جائیگا [۱] ۔

حضرت علیؑ کا یہ خطبہ چند مختصر جملوں پر مشتمل ہے ۔ لیکن ان مختصر جملوں میں آپ نے رعایا کے تمام حقوق و فرائض بیان کردیئے ہیں ۔ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت علیؑ اقتدار کے قطعی حریص نہ تھے انہوں نے بار حکومت اٹھانے سے کئی دفعہ معذرت کی اور جب لوگوں کا شدید اصرار ہوا تو فرمایا :۔

" دَعُوْنِيْ وَالْتَمِسُوْا غَيْرِيْ فَاِنَّا مُسْتَقْبِلُوْنَ اَمْرًا لَهٗ وُجُوْهٌ وَّاَلْوَانٌ لَاتَقُوْمُ لَهُ الْقُلُوْبُ وَلَا تَثْبُتُ عَلَيْهِ الْعُقُوْلُ وَاِنَّ الْاٰفَاقَ قَدْ اَغَامَتْ وَالْمَحَجَّةَ قَدْ تَنَكَّرَتْ ۔ وَاعْلَمُوْا اَنِّيْ اِنْ اَجَبْتُكُمْ رَكِبْتُ بِكُمْ مَّا اَعْلَمُ وَلَمْ اُصْغِ اِلٰى قَوْلِ الْقَائِلِ وَعَتْبِ الْعَاتِبِ ۔ "

" مجھے چھوڑدو میرے علاوہ کسی اور کو تلاش کرو کیونکہ ہمارے سامنے ایسا امر ہے جس کے بہت سے چہرے اور مختلف رنگ ہیں ۔ جن پر دل قائم نہ رہ سکیں گے اور عقل اس پر ثابت نہ رہ سکے گی ۔ اس وقت آفاق ابر آلود ہوچکے ہیں اور راستے کا نشان مٹ چکا ہے اور تمہیں یہ بھی جاننا چاہیئے اگر میں نے تمہاری دعوت کو قبول کرلیا تو میں تمہیں اپنے علم کے مطابق چلاؤں گا اور کسی گفتگو کرنے والے کی بات پر کان نہیں دھروں گا اور کسی ناراض ہونے والے کی ناراضگی کو خاطر میں نہ لاؤنگا ۔" [۲]

اس کے باوجود بھی لوگوں کا اصرار کم نہ ہوا تو حضرت علیؑ نے اپنی دینی ذمہ داری کو قبول کرلیا اور درج ذیل جملے فرماکر لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ :۔ میں اپنے ہر قول کا ضامن ہوں گا ۔ جو عبرت آشنا ہو اسے تقویٰ شبہات میں نہیں پڑنے دیتا ۔ یاد رکھو آج سے تمہاری آزمائش پھر اسی طرح سے شروع ہوگئی جس طرح سے اسلام کی ابتدائی تبلیغ کے وقت ہوئی تھی ۔

جناب رسولِ خدا کو مبعوث بہ رسالت بنانے والے کی قسم ! تم سے

---

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد سوم ص ۱۵۰ ۔ (۲) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد دوم ص ۱۷۰ ۔

سخت امتحان لیا جائے گا اور تمہیں آزمائش کی چھلنی میں سے گزارا جائے گا اور قضا و قدر کا کوڑا تم پر مسلط ہوگا ۔ یہاں تک کہ تمہارے اسفل ، اعلیٰ بن جائیں گے اور تمہارے طبقہ کے اعلیٰ افراد اسفل بن جائیں گے اور پیچھے رہ جانے والے آگے بڑھ جائیں گے اور آگے بڑھنے والے پیچھے ہوجائیں گے ۔ (۱)

امام عالی مقامؑ نے مذکورۃُ الصدر جملے اس لئے فرمائے کیونکہ آپ کو علم تھا کہ لوگوں میں حق پرستی کا سابقہ جذبہ نہیں رہا ہے اور لوگ زرو دولت کے پجاری بن چکے ہیں اور وہ آپ کی شرعی عدالت کے متحمل نہیں ہوں گے اور شرعی عدالت کی وجہ سے ان کے مفادات ختم ہونگے تو وہ آپ کی مخالفت کریں گے مگر آپ کو اپنے "خط" سے ہٹا نہیں سکیں گے ۔

آپ نے لوگوں کے اصرار اور اپنے انکار کی تصویر کشی ان الفاظ سے کی ہے " وَبَسَطْتُمْ یَدِی ....." یعنی تم نے میرے ہاتھ کو کھولا تو میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا، تم نے میرے ہاتھ کو پھیلانا چاہا تو میں نے اسے بند کرلیا ۔ پھر تم میرے پاس یوں کشاں کشاں چلے آئے جیسے پیاسے اونٹ پانی پینے کے دن اپنے گھاٹ پر جاتے ہیں ۔

تمہارے ازدحام کی وجہ سے میرا جوتا پھٹ گیا ، چادر گر گئی اور کمزور پامال ہوا ۔" (۲)

اس مفہوم کو آپ نے دوسرے خطبہ میں ان الفاظ سے بیان فرمایا :۔

"تمہارے ازدحام کی وجہ سے حسنینؑ پامال ہوئے ۔ میرے پہلو زخمی ہوئے اور تم بکریوں کے ریوڑ کی طرح میرے گرد جمع ہوگئے اور جب میں نے منصب سنبھالا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی اور ایک گروہ حلقہ اطاعت سے نکل گیا اور ایک گروہ حق سے تجاوز کرگیا ۔" (۳)

---

(۱) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد اول ۔ ص ۹۰ ۔ (۲) ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ۔ جلد سوم ۔ ص ۱۸۱

(۳) ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغہ ۔ جلد اول ص ۹۶ ۔

فصل چہارم

ناکثین (بیعت شکن)

یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ ام المومنین عائشہ اور طلحہ اور زبیر نے لوگوں کو حضرت عثمان کی مخالفت پر برانگیختہ کیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جو کہ حضرت عثمان کے قتل پر منتج ہوئے تھے ۔

ان مخالفین میں زبیر بن عوام سب سے پیش پیش تھے اور طلحہ بن عبیداللہ اول الذکر کی بہ نسبت کچھ کم مخالف تھے ۔

حضرت عثمان نے بھی ایک دفعہ طلحہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا : "وَیْلِی مِنْ طَلْحَۃَ ! اَعْطَیْتُہٗ کَذَا ذَھَبًا وَّھُوَ یَرُوْمُ دَمِیْ ..... اَللّٰھُمَّ لَا تُمَتِّعْہُ بِہٖ وَلَقِّہٖ عَوَاقِبَ بَغْیِہٖ" مجھے طلحہ پر سخت افسوس ہے ۔ میں نے اسے اتنا سونا دیا تھا اور وہ آج مجھے قتل کرنا چاہتا ہے ۔ پروردگار ! اسے اس دولت سے لطف اندوز نہ کرنا اور اسے بغاوت کے انجام بد تک پہنچانا ۔" (۱)

حضرت عثمان کے قتل کے بعد مذکورہ تینوں افراد نے خون عثمان کے بدلہ کا جو ڈھونگ رچایا تھا وہ صرف اس لئے تھا کہ لوگوں کو مغالطہ میں مبتلا کیا جائے ورنہ حضرت عثمان کے قتل کے محرک یہ خود ہی تھے ۔

جن دنوں حضرت عثمان اپنے گھر میں محصور تھے ، حضرت علیؑ نے طلحہ سے کہا تھا : تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ ان بلوائیوں کو عثمان سے ہٹاؤ ۔ یہ سن کر طلحہ نے کہا ! خدا کی قسم میں اس وقت تک ایسا نہیں کروں گا جب تک بنی امیہ امتِ اسلامیہ کا لوٹا ہوا مال واپس نہ کردیں ۔

---

(۱) ڈاکٹر طٰہٰ حسین ۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ علیؑ و بنوہ ۔ ص ۸ ۔

طبری لکھتے ہیں : حضرت عثمان نے طلحہ کو پچاس ہزار درہم کا قرض دیا تھا ۔ ایک دفعہ عثمان مسجد جارہے تھے ۔ راستے میں طلحہ سے ملاقات ہوئی تو طلحہ نے کہا ۔ میں نے قرض کی رقم اکٹھی کرلی ہے آپ جب بھی چاہیں مجھ سے لے لیں ۔ حضرت عثمان نے کہا ۔ ابو صحر میں نے وہ رقم تمہیں معاف کر دی ۔ ایام محاصرہ میں طلحہ کے کردار کو دیکھ کر حضرت عثمان کہا کرتے تھے ۔ اس نے مجھے وہ جزا دی جو چور کسی شخص کو دیا کرتے ہیں ۔

مدائنی "قتلِ عثمان" میں تحریر کرتے ہیں : " طلحہ نے حضرت عثمان کی لاش کو تین دن تک دفن نہیں ہونے دیا ۔ اور جب حکیم بن حزام اور جبیر بن مطعم ان کی لاش کو اٹھا کر جارہے تھے تو طلحہ نے راستے میں ایسے افراد کھڑے کر رکھے تھے جنہوں نے ان کی لاش پر پتھر پھینکے ۔" (۱)

ڈاکٹر طہٰ حسین رقم طراز ہیں :۔

طلحہ کی بلوائیوں سے ہمدردیاں پوشیدہ نہ تھیں اور انہیں برانگیختہ کرنے میں بھی ان کی کاوشیں شامل تھیں ۔ اور حضرت عثمان طلحہ کے اس طرز عمل کی خلوت و جلوت میں شکایت کیا کرتے تھے ۔

ثِقہ رواۃ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان نے ایک دفعہ حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ وہ ان بلوائیوں کو اسی طرح سے واپس بھجوائیں ۔

حضرت علیؑ طلحہ کے پاس گئے تو انہوں نے بلوائیوں کی ایک بڑی جماعت کو طلحہ کے پاس دیکھا ۔ حضرت علیؑ نے طلحہ سے فرمایا کہ تم انہیں واپس بھیج دو ، لیکن طلحہ نے انہیں واپس بھیجنے سے انکار کر دیا تھا ۔ (۲)

قتل عثمان میں حضرت عائشہ کا کردار تو بالکل اظہر من الشمس ہے

(۱) ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ۔ جلد دوم ۔ ص ۵ ۔ ۶ ۔ طبع مصر ۔
(۲) الفتنۃ الکبریٰ ۔ علیؑ وبنوہ ۔ ص ۸ ۔

حضرت عائشہ ہی وہ خاتون تھیں جنہوں نے کئی دفعہ رسول خدا کی قمیض دکھا کر حضرت عثمان کو کہا تھا کہ : رسول خدا کی ابھی تک قمیض بھی بوسیدہ نہیں ہوئی مگر تم نے ان کی سنت کو ترک کر دیا ۔

" اور کئی مرتبہ پردہ کے پیچھے سے کھڑے ہوکر انہوں نے فرمایا تھا :۔
"اُقتلوا نعثلاً" " تم نعثل کو قتل کردو ۔"

اُمّ المومنین کے متعلق یہ کہنا بلکل درست ہو گا کہ آپ حضرت عثمان کی سب سے بڑی مخالف تھیں ۔ سابقہ صفحات میں آپ یہ روایت پڑھ چکے ہوں گے کہ جب مکہ میں کسی نے حضرت عائشہ تک ایک افواہ پہنچائی تھی کہ حضرت عثمان نے بلوائیوں کو قتل کردیا ہے اور اب شورش ختم ہو گئی ہے ۔ تو یہ سن کر بی بی نے سخت الفاظ میں اپنے طرزِ عمل کا اظہار فرمایا تھا : " یہ کہاں کا انصاف ہے کہ حق مانگنے والوں کو قتل کیا جائے اور ستم رسیدہ لوگوں کو انصاف فراہم کرنے کی بجائے تلوار کے گھاٹ اتارا جائے ۔"

اور حضرت علیؑ کے تخت نشین ہوتے ہی حضرت عائشہ خون عثمان کی دعویدار بن کر کھڑی ہوگئیں اور طلحہ وزبیر کے کہنے پر بصرہ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئیں ۔ اسی اثناء میں سعید بن العاص ام المومنین کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتی ہیں ؟ بی بی نے کہا : میں بصرہ جانا چاہتی ہوں ۔ سعید نے پھر پوچھا ۔ آپ وہاں کیوں جانا چاہتی ہیں ؟ بی بی نے فرمایا : عثمان کے خون کے مطالبہ کے لئے جارہی ہوں ۔

یہ سن کر سعید بن العاص نے کہا : اُمّ المؤمنین ! عثمان کے قاتل تو آپ کے ساتھ ہیں ۔ (۱)

تاریخی حقائق کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنگِ جمل کے محرکین ہی

(۱) عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ الامام علی بن ابی طالب ۔ جلد سوم ۔ ص ۔ ۳۲۶ ۔

حضرت عثمان کے سب سے بڑے مخالف تھے ۔ اور حضرت عثمان کے خون کے چھینٹے ان کے دامن پر لگے ہوئے تھے ۔ اور اس وقت مسلمانوں کی اکثریت بھی بخوبی جانتی تھی کہ قاتلینِ عثمان کون ہیں ؟

اس تاریخی حقیقت کے ادراک کے بعد ایک دل چسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جنگِ جمل کے "ہیرو" ہی دراصل قاتلینِ عثمان تھے ۔ تو پھر انہوں نے خونِ عثمان کا مطالبہ کیوں کیا تھا ؟ اور لوگوں کو علیؑ کی مخالفت پر کمر بستہ کیوں کیا ؟

اور کیا اس وقت کچھ ایسے مخفی عوامل تھے جن کی وجہ سے قمیص عثمان کو بہانہ بنا کر حکومت وقت کی مخالفت کی گئی ؟

اور پھر طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت کیوں کی ؟

اور اگر خونِ عثمان کے مطالبہ میں کوئی وزن تھا تو کیا اس کا طریقہ یہی تھا کہ حکومت کے خلاف بغاوت کردی جائے اور کیا حضرت عثمان اس دنیا سے "لاولد" ہو کر گئے تھے جب کہ ان کا بیٹا عمر موجود تھا ؟

ام المؤمنین اور طلحہ و زبیر کو قِصاصِ عثمان کا اختیار کس قانون کے تحت حاصل ہوا تھا ؟

قِصاصِ عثمان کے لئے بصرہ کا انتخاب کیوں کیا گیا اور بصرہ کی بجائے مصر کو اس "کارِ خیر" کے لئے منتخب کیوں نہ کیا گیا جب کہ بلوائیوں کی اکثریت کا تعلق بھی مصر سے تھا ؟

عائشہ کو علیؑ سے پرانی عداوت تھی

تاریخ کے قارئین سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ حضرت عائشہ جناب علیؑ سے حیاتِ رسولؐ میں ہی حَسَد کیا کرتی تھیں اور حضرت علیؑ کی مخالفت ان کے رگ وریشہ میں سمائی ہوئی تھی ۔ ام المؤمنین کے حسد کی دو وجوہات تھیں :

۱ ۔ غزوۂ بنی مصطلق کے وقت حضرت عائشہ پر جو تہمت لگی تھی ، اس میں حضرت علیؑ نے بی بی صاحبہ کے حامی کا کردار ادا نہیں کیا تھا ۔

۲ ۔ بی بی عائشہ اپنے بانجھ پن کی وجہ سے علیؑ سے حسد کیا کرتی تھیں کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ رسالت مآب کی اولاد حضرت فاطمہ زہرؑا کے بطن سے جاری ہوئی تھی ۔ جب کہ حضرت عائشہ کی گود خالی تھی ۔ اسی لئے بی بی عائشہ وقتاً فوقتاً رسولِ خدؐا کی محبوب بیوی حضرت خدیجہؑ کی بھی مذمت کرنے سے باز نہیں رہتی تھیں ۔ اور کئی دفعہ اُمّ المؤمنین نے حضرت فاطمہ زہرؑا کے سامنے بھی ان کی مرحومہ والدہ کا شکوہ کر کے ان کے دل کو زخمی کیا تھا ۔

واقعۂ اِفک کی تفصیل اُمّ المومنین نے اس طرح بیان کی ہے :۔ " رسولِ خدؐا جب سفر کرتے تو اپنی ازواج میں قرعہ اندازی کرتے تھے، جس کا قرعہ نکلتا تھا ۔ آپ اسے اپنے ہمراہ لے جاتے تھے ۔ جب بنی مصطلق کا غزوہ ہوا تو قرعہ میں میرا نام نکلا ۔ رسولِ خدؐا مجھے اپنے ساتھ لے گئے ۔

واپسی پر مدینہ کے قریب رات کے وقت ایک منزل پر قیام کیا ۔ میں حوائج ضروریہ کے لئے باہر گئی ، اس وقت میری گردن میں ایک ہار تھا ، جب میں نے حوائج سے فراغت حاصل کرلی تو میرا ہار گم ہوگیا ۔ میں اسے ڈھونڈنے لگ گئی ۔ اور دوسری طرف سے کوچ کا نقارہ بج گیا ۔

لوگ جانے لگے مگر میں ہار ڈھونڈتی رہی ۔ ہار تو آخر کار مجھے مل گیا لیکن

جب میں پڑاؤ پر آئی تو وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا میں چادر اوڑھ کر لیٹ گئی ۔
میں لیٹی ہوئی تھی کہ صفوان بن معطل سلمی جو کسی کام کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا وہ آیا ۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو پہچان لیا کیونکہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکا تھا ۔

وہ اپنے اونٹ کو میرے قریب لایا اور مجھے اونٹ پر سوار کیا اور اس نے تیزی سے اونٹ ہنکاکر مجھے مدینہ پہنچایا اور مدینہ میں میرے خلاف چہ مگوئیوں کا ایک سلسلہ چل نکلا اور یہ سرگوشیاں رسولِ خدا اور میرے والدین کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں ۔

اس کے بعد میں نے رسولِ خدا کے رویہ میں تبدیلی محسوس کی ۔ ان کی شفقت و مہربانی میں مجھے کمی نظر آئی ۔ تو میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں ؟ میری طبعیت ناساز ہے ، وہاں میری والدہ میری تیمار داری کرنے کے لئے موجود ہے ۔

رسول خدا نے اجازت دی تو میں پنے والدین کے گھر آگئی ۔

رسول خدا نے اس معاملہ کے لئے علی ابن ابی طالبؑ کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا تو علیؑ نے کہا ۔ یا رسول اللہؐ ! آپ کے لئے عورتوں کی کوئی کمی نہیں ہے اس کے بدلے آپ کسی اور عورت سے بھی شادی کر سکتے ہیں ۔ آپ کنیز سے سوال کریں وہ آپ کو بتا سکے گی ۔

رسولِ خدا نے بریرہ کو بلایا تو علیؑ نے اسے سخت زودوکوب کیا اور کہا کہ رسولِ خدا کو سچی سچی بات بتا دے .....

خدا کی قسم ! رسولِ خدا ابھی اس مجلس سے اٹھنے نہ پائے تھے کہ ان پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی ۔ کچھ دیر بعد آپ پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے اٹھے اور فرمایا عائشہ ! تمھیں مبارک ہو اللہ نے تمہاری براءت نازل کی ہے ۔ پھر مسطح

بن اثاثہ ، حسان بن ثابت اور حمنہ بن جحش اور ان کے ہم نوا افراد پر حدِّ قذف جاری کی گئی ۔" (۱)

درج بالا روایت سے درج ذیل امور کا اثبات ہوتا ہے :

۱ ۔ غزوۂ بنی مصطلق میں اُمّ المومنین عائشہ رسولِ خدا کے ساتھ تھیں ۔

۲ ۔ واپسی میں جب لشکر ایک پڑاؤ پر ٹھہرا ہوا تھا ۔ وہ کسی کو بتائے بغیر حوائج ضروریہ کے لئے چلی گئیں ۔

۳ ۔ فراغت حاصل کرنے کے بعد پھر پڑاؤ پر واپس تشریف لائی ہی تھیں کہ انہیں ہار کی گمشدگی کا احساس ہوا ۔

۴ ۔ ہار کو تلاش کرنے کے لئے دوبارہ اسی مقام تک گئیں ۔ ہار مل گیا لیکن جب واپس آئیں تو پورا لشکر کوچ کر کے چلا گیا تھا ۔

۵ ۔ مایوس ہو کر چادر اوڑھ کے آپ سو گئیں ۔ حسن اتفاق سے صفوان اپنے ناقہ پر آرہا تھا اور اس نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ وہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے انہیں دیکھ چکا تھا ۔

۶ ۔ صفوان کی نگاہ خوب کام کرتی تھی کہ اس نے رات کی تاریکی میں چادر کے اندر سے ہی دیکھ کر پہچان لیا تھا ۔

۷ ۔ صفوان اُمّ المومنین کو اپنی ناقہ پہ بٹھا کر مدینہ لایا اور حسان بن ثابت اور چند دیگر افراد نے اُمّ المومنین پہ تہمت لگائی ۔

۸ ۔ جب رسولِ خدا نے علیؑ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اُمّ المومنین کو طلاق دینے کا مشورہ دیا ۔

امام بخاری نے بھی اس روایت کو تفصیل سے لکھا ہے ۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں : " جب رسول خدا کو سفر درپیش ہوتا تو آپ اپنی ازواج میں قرعہ ڈالتے

(۱) طبری ۔ تاریخ الامم والملوک ۔ جلد سوم ۔ ص ۶۹ ۔ ۷۰ ۔

تھے ۔ جس بی بی کا قرعہ نکلتا وہ آپ کے ساتھ سفر میں جاتی تھی۔

ایک جنگ میں قرعہ فال میرے نام کا نکلا ۔ میں حضور کریمؐ کے ساتھ روانہ ہوئی ۔ رسولِ خدا جنگ سے فارغ ہوکر مدینہ کی طرف آرہے تھے کہ مدینہ کے قریب ایک مقام پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ کیا ۔

جب کوچ کا اعلان ہوا تو میں حوائجِ ضروریہ کے لئے باہر چلی گئی اور میں لشکر سے دور چلی گئی ۔ قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنے محمل تک آئی لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہے تو میں اسے ڈھونڈھنے کے لئے واپس اسی جگہ چلی گئی اور اسے ڈھونڈنے میں مصروف رہی۔ اس اثناء میں میرے محمل کو اٹھانے والے افراد آئے اور میرے محمل کو اٹھا کر اونٹ پہ رکھ دیا اور ان کا خیال تھا کہ میں اس میں موجود ہوں ۔

اس زمانے میں عورتیں بڑی ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں ، ان پر گوشت نہیں چڑھا تھا کیونکہ بہت قلیل مقدار میں انہیں کھانا نصیب ہوتا تھا۔ اس وجہ سے میرے محمل اٹھانے والوں کو بھی وہم نہ ہوا کہ میں اس میں موجود نہیں ہوں میں اس وقت کم سِن لڑکی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ لشکر کے جانے کے بعد مجھے ہار مل گیا۔ اور جب میں پڑاؤ پر پہنچی تو وہاں نہ تو کوئی پکارنے والا تھا اور نہ ہی کوئی جواب دینے والا تھا۔ میں اسی جگہ پر بیٹھ گئی ۔ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی ۔

کچھ دیر بعد صفوان بن معطل سلمی ثم الذکوانی لشکر کے پیچھے تھا ۔ جب میرے قریب آیا تو اس نے ایک سوئے ہوئے انسان کا ہیولا دیکھا تو مجھے پہچان لیا۔ اس نے مجھے آیت حجاب کے نزول سے پہلے دیکھا ہوا تھا ۔اس نے اناللہ کی آیت زور سے پڑھی تو میں بیدار ہو گئی ۔ اس نے اپنی ناقہ پہ مجھے سوار کیا اور مدینہ لے آیا ۔"(۱)

(۱) صحیح البخاری جلد سوم ۔ ص ۱۵۴ ۔ ۱۵۶ ۔

بخاری کی روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :۔

۱ ۔ اُمّ المومنین لشکر کی روانگی کے وقت پڑاؤ سے نکلی تھیں اور اس وقت کوچ کا نقارہ بج چکا تھا ۔

۲ ۔ باہر نکلتے وقت انہوں نے کسی کو بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا ۔

۳ ۔ پورے لشکر میں سے کسی نے انہیں جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔

۴ ۔ محمل اٹھانے والوں کو بھی آپ کا پتہ نہ چل سکا کیونکہ اس زمانے میں تمام عورتیں بشمول اُمّ المومنین کمزور و نحیف ہوا کرتی تھیں۔

۵ ۔ قلت خوراک اور کم سنی کی وجہ سے بی بی صاحبہ کا وزن کچھ تھا ہی نہیں۔ اسی لئے محمل برداروں نے خالی محمل اٹھا کر اونٹ پہ رکھ دیا تھا ۔

۶ ۔ ام المومنین نے جب میدان خالی دیکھا تو وہیں چادر اوڑھ کر سو گئیں ۔

۷ ۔ صفوان لشکر کے پیچھے تھا وہ آیا تو اس نے نیند میں پڑے ہوئے انسان کو دور سے ہی دیکھ کر پہچان لیا تھا ۔ کیونکہ وہ آیت حجاب سے پہلے آپ کو دیکھ چکا تھا۔

۸ ۔ صفوان نے اُمّ المومنین کو ناقہ پہ بٹھایا اور مدینہ لے آیا ۔

حضرت اُمّ المومنین اور مولا علی علیہ السلام کے درمیان حسد کی وجوہات میں واقعۂ اِفک کا بھی دخل ہے ۔ اس کے علاوہ کچھ اور غیر مستقیم عوامل (Indirect) بھی تھے جن کی وجہ سے اُمّ المومنین ، بنتِ پیغمبرؐ اور علی مرتضیٰؑ سے حسد کیا کرتی تھیں ۔

جناب عائشہ کی خواہش رہتی تھی کہ وہ رسولِ خدا کے محبوب بن جائیں۔ حضرت عائشہ میں سوکن پن کا حسد اتنا تھا کہ کئی دفعہ رسول خدا کے سامنے ان کی مرحوم بیوی جناب خدیجۃ الکبریٰ پر بھی اعتراضات کئے تھے اور رسول خدا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ خدیجہؓ ایک بڈھی عورت تھی جس کے دانت

ٹوٹے ہوئے تھے اور اللہ نے اسکے بدلہ میں آپ کو نوجوان باکرہ بیوی دی ہے۔

رسول خدا نے یہ الفاظ سن کر جناب عائشہ کو ڈانٹ دیا تھا کہ حضرت خدیجہؑ نے اس وقت میری تصدیق کی جب کہ لوگوں نے میری تکذیب کی تھی۔ اس نے اپنا تمام مال اس وقت میرے قدموں میں نچھاور کیا تھا جب لوگوں نے مجھے محروم کیا تھا اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اللہ نے اسے میری نسل کی ماں بنایا اور یہ عظیم شرف اس کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔

جی ہاں! حضرت عائشہ اور حفصہ یہ وہی بی بیاں ہیں جن کے متعلق سورۃ تحریم نازل ہوئی اور ان دونوں کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ" تم دونوں اگر توبہ کر لو تو بہتر کیونکہ تم دونوں کے دل حق سے منحرف ہو چکے ہیں اور اگر تم دونوں نبی کے خلاف چڑھائی کروگی تو اللہ اس کا مددگار ہے۔ جبریل اور نیک مومن اس کے مددگار ہیں اور اس کے بعد تمام فرشتے اس کے پشت پناہ ہیں۔

سورۃ تحریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو ازواج نے رسول خدا کے خلاف کوئی ایسا محاذ ضرور تیار کیا تھا کہ جس کے لئے اللہ نے اپنی اور جبریل اور صالح المؤمنین اور ملائکہ کی مدد کا ذکر کیا ہے۔

اس مقام پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کوئی محاذ نہیں تھا تو پھر اس سے پوچھنا چاہیے کہ جب حالات بالکل اطمینان بخش تھے تو اللہ نے اتنے بڑے لشکر کا ذکر کیوں فرمایا اور ان دونوں بیویوں کو طلاق کی دھمکی کیوں دی اور ان کے دلوں کو حق سے منحرف کیوں قرار دیا؟

حضرت عائشہ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے محروم رکھا تھا۔ جب وہ حضرت سیدہؑ بنت رسولؐ کو دیکھتی تھیں تو ان کے دل میں زنانہ حسد انگڑائیاں لیا کرتا تھا۔

طلحہ و زبیر کی مخالفت کی وجہ

طلحہ و زبیر کی مخالفت کی وجوہ بھی چشم تاریخ سے مخفی نہیں ہیں۔ طلحہ و زبیر دونوں خلافت کے امیدوار تھے اور چند دن پہلے ہی حضرت عمر نے ان دونوں کو شوریٰ میں شامل کیا تھا۔ لیکن شوریٰ کے ذریعہ سے انہیں خلافت نہیں ملی تھی اور حضرت عثمان خلیفہ بن گئے تھے۔ ان دونوں نے حضرت عثمان کی خلافت کے اوائل میں ان سے خوب مفادات حاصل کئے۔

اور جب ان دونوں نے دیکھا کہ اب ہوا کا رخ بدل چکا ہے تو انہوں نے بھی اپنا رخ ہوا کی جانب کر لیا۔ اور ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم نے حضرت عثمان کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تو ان کے بعد خلافت ہمیں نصیب ہوگی۔ لیکن!

ع اے بسا آرزو کہ خاک شد

حضرت عثمان کے قتل کے بعد انہیں کسی نے خلافت کے قابل نہ سمجھا، خلافت کی مسند پہ حضرت علی فائز ہوگئے۔

یہ دیکھ کر ان کے غصّہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور پھر انہوں نے اپنی سابقہ روش اپنائی۔ حضرت علیؑ سے کوفہ اور بصرہ کی حکومت کا مطالبہ کیا جسے حضرت علیؑ نے مسترد کر دیا۔

علاوہ ازیں حضرت علیؑ کی مالی پالیسی خلفائے ثلاثہ سے بالکل جداگانہ تھی۔ علیؑ کسی کی شخصیت سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ اور مشہور شخصیات کو جاگیریں دے کر اپنے ساتھ ملانے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ جب کہ یہ دونوں بزرگوار بڑی بڑی جاگیریں حاصل کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

عثمانی دور میں ان دونوں نے بیت المال سے جو حصہ لیا تھا۔ اس کی

تفصیل آپ سابقہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔

عہدِ شیخین میں انہوں نے کیا کچھ حاصل کیا؟ اس کی معمولی سی جھلک بلاذری کے اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے:

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر نے زبیر کو "جرف" اور "قناۃ" کی تمام جاگیر الاٹ کی تھی۔

مدائنی نے مجھے بتایا کہ:۔

"قناۃ" ایک برساتی نالہ ہے جو طائف سے آتا ہے اور "ارحضیہ" اور "قرقرۃُ الکدر" کے پاس سے گزرتا ہے۔ پھر "معاویہ بند" آتا ہے اور پھر موڑ کاٹ کر یہ نالہ شہدائے احد کے پاس سے گذرتا ہے۔

ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں:۔ "حضرت عمر لوگوں کو جاگیریں الاٹ کرنے لگے تو وادی عقیق میں پہنچے اور کہا کہ زمین کے خواہش مند کہاں ہیں؟ میں نے اس سے بہتر زمین اور کہیں نہیں دیکھی۔ زبیر نے کہا: "یہ زمین مجھے الاٹ کر دیں۔ حضرت عمر نے وہ تمام جاگیر انہیں الاٹ کر دی۔" (۱)

بلاذری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخصیات کسی کی مفت حمایت کرنے کی عادی نہ تھیں۔ انھوں نے ہر دور میں اپنی حمایت کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کی تھی۔

لیکن حضرت علیؑ جیسا عادل امام جس نے اپنے بھائی کو ضرورت سے زیادہ کچھ نہیں دیا تھا وہ ان دونوں کو کیا دیتا؟

بعض مورّخین نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے بخوبی علم ہو سکتا ہے کہ طلحہ و زبیر علی علیہ السلام پر ناراض کیوں تھے؟

"طلحہ و زبیر نے خروج سے پہلے محمد بن طلحہ کو حضرت علیؑ کی خدمت میں

(۱) بلاذری۔ فتوح البلدان۔ ص ۲۶۔

بھیجا اور اس نے آکر ان دونوں کا یہ پیغام آپ کے گوش گزار کیا:

ہم نے آپ کی راہ ہموار کی، ہم نے لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا۔ اور ہم نے دیکھا کہ لوگ آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں تو ہم نے ان کی رہنمائی کی اور سب سے پہلے ہم نے آپ کی بیعت کی، ہم نے آپ کے سامنے عرب کی گردنیں جھکادی ہیں۔ ہماری وجہ سے مہاجرین وانصار نے آپ کی بیعت کی ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ جب آپ حاکم بن گئے تو آپ نے ہم سے مُنہ موڑ لیا اور ہمیں غلاموں اور کنیزوں کی طرح ذلیل کیا۔

جب محمد بن طلحہ کی زبانی حضرت علیؑ نے یہ پیغام سنا تو اسے فرمایا تم ان کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟

وہ گیا اور واپس آکر کہا کہ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک کو بصرہ کا حاکم بنایا جائے اور دوسرے کو کوفہ کا حاکم بنایا جائے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا: ایسا کرنے سے فساد پھیل جائے گا اور یہ دونوں میرے لئے باقی شہروں کی حکومت کو بھی دشوار بنادیں گے اب جب کہ یہ دونوں میرے پاس مدینہ میں ہیں، میں پھر بھی ان سے مطمئن نہیں ہوں اور اگر انہیں اہم علاقوں کا حاکم بنادوں تو سازش کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

جب دونوں نے حضرت علیؑ کا یہ ٹکاسا جواب سنا تو بڑے مایوس ہوئے اور انہیں اپنے تمام عزائم خاک میں ملتے ہوئے نظر آئے تو وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لئے مکہ جانا چاہتے ہیں، آپ ہمیں جانے کی اجازت دیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ پہلے تم قسم کھاؤ کہ میری بیعت نہ توڑو گے اور غداری نہ کرو گے۔ اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کرو گے اور عمرہ کے بعد واپس اپنے گھروں کو آجاؤ گے۔

ان دونوں نے حلفیہ طور پر یہ تمام باتیں تسلیم کیں تو حضرت علیؑ نے انہیں

عمرے کے لئے جانے کی اجازت دی۔ اس کے بعد انہوں نے جو کیا سو کیا۔" [۱]

اور جب یہ دونوں حضرات مکہ جارہے تھے تو حضرت علیؑ نے ان سے فرمایا کیا تم دونوں مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ کبھی میں نے تمہیں تمہارے کسی حق سے محروم کیا ہے؟ یا میں نے تمہارے مقرر شدہ وظیفہ میں کسی طرح کی کوئی کمی کی ہے؟ اور کیا تم نے کبھی ایسا موقع بھی دیکھا جب کسی مظلوم نے میرے پاس فریاد کی ہو اور میں نے اسے اس کا حق دلانے میں کوئی کوتاہی کی ہو؟

خدا کی قسم! مجھے خلافت کا نہ تو کوئی شوق تھا اور نہ ہی حکومت کبھی میرا مطمع نظر رہی ہے۔ تم نے ہی مجھے حکومت و امارت کی دعوت دی تو میں نے قبول کر لی اور جب میں نے حکومت سنبھال لی تو میں نے قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کی قرآن نے مجھے حاکم اور رعیت کے باہمی حقوق و فرائض بتائے تو میں نے احکامِ قرآن کو اپنا رہنما اصول بنایا اور سنتِ نبوی کی میں نے اقتدا کی۔

اس رہنمائی کے حصول کے لئے مجھے تمہاری رائے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ ہی کسی اور کے مشورہ کی مجھے احتیاج محسوس ہوئی۔

اور آج تک کوئی ایسا مقدمہ بھی میرے پاس نہیں لایا گیا۔ جس کے لئے مجھے تمہارے مشورہ کی ضرورت پڑتی۔

حضرت علیؑ نے طلحہ وزبیر کے فتنہ کو ان الفاظ سے اجاگر کیا: " خدا کی قسم! وہ مجھ پر کوئی الزام ثابت نہیں کر سکتے اور انہوں سے میرے اور اپنے درمیان انصاف نہیں کیا۔ وہ اس حق کو طلب کر رہے ہیں جسے انہوں نے خود چھوڑا تھا..... اور وہ اس خون کا بدلہ طلب کر رہے ہیں جسے انہوں نے خود بہایا تھا۔ [۲]

(۱) ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ۔ جلد سوم۔ ص ۴ تا ۹۔ طبع مصر۔
(۲) ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ۔ جلد دوم۔ ص ۴۰۵۔

جنگِ جمل کے محرّک بصرہ میں

طلحہ و زبیر ام المؤمنین کو اپنے ساتھ لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے اور وہ اپنے تئیں خونِ عثمان کا مطالبہ کر رہے تھے۔

جب کہ ان کا یہ مطالبہ دینی اور معروضی حالات دونوں کے تحت ناجائز تھا۔

۱۔ دینی اعتبار سے انہیں مطالبہ کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کیونکہ حضرت عثمان لاولد نہیں تھے ان کی اولاد موجود تھی۔ ان کے فرزند عمرو کو حق پہنچتا تھا کہ وہ خلیفہ المسلمین کے پاس اپنے باپ کے خون کا دعویٰ کرتا۔ اور خلیفہ المسلمین تحقیق کر کے مجرمین کو سزا دیتے۔

حضرت عثمان کی اولاد کی موجودگی میں طلحہ و زبیر اور اُمّ المؤمنین کو خونِ عثمان کے مطالبہ کا کوئی جواز نہیں تھا۔

۲۔ خون کا مطالبہ لے کر اٹھنے والے افراد نے بہت سے غلط کام کئے، انہوں نے بے گناہ افراد کو ناحق قتل کیا۔ بصرہ کے بیت المال کو لوٹا اور بصرہ میں مسلمانوں بالخصوص حاکم بصرہ پر ناجائز تشدد کیا، جس کی انسانیت اور شریعت میں اجازت نہیں ہے۔

۳۔ قاتلین کی تلاش کے لئے محرکین جمل مصر کی بجائے بصرہ کیوں گئے؟

۴۔ ام المؤمنین عائشہ کو گھر سے باہر نکلنے کا کوئی حق نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" کے تحت گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے میدان میں آکر حق خداوندی کی نافرمانی کی۔

۵۔ کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ایک شورش کے ختم کرنے کے لئے اس سے بھی بڑی شورش بپا کی جائے۔ اور بالخصوص جب کہ شورشی افراد کو علم تھا کہ حضرت علیؑ کا دامن خونِ عثمان کے چھینٹوں سے پاک ہے۔ حضرت علیؑ

نے قاتلین عثمان کو کسی قسم کے عہدے بھی تو نہیں دیئے تھے ۔ محرکین جمل پہلے عثمان
پر ناراض تھے اور بعد ازاں علیؑ پر ناراض ہوئے لیکن ناراضگی کے اسباب میں فرق تھا۔
حضرت عثمان پر اس لئے ناراض تھے کہ ان کی مالی پالیسی غیر متوازن
اور غیر عادلانہ تھی اور حضرت علیؑ پر اس لئے ناراض تھے کہ ان کی پالیسی عدل کے
مطابق تھی ۔

اسی عادلانہ پالیسی کے مد نظر حضرت علیؑ نے اقتدار پرست افراد کو کسی
محکمہ کا سربراہ نہیں بنایا تھا اور حضرت علیؑ کی یہ پالیسی ان کے لئے حضرت
عثمان کی پالیسیوں سے بھی زیادہ زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی ۔

موجودہ سیاسی اصطلاح میں یہ کہنا بالکل مناسب ہو گا کہ : حضرت علیؑ
اس انقلاب کے بعد تخت نشین ہوئے جس انقلاب میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا اور
اس انقلاب کا ثمر حضرت علیؑ کی جھولی میں آکر گرا تھا اور انقلابی افراد کو اس میں
کچھ حصہ نہیں ملا تھا ۔

علاوہ ازیں طلحہ ، زبیر اور اُمّ المؤمنین کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر علیؑ
کی حکومت مستحکم ہو گئی تو علیؑ ان پر قتل عثمان کی فرد جرم عائد کریں گے اور
اعانت قتل کے تحت ان پر تعزیر بھی عائد ہو سکتی تھی ۔

اسی خطرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے طلحہ وزبیر نے عہد شکنی کی اور اُمّ المؤمنین کو
ساتھ ملا کر بصرہ روانہ ہوئے ۔ راستے میں ایک چشمہ کے پاس سے ان کا گذر ہوا اور
وہاں کتے بی بی صاحبہ کے محمل کے گرد بھونکنے لگے جس سے بی بی کا اونٹ
بدکنے لگا تو ایک ساربان نے کہا :

اللہ " حوأب " کے کتوں کو غارت کرے ۔ یہاں کتے کتنے زیادہ ہیں ۔
جب " حوأب " کے الفاظ بی بی صاحبہ نے سنے تو فرمایا ۔ مجھے واپس لے
چلو میں آگے نہیں جاؤں گی ۔ کیونکہ میں نے رسولِ خدا سے سنا تھا کہ ایک دفعہ

انہوں نے فرمایا : میں دیکھ رہا ہوں کہ میری ایک بیوی کو " حوأب " کے کتے
بھونک رہے ہیں پھر مجھے فرمایا تھا کہ "حمیرا " وہ عورت تم نہ بننا ۔ یہ سن کر زبیر
نے کہا کہ ہم حوأب سے گزر آئے ہیں بعد ازاں طلحہ وزبیر نے پچاس اعرابیوں کو
رشوت دے کر بی بی کے پاس گواہی دلوائی کہ اس چشمہ کا نام حوأب نہیں ہے ۔
تاریخ اسلام میں یہ پہلی اجتماعی جھوٹی گواہی تھی ۔

حضرت علیؑ نے والیٔ بصرہ عثمان بن حنیف کو خط تحریر کیا جس میں آپ نے
لکھا : باغی افراد نے اللہ سے وعدہ کیا تھا لیکن انہوں نے عہد شکنی کی ۔ جب وہ تمہارے
پاس آئیں تو تم انہیں اطاعت کی دعوت دو۔ اگر مان لیں تو ان سے اچھا سلوک کرو ۔

خط ملنے کے بعد والیٔ بصرہ نے ابوُ الاسود دُؤلی اور عمرو بن حصین خزاعی کو
ان کے پاس بھیجا ۔

بصرہ کی دونوں معزز شخصیات ام المؤمنین کے پاس گئیں اور انہیں وعظ
و نصیحت کی ۔ ام المومنین نے کہا کہ تم طلحہ و زبیر سے ملاقات کرو ۔

چنانچہ وہ وہاں سے اٹھ کر زبیر کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ آپ
بصرہ کیوں آئے ہیں؟ زبیر نے کہا ہم عثمان کے خون کا بدلہ لینے یہاں آئے ہیں۔

بصرہ کے معززین نے کہا کہ "مگر عثمان بصرہ میں تو قتل نہیں ہوئے
آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں ؟" آپ بخوبی جانتے ہیں کہ عثمان کے قاتل کون
ہیں اور کہاں ہیں ۔ تم دونوں اور اُمّ المؤمنین ہی عثمان کے سب سے بڑے دشمن
تھے، تم نے ہی لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا اور جب وہ قتل ہوگئے تو تم ہی بدلہ
لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ علاوہ ازیں تم نے چند دن پہلے بلاجبرو اکراہ حضرت
علیؑ کی بیعت کی تھی اور اب عہد شکنی کر کے ان کے خلاف لشکر کشی کر رہے ہو۔

یہ باتیں سن کر زبیر نے کہا تم طلحہ سے جا کر ملاقات کرو ۔ زبیر کے پاس
سے اٹھ کر امن کے خواہاں دونوں افراد طلحہ کے پاس گئے ۔ اس سے گفتگو کر کے وہ

اس نتیجہ پر پہنچے کہ: طلحہ کسی قسم کی صلح کے لئے آمادہ نہیں ہے وہ ہر قیمت پر جنگ کرنا چاہتا ہے۔

اسی دوران بصرہ کا ایک اور معزز شخص عبداللہ بن حکیم تمیمی خطوط کا ایک پلندہ لے کر طلحہ و زبیر کے پاس آیا اور کہا کہ کیا یہ تم دونوں کے خطوط نہیں ہیں جو تم نے ہمیں روانہ کئے تھے؟

طلحہ و زبیر نے کہا: جی ہاں۔

عبداللہ بن حکیم تمیمی نے کہا: پھر خدا کا خوف کرو، کل تک تم ہمیں خط لکھا کرتے تھے کہ عثمان کو خلافت سے معزول کر دو، اگر وہ معزول نہ ہونا چاہے تو اسے قتل کردو اور جب وہ قتل ہوگیا تو تم اس کے خون کا بدلہ لینے کیلئے آگئے ہو۔

والئ بصرہ عثمان بن حنیف طلحہ وزبیر کے پاس گئے۔ انہیں اللہ، رسولؐ اور اسلام کے واسطے دے کر انہیں یاد دلایا کہ وہ حضرت علیؑ کی بیعت بھی کر چکے ہیں۔ اسی لئے انہیں شورش سے باز رہنا چاہیے۔

ان دونوں نے کہا: ہم خونِ عثمان کا بدلہ لینے آئے ہیں۔

والئ بصرہ نے کہا۔ تم دونوں کا خونِ عثمان سے کیا تعلق ہے؟ خون عثمان کے مطالبہ کا حق صرف اسکی اولاد کو حاصل ہے اور اسکی اولاد بھی موجود ہے۔

طلحہ و زبیر اور والی بصرہ کے درمیان ایک معاہدہ طے ہوا اور اس معاہدہ کو باقاعدہ تحریر کیا گیا۔

اس معاہدہ میں یہ الفاظ تھے کہ فریقین خلیفۃُ المسلمین کی آمد کا انتظار کریں گے اور کسی قسم کی جنگ نہ کریں گے۔

چند دن تو بصرہ میں اس معاہدہ کی وجہ سے امن قائم رہا۔ بعد ازاں طلحہ و زبیر نے قبائل کے سربراہوں کو خطوط لکھے اور انہیں اپنی حمائت پر آمادہ کیا۔ ان کے بھکانے پر بنی اَزد، ضبہ، قیس بن غیلان، بنی عمرو بن تمیم، بنی حنظلہ اور بنی دارم کے

افراد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی جبکہ بنی مجاشع کے دیندار افراد نے ان کی مخالفت کی۔

طلحہ وزبیر نے بعد ازاں ایک اور غداری کی، انہوں نے اپنے بہی خواہوں کو ایک رات مسلح کیا اور زرہوں کے اوپر قمیصیں پہنائیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ افراد غیر مسلح ہیں۔ اس رات بڑی بارش برس رہی تھی اور طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اسی ماحول میں یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مسجد میں داخل ہوئے۔ والی بصرہ عثمان بن حنیف نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو طلحہ وزبیر کے مسلح ساتھیوں نے ایک شدید جھڑپ کے بعد انہیں پیچھے ہٹا کر زبیر کو آگے کردیا، بیت المال کے مسلح محافظوں نے مداخلت کر کے زبیر کو پیچھے ہٹایااور عثمان بن حنیف کو آگے کھڑا کردیا۔ اتنے میں زبیر کے اور مسلح ساتھی مسجد میں پہنچ گئے اور انہوں نے حکومتی افراد سے سخت جنگ کر کے زبیر کو مصلائے امامت پر کھڑا کردیا۔ انہی جھڑپوں کی وجہ سے سورج طلوع ہونے کو آگیا اور نمازیوں نے چیخ کر کہا کہ نماز قضا ہو رہی ہے۔ چنانچہ زبیر نے مصلائے امامت پر جبراً قبضہ کرکے نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد زبیر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ عثمان بن حنیف کو گرفتار کر کے سخت سزا دو۔ زبیر کے ساتھیوں نے والی بصرہ کو پکڑ کر اسے سخت سزا دی اور اس بے چارے کی داڑھی، ابرو اور سر کے بال نوچ ڈالے اور بیت المال کے محافظوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا اور مسلمانوں کے بیت المال کو طلحہ وزبیر کے حکم پر لوٹ لیا گیا۔

بیتُ المال کے محافظین اور والئ بصرہ کو قید کر کے اُمّ المؤمنین کے پاس لایا گیا تو "مہربان ماں" نے محافظین کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا[1]۔

"ناکثین" کی بحث کی تکمیل کے لئے ہم ایک اور روایت کو نقل کرنا پسند کرتے ہیں ابن اثیر رقم طراز ہیں کہ:۔

جب حضرت عثمان محصور تھے تو اُمّ المؤمنین مکہ چلی گئی تھیں۔ اور حج

(۱) تاریخ طبری و شرح ابن ابی الحدید۔ جلد دوم۔ ص ۴۹۰۔ ۵۰۱۔

سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آرہی تھیں اور مقام "سرف" پہ پہنچیں تو بنی لیث کے خاندان کے ایک فرد سے جس کا نام عُبَیدُ اللہ بن ابی سلمہ تھا ملاقات ہوئی۔

بی بی نے اس سے مدینہ کے حالات پوچھے تو اس نے بتایا کہ عثمان قتل ہو چکے ہیں۔ بی بی نے پھر پوچھا کہ عثمان کے بعد حکومت کس کو ملی؟

اس نے بتایا کہ حکومت حضرت علیؑ کو ملی ہے۔

اس وقت شدّتِ تاسّف سے اُمّ المؤمنین نے کہا: "کاش آسمان زمین پہ گر جاتا۔ مجھے مکّہ واپس لے چلو اور کہہ رہی تھیں کہ ہائے عثمان مظلوم مارا گیا۔

عبیدُاللہ بن ابی سلمہ نے کہا کہ بی بی آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ کل تک تو کہتی تھیں کہ "نعثل" کو قتل کردو یہ کافر ہو گیا ہے۔"

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے ؎

فَمِنْكِ الْبَدَاءُ وَمِنْكِ الْغَبَر — وَمِنْكِ الرِّيَاحُ وَمِنْكِ الْمَطَر
وَاَنْتِ اَمَرْتِ بِقَتْلِ الْاِمَام — وَقُلْتِ لَنَا اِنَّهُ قَدْ كَفَر
فَهَبْنَا اَطَعْنَاكِ فِيْ قَتْلِهٖ — وَقَاتِلُهُ عِنْدَنَا مَنْ قَدْ اَمَر

"ابتدا آپ کی طرف سے ہے، گرد و غبار بھی آپ کی طرف سے ہے۔ تیز آندھی اور بارش بھی آپ کی طرف سے ہے۔ آپ نے ہمیں خلیفہ کے قتل کا حکم دیا تھا اور کہا کرتی تھیں کہ وہ کافر ہو گیا۔ ہم نے تو آپ کا کہا مان کر اسے قتل کیا ہے۔ اور ہماری نظر میں اس کا اصل قاتل وہ ہے جس نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے۔"

اس کے بعد اُمّ المؤمنین مکّہ آگئیں اور لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کرنا شروع کیا اور کہتی تھیں کہ ناحق قتل ہو گیا۔ عُثمان روئے زمین پر بسنے والے تمام افراد سے بہتر تھا۔ عبداللہ بن عامر بصرہ سے بہت سا مال لایا اور اُمّ المؤمنین کی نذر کیا۔ اسی طرح سے یعلیٰ بن امیہ بھی یمن سے بہت بڑی دولت لے کر آیا اور ساری دولت بی بی کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ اور بی بی کو بصرہ کی طرف جانے کا مشورہ دیا۔

اس وقت مکّہ میں اور بھی ازواجِ رسولؐ موجود تھیں۔ بی بی عائشہ نے

انہیں بھی اپنے ساتھ چلنے کا مشورہ دیا۔

حضرت اُمّ سلمہ نے اس کی شدید مخالفت کی اور عائشہ سے کہا: خدا کا خوف کرو، اللہ نے ہمیں اپنے گھروں میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ جنگ کی کمان سنبھالنے کا حکم نہیں دیا۔ حضرت حفصہ بنت عمر بی بی عائشہ کے ساتھ تیار ہونے لگیں تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمر نے انہیں سمجھایا اور انہیں اس مہم جوئی سے باز رکھا۔

اُمّ المؤمنین طلحہ وزبیر کو ساتھ لے کر روانہ ہوئیں تو مروان بن حکم نے کہا کہ ان دونوں میں سے امامت کون کرائے گا؟

عبداللہ بن زبیر نے کہا: میرا باپ امامت کرائے گا اور محمد بن طلحہ نے کہا کہ میرا باپ امامت کرائے گا۔

جب اس جھگڑے کی اطلاع بی بی عائشہ کو ملی تو انہوں نے مروان کو پیغام بھیجا کہ: تو ہمارے درمیان جھگڑا پیدا کرنا چاہتا ہے؟

نماز میرا بھانجا عبداللہ بن زبیر پڑھائے گا۔

اسی گروہ سے تعلق رکھنے والا ایک فرد معاذ بن عبداللہ کہا کرتا تھا کہ: خدا کا شکر ہے کہ ہم ناکام ہوگئے، اگر ہم بالفرض کامیاب ہو جاتے تو زبیر طلحہ کو کبھی حکومت نہ کرنے دیتا اور طلحہ بھی زبیر کو ایک دن کی حکومت کی اجازت نہ دیتا، اس طرح ہم آپس میں لڑکر ختم ہو جاتے۔

جب باغیوں کا یہ گروہ بصرہ جارہا تھا تو راستے میں سعید بن العاص نے مروان بن الحکم سے ملاقات کی اور کہا کہ: جن لوگوں سے ہم نے بدلہ لینا تھا وہ تو تمہارے ساتھ ہیں۔ قتل عثمان کے بدلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ ان محرّکین کو قتل کر دو اور بعد ازاں اپنے گھروں کی راہ لو۔

بصرہ پہنچ کر طلحہ و زبیر نے حضرت عثمان کی مظلومیت کی درد بھری داستان لوگوں کو سنائی اور ان کے خون کا بدلہ لینے کے عزم کا اظہار کیا اور اُمّ المؤمنین

نے بھی کھلے عام تقریر کی ۔

اس پر جاریہ بن قدامہ سعدی نے کھڑے ہو کر کہا : اُمّ المؤمنین ! عثمان جیسے ہزاروں افراد بھی قتل ہو جاتے تو بھی وہ اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا کہ تمہارے باہر آنے کا ہمیں صدمہ پہنچا ہے ۔ زوجہ رسولؐ ہونے کے ناطے اللہ نے آپ کو حرمت و عزت عطا کی تھی لیکن تم نے اس حرمت کے پردے کو خود ہی پھاڑ ڈالا اور پردے کو چھوڑ کر جنگوں میں آگئیں ۔

بنی سعد کا ایک اور نوجوان کھڑا ہوا اور طلحہ وزبیر کو مخاطب کر کے کہا :

کیا میدان میں تم دونوں اپنی بیویاں بھی ساتھ لائے ہو ؟

اگر نہیں لائے تو تمہیں حیا آنی چاہیئے کہ اپنی بیویوں کو تم نے پردے کے پیچھے بٹھایا اور رسول خدؐا کی بیوی کو میدان میں لے آئے ہو ؟

بعد ازاں اس نے اسی مفہوم کی ادائیگی کے لئے کچھ اشعار بھی پڑھے ۔

پھر یہ لوگ بصرہ آئے اور وہاں انہوں غدر سے کام لیتے ہوئے عثمان بن حنیف کو گرفتار کیا اور اس کے بال نوچ ڈالے اور اسے چالیس کوڑے مارے ۔

بصرہ سے ام المؤمنین نے زید بن صوحان کو درج ذیل خط لکھا: رسول خدؐا کی پیاری بیوی عائشہ کی جانب سے اپنے خالص فرزند زید بن صوحان کے نام !

امّابعد : جب میرا یہ خط تجھے ملے تو ہماری مدد کے لئے چلا آ اور اگر تو نہ آسکے تو لوگوں کو علیؑ سے متنفر کر ۔

زید بن صوحان نے اس خط کا جواب درج ذیل الفاظ میں دیا ۔ اگر آپ واپس چلی جائیں اور اپنے گھر میں بیٹھ جائیں تو میں آپ کا خالص فرزند ہوں ، ورنہ میں آپ کا سب سے پہلا مخالف ہوں ۔

پھر زید نے حاضرین سے کہا کہ :

اللہ اُمّ المؤمنین کے حال زار پر رحم فرمائے ۔ اسے حکم ملا تھا کہ وہ گھر میں

بیٹھے اور ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم جنگ کریں ۔ انہوں نے اپنے حکم کو پس پشت ڈال دیا اور وہ اس حکم پر عمل کرنے لگی ہیں جو کہ ہمیں دیا گیا تھا ۔

ایک دفعہ طلحہ وزبیر اجلاس عام سے خطاب کر رہے تھے کہ بنی عبدقیس کے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا :

اے گروہِ مہاجرین ! ہماری بات سنیں ۔ جب رسولؐ کی وفات ہوئی تو تم نے ایک شخص کی بیعت کرلی تھی ۔ ہم نے اسے تسلیم کر لیا تھا ۔ اور جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں ہم سے کوئی مشورہ کئے بغیر ایک شخص کو نامزد کیا تھا ۔ ہم نے اسے بھی تسلیم کیا تھا ۔ اور جب اس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے خلافت کے لئے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ تشکیل دی تھی ۔ اور اس شوریٰ کے لئے ہم سے کسی نے مشورہ طلب نہیں کیا تھا اور پھر ایک شخص شوریٰ کے ذریعہ سے منتخب ہوا تو ہم نے اسے بھی تسلیم کیا تھا ۔ پھر تمہیں اس میں عیب نظر آئے ، تم نے ہمارے مشورہ کے بغیر اسے قتل کر دیا اور تم نے علیؑ کی بیعت کی تو بھی ہم سے تم نے کوئی مشورہ نہیں لیا تھا ۔ اب آپ ہمیں بتائیں کہ علیؑ سے کون سی خطا سرزد ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ہم اس کے خلاف جنگ کریں ؟

کیا اس نے اللہ کا مال کسی کو ناحق دیا ہے ؟

کیا اس نے حق کے دامن کو چھوڑ کر باطل کو اپنالیا ہے ؟

یا اس سے کوئی غلط کام سرزد ہوا ہے ؟

آخر ہمیں بتائیں کہ علیؑ نے وہ کون سا ایسا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے اس سے جنگ ناگزیر ہو گئی ہے ؟

نوجوان کی اس جسارت کی وجہ سے چند لوگ اس کو قتل کرنے کے لئے اٹھے تو اس کے قبیلہ کے افراد نے اسے بچالیا ۔

وہ دن تو جیسے تیسے گزر گیا ۔ دوسرے دن باغیوں نے اس کے گھر پہ حملہ کر کے

اسے قتل کر دیا اور اس کے علاوہ اس کی قوم کے ستر دیگر افراد کو بھی قتل کر دیا۔

اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے علیؑ بصرہ آئے ۔ جہاں شدید جنگ ہوئی۔ حضرت علیؑ کامیاب ہوئے ۔ طلحہ و زبیر مارے گئے۔

ام المؤمنین نے عبداللہ بن خلف کے مکان میں پناہ لی ۔ حضرت امیر المؤمنین نے اپنے لشکر میں اعلان کر دیا کہ کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے، کسی عورت پہ ہاتھ نہ اٹھایا جائے ، کسی کے گھر میں داخل ہو کر مال نہ لوٹا جائے ۔

پھر امیر المومنین نے زوجہ رسولؐ کو چالیس عورتوں کے ہمراہ واپس مدینہ بھیج دیا اور اس کی مزید حفاظت کے لئے اس کے بھائی محمد بن ابوبکر کو ہمراہ روانہ کیا ۔ حضرت عائشہ نے بصرہ سے روانہ ہوتے وقت کہا ۔ ہمیں ایک دوسرے پر ناراض نہیں ہونا چاہیے ۔ میرے اور علیؑ کے درمیان تنازعات کی وہی نوعیت ہے جو کہ دیور اور بھابھی کے تنازعات کی ہوا کرتی ہے ۔

محرّکینِ جمل کے جرائم

گروہِ ناکثین کی کارستانیاں آپ نے ملاحظہ فرمائیں ۔ اس پورے ہنگامے میں ان لوگوں نے جرائم کا ارتکاب کیا ۔

۱ ۔ طلحہ و زبیر نے پچاس افراد کو رشوت دے کر جھوٹی گواہی دلائی کہ اس چشمہ کا نام " حواب " نہیں ہے اور یہ تاریخ اسلام کی پہلی اجتماعی جھوٹی گواہی تھی اور اسلام میں جھوٹی گواہی کتنا بڑا جرم ہے ؟

اس کے لئے صحیح بخاری کی اس حدیث کا مطالعہ فرمائیں :-

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَكْبَرُ الْكَبَائِرِ عِنْدَاللّٰهِ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ ثَلَاثًا اَقُوْلُهَا اَوَاَقُوْلُ شَهَادَةُ الزُّوْرِ فَمَازَالَ يُكَرِّرُهَا قُلْنَا لَيْتَه سَكَتَ"

رسولِ خدا نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک بدترین گناہ اس کے ساتھ شرک

کرنا ، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی ہے ۔

آپؐ نے ان الفاظ کا بار بار تکرار کیا ۔ یہاں تک کہ ہم کہنے لگے : کاش کہ آپ خاموش ہو جائیں ۔

۲ ۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اُمُّ المُؤمنین " حواب " کا سن کر واپس کبھی اپنے گھر نہ جاتیں کیونکہ جھوٹے گواہ انہیں یہ تو بتا رہے تھے کہ وہ تھوڑی دیر پہلے "حواب" سے گزر چکی ہیں۔ اُمُّ المؤمنین کے دل میں فرمان رسولؐ کا رتی برابر بھی احساس ہوتا تو بھی انہیں واپس چلے جانا چاہیے تھا ۔

۳ ۔ طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت کر کے عہد شکنی کی تھی اور بعد ازاں عثمان بن حنیف کے ساتھ معاہدہ کر کے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا ۔

۴ ۔ انہوں نے مسجد اور نماز کی حُرمت پامال کی اور بیتُ المال کے محافظین کو ناحق قتل کیا ۔ جب کہ قرآن مجید میں قتل مؤمن کی بہت بڑی سزا بیان ہوئی ہے۔

۵ ۔ محرکین جمل نے حضرت عثمان بن حنیف کے تمام بال نوچ ڈالے تھے اور ان کا "مثلہ" کیا تھا۔ اب آیئے رسول اسلامؐ کی تعلیمات کو بھی دیکھ لیں :-

حضرت عُمر نے رسول خدا کی خدمت میں عرض کی تھی کہ : سہیل بن عَمرو کفارِ مکہ کا خطیب ہے ، وہ کفار کو ہمیشہ اپنے خطبات کے ذریعہ سے برانگیختہ کیا کرتا ہے ، اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کے نچلے دو دانت توڑ دیتا ہوں ۔ اس کے بعد اس کی خطابت کے جوش میں وہ روانی نہیں رہے گی اور وہ یوں کسی کو اسلام کی مخالفت پر آمادہ کرنے کے قابل نہ رہے گا۔

رسول خدا نے حضرت عمر کو سختی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا : "میں کسی کی صورت نہیں بگاڑوں گا ورنہ اللہ میری صورت بگاڑ دے گا اگرچہ کہ میں نبی ہوں۔" (۱)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رسول خدا نے تو بدترین مشرک کا حلیہ بگاڑنے کی

(۱) تاریخ طبری ۔ جلد دوم ۔ ص ۲۸۹۔

اجازت نہیں دی ۔ لیکن طلحہ وزبیر نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر ایک شریف اور امین مسلمان کا حلیہ تبدیل کر دیا تھا کیا اسلام میں اس فعل شنیع کی اجازت ہے ؟

۶ ۔ حضرت عثمان کے قتل ، اور بصرہ کے لوٹنے کا باہمی ربط کیا ہے ؟

۷ ۔ جو کچھ بلوائیوں نے حضرت عثمان کے ساتھ سلوک کیا وہ نامناسب تھا تو جو سلوک طلحہ وزبیر نے عثمان بن حنیف کے ساتھ کیا، کیا وہ اسلامی طرز عمل کے مطابق تھا ؟

۸ ۔ اسلام میں ایفائے عہد کی تاکید کی گئی ہے اور عہد شکنی کو منافقت کی علامت قرار دیا گیا ہے ، جیسا کہ امام مسلم نے رسول خدا کی حدیث نقل کی ہے ۔

" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ص : اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْ نِّفَاقٍ حَتّٰى يَدَعَهَا ۔ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ ۔"

"رسولِ خدا نے فرمایا: جس میں چار علامتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ایک علامت ہو تو اس میں بھی منافقت کی علامت ہے ۔ یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے : ۱۔ جب بولے تو جھوٹ بولے ۲۔ جب معاہدہ کرے تو خلاف ورزی کرے ۳۔ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے ۴۔ جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے ۔"[1]

اور گروہِ ناکثین میں جتنی علامات پائی جاتی تھیں اس کا فیصلہ ہم اپنے انصاف پسند قارئین پر چھوڑتے ہیں ۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنے قارئین سے یہ درخواست بھی کرتے ہیں کہ وہ ناکثین کے طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ امیرالمؤمنینؑ کے طرزِ عمل کو بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

ہمیں اپنے باضمیر اور انصاف پسند قارئین سے امید ہے کہ وہ خود ہی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ علیؑ اور ان کے حریفوں کے درمیان زمین و آسمان ، حق و باطل اور نور و ظلمت جتنا فاصلہ پایا جاتا ہے ۔

---

(۱) صحیح مسلم ۔ جلد اول ۔ ص ۴۲ ۔

گروہِ قاسطین (منکرین حق)

"وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ تَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ وَيَدْعُوْنَكَ اِلَى النَّارِ"

(فرمانِ رسول اکرمؐ)

عمار ! تجھ پر افسوس ہے ۔ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا ۔ تو انہیں اللہ کی طرف دعوت دے گا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائیں گے ۔

اَنْزَلَنِي الدَّهْرُ ثُمَّ اَنْزَلَنِي
حَتّٰى قِيْلَ عَلِيٌّ وَّمُعَاوِيَه

" زمانے نے مجھے میرے مقام سے نیچے کیا اور بہت ہی نیچے کیا ۔ یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے کہ علیؑ اور معاویہ ۔"

(الامام علی بن ابی طالب علیہ السلام)

ہم نے سابقہ فصل میں ناکثین کی تحریک کا ایک طائرانہ جائزہ لیا ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحریک نے اسلامی دنیا میں سرکشی اور بغاوت کی تخم ریزی کی تھی ۔

ناکثین کی تحریک کا نتیجہ حق و باطل کی جنگ کی صورت میں نمودار ہوا ۔

واقعۂ جمل کی وجہ سے معاویہ اور اس کے ہم نواؤں کے حوصلے بلند ہوئے اور انہیں اسلامی حکومت کے خلاف مسلح بغاوت برپا کرنے کی جرأت ہوئی اور واقعۂ جمل کی وجہ سے معاویہ کو اتنی فرصت مل گئی جس میں اس نے شر اور بدی کی قوتوں کو جمع کیا اور دینِ حنیف کے مقابلہ میں علَم بغاوت بلند کیا ۔ معاویہ کے پرچم تلے وہ تمام افراد آکر جمع ہوئے جنہیں خدشہ تھا کہ علیؑ ان پر حد جاری کرینگے وہ سب بھاگ کر معاویہ کے پاس آگئے تھے ۔ جس کی مثال عبیداللہ بن عمر بن خطاب ہے ۔

جب ابولولوَ نے حضرت عمر پر وار کیا تھا اور حضرت عمر اس کے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے تھے تو ان کے فرزند عبیداللہ بن عمر نے تلوار اٹھا کر ابو لولوَ کو قتل کیا ۔ اور اس کے علاوہ ایک ایرانی سردار جو کہ اسلام قبول کر چکا تھا اور اس کا نام ہرمزان تھا ، اسے اور ایک اور ذمی شخص جفینہ کو قتل کردیا ۔

حضرت عثمان جیسے ہی خلیفہ منتخب ہوتے تھے حضرت علیؑ نے ان سے مطالبہ کیاتھا کہ عبید اللہ نے قانون ہاتھ میں لے کر شریعت نبوی کا مذاق اڑایا ہے۔ اس نے دوبے گناہ افراد کو ناحق قتل کیاہے لہذا اس پر حد شرعی کو نافذ کرناچاہیے۔

حضرت عثمان نے اس مطالبہ پر کوئی توجہ نہ دی اور کہا کہ کل اسکا باپ قتل ہوا اور آج اس کے بیٹے کو قتل کیا جائے ؟

الغرض حضرت عثمان نے مجرم کو مکمل تحفظ فراہم کیا اور اس سے کوئی بازپرس نہ کی ۔

حضرت عثمان کے بعد جیسے ہی حضرت علیؑ نے اقتدار سنبھالا تو عبیداللہ کو اپنی جان کے لالے پڑگئے ۔ حضرت علیؑ کے مثالی عدل سے ڈر کر شام چلا آیا اور معاویہ نے اس کا خیر مقدم کیا ۔[1]

اسی طرح سے مصقلہ بن ھُبیرہ شیبانی نے خِرّیت بن راشد اسامی خارجی کے بقیۃُ السیف پانچ سو افراد کو خرید کر آزاد کیا۔ لیکن جب عبداللہ بن عباس نے اس سے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ : اگر میں اس سے زیادہ رقم عثمان سے مانگتا تو وہ بے دریغ مجھے دے دیتے ۔

چناچہ رقم کی ادائیگی کی بجائے وہ معاویہ کے پاس شام چلا گیا اور معاویہ نے اسے طبرستان کا گورنر بنادیا ۔

بعد ازاں اس نے اپنے بھائی نعیم بن ھُبیرہ کو بھی معاویہ کے پاس آنے

(۱) المسعودی ۔ مروج الذہب و معادن الجواہر۔ جلد دوم ۔ ص ۲۶۱۔

کی ترغیب دی[1]

جگر خوار ماں کا بیٹا حضرت علیؑ کے مخالفین اور ان کی عدالت سے بھاگے ہوئے افراد کے لئے کمین گاہ بن گیا تھا اور اس نے مسلم معاشرہ میں فساد کی تخم ریزی کی اور دین متین کے احکام کو پس پشت ڈال دیا اور مخالفت دین کے لئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی ۔

معاویہ کے کردار کے اثرات صرف اس کے اپنے دور تک محدود نہیں رہے ۔ بلکہ امت مسلمہ اس کا آج تک خمیازہ بھگت رہی ہے ۔

خون عثمان کا بہانہ کر کے معاویہ نے دین اسلام کے ضروریات کا انکار کیا ۔ ہماری نظر میں عظمت انسانیت پر سب سے بڑا ستم یہ ہوا کہ علیؑ جیسے انسان کے مقابلہ میں معاویہ کو قابل ذکر انسان تصور کیا گیا ۔جی ہاں یہ وہ عظیم انسان تھے جن کے والد ابوطالب تھے جو کہ رسولِ خدا کے مُربّی تھے اور معاویہ کا باپ ابو سفیان تھا جس نے اسلام اور رسولِ اسلام کے خلاف ہمیشہ جنگیں کیں ۔

علیؑ کی ماں فاطمہ بنت اسد تھیں جنہیں رسولؐ خدا اپنی ماں قرار دیا کرتے تھے اور معاویہ کی ماں ہند جگر خوار تھی ۔

معاویہ کی بیوی میسونہ عیسائیوں کی بیٹی تھی، علیؑ کی زوجہ حضرت فاطمہ زہرؑا رسول خدؐا کے جگر کا ٹکڑا تھیں ، جن کی تعظیم کے لئے رسول خدؐا اپنی مسند چھوڑ دیتے تھے ۔ اور انہیں سیدۃ نساء العالمین کے لقب سے یاد کرتے تھے ۔

معاویہ اور میسونہ کی مشترکہ تربیت کا مجسمہ یزید لعین تھا اور علیؑ و زہرؑا کی آغوش میں پلنے والے حسنؑ و حسینؑ تھے جو کہ جوانان جنت کے سردار تھے ۔

معاویہ کا باپ ابو سفیان اور ماں ہند فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے جب کہ ان کے پاس اپنی جان و مال بچانے کے لئے اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ

(۱) ڈاکٹر طہٰ حسین ۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ علیؑ و بنوہ ۔ ص ۱۲۰۔

نہیں تھا۔

اگر معاویہ خونِ عثمان کے مطالبہ میں مخلص تھا تو اس کا فرض بنتا تھا کہ وہ امت اسلامیہ کے زعیم حضرت علیؑ کی بیعت کرتا اور پھر حضرت عثمان کی اولاد کو ساتھ لے کر حضرت علیؑ کے پاس ان کے خون کا مقدمہ درج کراتا اور انصاف حاصل کرتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ معاویہ صرف اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتا تھا اسے خون عثمان سے کوئی دل چسپی نہیں تھی اور اس کا تاریخی ثبوت یہ ہے کہ جب معاویہ حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے خون عثمان کو مکمل طور پر فراموش کر دیا اور حضرت عثمان کے کسی قاتل سے اس نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

خونِ عثمان کا بہانہ کر کے معاویہ نے دولت بھی حاصل کر لی اور دشمنان علیؑ کی پارٹی منظم کرنے میں بھی کامیاب ہوگیا اور آخر کار حکومت بھی حاصل کرلی غرضیکہ معاویہ نے سب کچھ حاصل کیالیکن صرف ایک چیز اسے حاصل نہ ہوئی اور وہ چیز خون عثمان کا بدلہ تھی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ معاویہ خود ذہنی طور پر یہ چاہتا تھا کہ حضرت عثمان کسی نہ کسی طرح سے قتل ہوں اور وہ ان کا "ولیٔ دم" بن کر اقتدار حاصل کرسکے۔ حضرت عثمان کافی ایام تک اپنے گھر میں محصور رہے تھے،اس دوران اگر معاویہ چاہتا تو فوج بھیج کر ان کی گلوخلاصی کراسکتا تھا لیکن اس نے جان بچا کر خاموشی اختیار کر لی تھی تاکہ حالات اپنے منطقی نتیجہ تک پہنچ سکیں اور،اس کے بعد وہ خود بنی امیہ کا "ہیرو" بن کر منظر عام پر آسکے۔

معاویہ نے ابو الطفیل کو ایک مرتبہ ملامت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: تجھ پر افسوس ہے تو نے حضرت عثمان کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔

ابو الطفیل نے کہا: میں اسوقت باقی مہاجرین و انصار کی طرح خاموش رہا لیکن تمہارے پاس تو شام جیسا بڑا صوبہ تھا اسکے باوجود تو نے اسکی مدد کیوں نہ کی؟

معاویہ نے کہا: اس کے خون کے بدلہ کا نعرہ لگا کر میں عثمان کی مدد کررہا ہوں۔ یہ سن کر ابوالطفیل ہنسنے لگے اور کہا کہ تیرا اور عثمان کا معاملہ بھی وہی ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا تھا"

لَا اَلْفَيَنَّكَ بَعْدَ الْمَوْتِ تندبُنِيْ وَفِيْ حَيَاتِيْ مَازَوَّدْتَنِيْ زَادًا

"اپنے مرنے کے بعد میں تجھے اپنے اوپر روتا ہوا دیکھوں گا جب کہ تو نے میری زندگی میں کسی طرح کی مدد نہیں کی تھی۔"

معاویہ نے مخالفین عثمان کو کلیدی مناصب پر فائز کیا ہوا تھا۔

سابقہ صفحات میں ہم عرض کرچکے ہیں کہ حضرت عثمان نے عمرو بن العاص کو حکومت سے معزول کردیا تھا۔ اس کے بعد عمرو بن العاص نے لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ ان کے اپنے قول کے مطابق انہیں کوئی چرواہا بھی ملتا تو اسے بھی عثمان کی مخالفت پر آمادہ کرتے تھے اور جب حضرت عثمان قتل ہوگئے تو اس وقت عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے عبداللہ کو مخاطب کرکے کہا تھا:۔

"میں عبداللہ کا باپ ہوں میں نے آج تک جس زخم کو کریدا اس سے خون ضرور نکالا۔"(1)

حضرت عثمان کے اس مخالف کو معاویہ نے اپنے ساتھ ملایا اور وہ معاویہ کا مشیر اعظم تھا۔

عمرو بن العاص جیسے عثمان دشمن شخص کو اتنا بڑا منصب دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ معاویہ کو عثمان کے خون سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے

(1) ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ الفتنۃ الکبریٰ "عثمان بن عفان"

صرف حکومت کے حصول کی تمنا تھی ۔ خون عثمان کو حصول مقصد کے لئے اس نے صرف ایک ذریعہ بنایا ہوا تھا ۔ حضرت علیؑ کے موقف کو ابن حجر عسقلانی یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا :۔

"سب سے پہلی بات یہ ہے کہ معاویہ اور اس کے ساتھی سرکشی کی راہ چھوڑ کر میری بیعت کریں بعد ازاں عثمان بن عفان کے خون کا وارث ان کے خون کا دعویٰ میری عدالت میں دائر کرے اس کے بعد میں احکام شرع کے تحت فیصلہ کروں گا ۔" [۱]

جنگ صفین کے بعد حضرت علیؑ نے مختلف شہروں میں ایک گشتی مراسلہ روانہ کیا جس کی تحریر یہ تھی :

" وَكَانَ بَدْءُ اَمْرِنَا اِنَّا اَلْتَقَيْنَا وَالْقَوْمِ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

ابتدائی صورت حال یہ تھی کہ ہم اور شام والے آمنے سامنے آئے ۔ اس حالت میں کہ ہمارا اللہ ایک ، نبیؑ ایک اور دعوت اسلام ایک تھی ۔ نہ ہم ایمان باللہ اور اس کے رسولؐ کی تصدیق میں ان سے کچھ زیادتی چاہتے تھے اور نہ وہ ہم سے اضافہ کے طالب تھے ، بالکل اتحاد تھا ۔ سوا اس اختلاف کے جو ہم میں خون عثمان کے بارے میں ہو گیا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اس سے بالکل بری الذمہ تھے ۔ تو ہم نے ان سے کہا کہ آؤ فتنہ کی آگ بجھا کر اور لوگوں کا جوش ٹھنڈا کر کے اس مرض کا وقتی مداوا کریں ، جس کا پورا استیصال ابھی نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ صورت حال استوار و ہموار ہو جائے اور سکون و اطمینان حاصل ہو جائے اس وقت ہمیں اس کی قوت ہوگی کہ ہم حق کو اس جگہ پر رکھ سکیں لیکن ان لوگوں نے کہا ہم اس کا علاج جنگ و جدل سے کریں گے ۔" [۲]

---

(۱) الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۔ جلد دوم ۔ ص ۵۰۱ ۔ ۵۰۲ ۔

(۲) نہج البلاغہ ۔ جلد دوم ۔ مکتوب نمبر ۵۸ ۔ ص ۶۵۱ ۔

معاویہ کا خروج دراصل اس موروثی عداوت کا مظہر تھا جو اس کے خاندان کو بنی ہاشم سے تھی ۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں قبل اسلام بھی عداوت موجود تھی اور بنی امیہ نے ہمیشہ بنی ہاشم کو اپنے ظلم وجور کا نشانہ بنایا تھا ۔

حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں ان کا ایک یہودی غلام تھا جو کہ تجارت کرتا تھا ، یہ بات معاویہ کے دادا کو ناگوار گزری ۔ چنانچہ حرب بن امیہ نے قریش کے چند نوجوانوں کو اس کے قتل اور اس کا مال لوٹنے پر آمادہ کیا ۔ اسکے بہکاوے میں آکر عامر بن عبدمناف بن عبدالدار اور حضرت ابو بکر کے دادا صخر بن حرب بن عمرو بن کعب التیمی نے اسے قتل کردیا اور اسکا مال لوٹ لیا تھا ۔ [۱]

جنگِ صِفّین

حضرت علیؑ جنگ جمل سے فارغ ہوکر کوفہ تشریف لائے اور جریر بن عبداللہ بجلی کو اپنا قاصد بنا کر معاویہ کے پاس روانہ کی اور اسے اپنی خلافت و امارت کے تسلیم کرنے کی دعوت دی ۔

جریر حضرت علیؑ کا خط لے کر معاویہ کے پاس گئے اور معاویہ نے کافی دن تک اسے ملاقات کا وقت تک نہ دیا ۔ عمرو بن العاص سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے ؟

عمرو بن العاص نے اسے مشورہ دیا کہ اہل شام کا ایک اجتماع بلانا چاہیے اور اس میں علیؑ کو عثمان کا قاتل کہہ کر اس سے خون عثمان کا بدلہ لینے کی تحریک پیش کی جائے ۔ اسی اثنا میں نعمان بن بشیر حضرت عثمان کی خون آلود قمیص مدینہ سے لے کر دمشق پہنچ گیا ۔

معاویہ نے خون آلود قمیص کو منبر پہ رکھا اور اہل شام کو قمیص دکھا کر

---

(۱) ابن اثیر ۔ الکامل فی التاریخ ۔ جلد دوم ص ۹ ۔

ایک جذباتی تقریر کی ۔ اہل شام نے معاویہ کے سامنے قسم کھائی کہ جب تک وہ خون عثمان کا بدلہ نہ لیں گے اس وقت تک اپنی بیویوں سے مقاربت نہ کریں گے اور نرم بستر پر نہ سوئیں گے ۔ جریر دمشق سے واپس آئے اور حضرت علیؑ کو اہل شام کی بغاوت اور ان کے اعلان جنگ کی اطلاع دی ۔

حضرت علیؑ بھی اپنا لشکر لے کر چل پڑے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا اور مالک اشتر کو مقدمۃ الجیش کا سالار مقرر کرکے آگے روانہ کیا اور انہیں نصیحت کی کہ:۔

" جنگ میں پہل نہ کرنا اور مخالف لشکر کے اتنا زیادہ قریب نہ ہونا کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ یہ ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ۔ نیز مخالف لشکر سے اتنا دور بھی نہ ہونا کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے ہیں ۔ میرے آنے کا انتظار کرنا جب تک میں نہ آؤں جنگ نہ کرنا ۔"

معاویہ کے لشکر نے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا اور حضرت علیؑ کے لشکر کو پانی بھرنے سے روک دیا ۔ جب حضرت علیؑ آئے تو لشکر نے اپنی پیاس کی شکایت کی ۔ حضرت علیؑ نے صعصعہ بن صوحان کو معاویہ کے پاس بھیجا ، انہوں نے اس سے کہا کہ ہم تم سے بلاوجہ جنگ کرنا پسند نہیں کرتے مگر تم نے پانی بند کرکے ہمیں جنگ کی بالواسطہ دعوت دی ہے ۔ پانی پر ہر جاندار کا حق ہے۔ تم اپنے فوجیوں کو حکم دو کہ وہ گھاٹ خالی کردیں تاکہ ہر شخص آزادی سے پانی پی سکے ۔

معاویہ اپنی ضد پر اڑا رہا ۔ حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ :۔ معاویہ کی فوج کو گھاٹ سے دھکیل دیا جائے ۔

حضرت علیؑ کی فوج نے معاویہ کی فوج پر حملہ کیا اور انہیں گھاٹ سے دور بھگا دیا اور پانی پر حضرت علیؑ کی فوج کا قبضہ ہو گیا ۔ انہوں نے معاویہ کی فوج کو پانی دینے سے انکار کر دیا ۔ مگر حضرت علیؑ کے سینہ میں ایک درد مند دل تھا انہوں نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ پانی سے کسی کو نہ روکا جائے ۔

اگر معاویہ بھی پانی بند کرے اور علیؑ بھی پانی بند کرے تو علیؑ اور معاویہ میں کیا فرق رہ جائے گا ؟

حضرت علیؑ نے ابو عمر ، بشیر بن محصن الانصاری ، سعید بن قیس الہمدانی اور شبث بن ربعی التمیمی کو بلایا اور انہیں فرمایا کہ تم معاویہ کے پاس جاؤ اور اسے اطاعت امام اور جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دو ۔

یہ افراد معاویہ کے پاس گئے ۔ بشیر بن محصن الانصاری نے کہا:۔

" معاویہ ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ بغاوت سے باز آجاؤ اور امتِ اسلامیہ کی تفریق سے بچو اور امت کی خون ریزی سے پرہیز کرو ۔" معاویہ نے کہا : کیا ہم عثمان کا خون رائیگاں جانے دیں ؟ خدا کی قسم میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔

شبث بن ربعی التمیمی نے کہا : معاویہ ! تیرے مطالبہ کا مقصد ہمیں خوب معلوم ہے ۔ لوگوں کو گمراہ کرنے اور اپنی طرف مائل کرنے اور اپنی حکومت کے قیام کے لئے تو نے یہ نعرہ لگایا ہے کہ تمہارا امام مظلوم ہو کر مارا گیا ہے ۔ اور ہم اس کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں ۔

ہمیں بخوبی علم ہے کہ تو نے عثمان کی کوئی مدد نہیں کی تھی اور تو نے جان بوجھ کر ان کی نصرت سے تاخیر کی تھی ، تم در حقیقت یہی چاہتے تھے کہ وہ قتل ہو جائیں اور ان کے قتل کو تو اپنی سیاست کے لئے استعمال کر سکے ۔

معاویہ ! خدا کا خوف کرو اور خلیفۃ المسلمین کی اطاعت کرو۔

معاویہ نے اسے سخت سست کہا اور کہا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی ۔

اس کے بعد ۳۶ھ کے آخر میں شامی لشکر نے جھڑپیں شروع کردی تھیں پھر ۳۷ھ کے آغاز میں حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان عارضی جنگ بندی

ہوئی اور معاہدہ ہوا کہ ماہ محرم کے احترام کے پیش نظر جنگ بندی سے پرہیز کیاجائے۔

معاویہ نے اس عارضی جنگ بندی سے سوء استفادہ کیا اور اپنے لشکر کی تعداد بڑھانی شروع کی۔

حضرت علیؑ نے اس دوران معاویہ کے پاس کئی قاصد روانہ کئے اور اسے جنگ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ لیکن معاویہ نے ہر سفارت کو ناکام لوٹا دیا۔

معاویہ کی حرکات کی وجہ سے جنگ ناگزیر ہو گئی۔ جنگ کے آغاز سے پہلے حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:۔

" جنگ کی ابتدا تمہاری طرف سے نہیں ہونی چاہیے۔ تم لوگ دلیل و حجت پر ہو اور تمہاری طرف سے جنگ کی ابتدا نہ کرنا تمہاری دوسری حجت ہے اور جب تم دشمن کو شکست دے دو تو کسی بھاگنے والا کا تعاقب نہ کرنا، کسی زخمی کو قتل نہ کرنا اور کسی مقتول کا حلیہ نہ بگاڑنا۔ کسی کی پردہ دری نہ کرنا، کسی مخالف کے گھر میں داخل نہ ہونا اور کسی عورت پہ ہاتھ نہ اٹھانا خواہ وہ تمہیں اور تمہارے حکام کو سب وشتم بھی کرے۔

درج بالا واقعات سے یہ نتائج مُستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ امام عالی مقامؑ نے تمام ممکنہ ذرائع سے معاویہ کو دعوت اتحاد دی اور اسے مرکزی حکومت کی اطاعت میں شامل ہونے کی تلقین کی۔

۲۔ معاویہ کو تفریق بین المسلمین سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

۳۔ قتلِ عثمان کے قصہ کے متعلق حضرت عثمان کے وارث ان کے پاس آکر اپنے خون کا مقدمہ دائر کریں اور ضروری تحقیق کے بعد مجرمین کو سزادی جائے۔

۴۔ معاویہ نے عثمان کی خون آلود قمیص لہرا کر مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کی۔

۵۔ شامی لشکر کو ملا کر مرکز پر حملہ آور ہوا۔

۶۔ دریائے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کر کے حضرت علیؑ کے ساتھیوں کو پانی سے محروم کردیا اس سے معاویہ کے غیر انسانی رویوں کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت علیؑ کے لشکر نے بزور شمشیر گھاٹ خالی کرالیا۔ لیکن علیؑ کی انسان دوستی ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے پانی سے کسی کو نہ روکا۔

۸۔ کربلا میں آلِ محمدؐ کا جو پانی بند کیا گیا تھا وہ بھی کردار معاویہ کا ایک تسلسل تھا۔

۹۔ حوصلہ شکن حالات کے باوجود بھی حضرت علیؑ نے فریضۂ دعوت کو فراموش نہیں کیا۔ معاویہ کے پاس معززین کا ایک وفد روانہ کیا اور اسے جنگ سے باز رہنے کی دعوت دی۔

۱۰۔ معاویہ نے علیؑ کے فرستادہ وفد کے دو ارکان سعید اور شبث کے درمیان دور جاہلیت کی عصبیت کو برانگیختہ کیا۔

۱۱۔ جنگ صِفّین میں باطل اور نُور کے مقابلہ میں ظلمت کو شکست ہوئی اور معاویہ نے محسوس کیا کہ اب اس کی زندگی کا چراغ بجھنے ہی والا ہے تو اس نے فطری روباہی سے کام لیتے ہوئے نیزوں پر قرآن بلند کئے اور کہا کہ اہل عراق جنگ بند کردو۔ ہم اور تم قرآن کے مطابق اپنے تنازعات کا فیصلہ کریں۔

۱۲۔ معاویہ کی یہ مکاری کامیاب رہی۔ حضرت علیؑ کے لشکر میں پھوٹ پڑگئی اور خوارج نے جنم لیا اور امام عالی مقامؑ ان کے ہاتھ سے شہید ہوگئے۔

درج بالا نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم دوبارہ یہ کہیں گے کہ حضرت علیؑ اور معاویہ کی جنگ دو ایسے افراد کے درمیان جنگ تھی جو کہ ہر لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد تھے۔

معاویہ کی سرشت یہ تھی کہ اپنے ہدف کے حصول کے لئے جائز اور ناجائز

ذرائع کی اس کے پاس کوئی تخصیص نہ تھی ۔ اپنے ہدف کے حصول کے لئے اس نے ہر قسم کے حربے آزمائے ۔ زہر دے کر اپنے مخالفین کو قتل کرایا ۔ ہر طرح کی عہد شکنی کی ۔ مجہولُ النسب افراد کو ابوسفیان کا بیٹا بنایا ۔ اعاظم صحابہ کو قتل کیا مثلاً حضرت عمّار بن یاسر ، حضرت اُویس قرنی ، حضرت خُزیمہ بن ثابت ذُوالشہادتین جیسے افراد اور حضرت حُجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو ناحق قتل کیا ۔

معاویہ کی نگاہ میں اخلاقِ عالیہ اور انسانی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں تھی ۔

معاویہ کے پاس طمع و لالچ کا ہتھیار تھا ۔ جب کہ حضرت علیؑ کے پاس اسلامی اقدار کا ہتھیار تھا ۔ معاویہ کے سامنے ایک وسیع میدان تھا کیونکہ اس کی نگاہ میں جائز اور ناجائز کی کوئی اہمیت نہیں تھی ۔ اس کے ہاں اگر اہمیت تھی تو صرف اور صرف اپنے مقصد کے حصول کی تھی ۔ جبکہ حضرت علیؑ کے سامنے میدان بڑا تنگ تھا ۔ علی علیہ السلام صرف وہی کرسکتے تھے جس کی اسلام اجازت دیتا تھا ۔

معاویہ کے مقربین اور حضرت علیؑ کے مقربین میں بھی فرق تھا ۔

معاویہ کے مقرب بننے کا معیار استحصالی ہونا تھا اور حضرت علیؑ کا مقرب بننے کے لئے اسلامی تعلیمات کا عامل بننا ضروری تھا ۔

معاویہ کے احباب میں عمرؔو بن العاص اور بُسر بن ارطاۃ جیسے افراد نمایاں تھے ۔ حضرت علیؑ کے احباب میں حضرت عمّار بن یاسر اور اویس قرنی اور حضرت حُجر بن عدی جیسے قائمُ اللیل اور صائمُ النہار افراد نمایاں تھے ۔

احباب کی طرح پیرو کاروں کا بھی فرق تھا ۔

معاویہ کے پیرو کاروں میں ایسے افراد شامل تھے جنہیں اونٹ اور اونٹنی کے فرق کا علم نہیں تھا ۔

اور اس کے برعکس حضرت علیؑ کے پیرو کار اکثر فقیہ اور محدّث تھے ۔

البتہ ایک صفت ایسی ضرور تھی جس میں معاویہ کو تفوق حاصل تھا اور وہ

صفت یہ تھی کہ معاویہ کا لشکر اس کا مثالی اطاعت گزار تھا ۔ جب کہ حضرت علیؑ کے لشکر میں ٹال مٹول کرنے والے کافی افراد موجود تھے ۔

اہل شام کی اطاعت کی انتہا یہ ہے کہ معاویہ نے بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھائی تو کسی نے بھی اعتراض نہ کیا ۔ (۱)

معاویہ نے اپنی رعایا میں جہالت کو رائج کیا اور ایک طویل عرصہ تک اہل شام کی جہالت ضرب المثل بنی رہی ۔

مسعودی نے ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے :

" ایک اہل علم نے مجھے بتایا کہ اہل علم کی ایک جماعت ابوبکر و عمر اور علیؑ و معاویہ کے متعلق بحث کر رہی تھی ۔ ایک عقل مند اور دور اندیش شامی نے کہا کہ تم علیؑ و معاویہ کی بحث کس لئے کر رہے ہو ؟

ایک اہلِ علم نے اس سے پوچھا کہ تم علیؑ کو جانتے ہو ؟

شامی نے کہا کیوں نہیں ؟ جنگ حنین میں علیؑ رسولؐ کے ساتھ شہید ہوگیا تھا ۔"

اہل شام کی جہالت کی ایک اور مثال پیش خدمت ہے :

مروان الحمار کی تلاش میں عبداللہ بن علی اپنا لشکر لے کر دمشق گیا ۔ اس نے دمشق سے چند بزرگ اور معزز افراد کو ابوالعباس سفاح کے پاس بھیجا ۔ جنھوں نے سفاح عباسی کے سامنے قسم کھاکر کہا کہ " تمہاری حکومت آنے سے پہلے ہمیں کوئی علم نہیں تھا کہ بنی امیہ کے علاوہ بھی رسولِ خدؐا کے کوئی رشتہ دار ہیں ۔ ہمیں تو آج تک بنی امیہ نے یہی باور کرایا تھا کہ وہی رسولِ خدؐا کا خاندان اور ان کے وارث ہیں ۔" (۲)

---

(۱) المسعودی ۔ مروج الذہب و معادن الجوہر ۔ جلد دوم ۔ ص ٣٣٤ ۔
(۲) المسعودی ۔ مروج الذہب و معادن الجوہر ۔ جلد دوم ۔ ص ۵۱ ۔

معاویہ نے اپنے اقتدار کو مستحکم رکھنے کے لئے عوام میں جہالت کو فروغ دیا اور امت اسلامیہ کی نظریاتی سرحدوں کو کمزور کرنے کے لئے " وَضعِ حدیث " سے کام لیا اور اس کے حکم و ترغیب کی وجہ سے فضائل ثلاثہ کی ہزاروں احادیث وضع کی گئیں اور ابوہریرہ اور اس کے ہم نوا دن رات حدیث سازی میں مصروف ہوگئے اور حدیث سازی کو باقاعدہ " صنعت " کا درجہ حاصل ہوگیا اور اس بہتی گنگا میں ہزاروں افراد نے ہاتھ دھوئے ۔

اپنے مخالفین کو زہر دے کر ختم کرانا معاویہ کا پسندیدہ مشغلہ تھا ۔ اس نے حضرت علیؑ کے حاکم مصر مالک اشتر کو ایک زمیندار کے ہاتھ سے زہر دلوایا اور زمیندار سے خراج کی معافی کا وعدہ کیا گیا ۔ معاویہ کے بہکاوے میں آکر اس زمیندار نے حضرت مالک کو کھانے کی دعوت دی اور شہد میں انہیں زہر دیا گیا ۔ جس کی وجہ سے حضرت مالک اشتر شہید ہوگئے ۔

اس واقعہ کے بعد معاویہ اور عمرو بن العاص بیٹھ کر کہا کرتے تھے کہ شہد بھی اللہ کا ایک لشکر ہے ۔

معاویہ نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ زہر دلوایا ۔

معاویہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے بعض اوقات خوشامد اور چاپلوسی سے کام لیتا تھا اور بعض اوقات اپنے مخالفین کے خلاف فوجی قوت کو بے دریغ استعمال کرتا تھا ۔

معاویہ نے اپنے ایک شقی القلب ساتھی بُسر بن ارطاۃ کو ایک بڑا لشکر دے کر بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ وہ حضرت علیؑ کے زیر نگیں علاقے میں جاکر فوجی کارروائی کرے ۔

بُسر نے حضرت علیؑ کی مملکت میں بہت زیادہ خون ریزی کی ۔ مسلمانوں

کے اموال کو لوٹا ۔ اہل مدینہ کو خوف زدہ کیا اور ان سے معاویہ کی جبری بیعت لی۔ پھر وہ بد بخت یمن گیا ۔ حاکم یمن اس کی آمد کی خبر سن کر فرار ہوگیا ۔ چنانچہ بسر نے یمن میں بے دریغ قتل عام کیا اور اہل یمن سے بھی معاویہ کی بیعت لی ۔

اس نے عبید اللہ بن عباس کے دو چھوٹے بچوں کو قتل کردیا ۔ حضرت علیؑ کو ان واقعات کی اطلاع ملی تو انہوں نے جاریہ بن قدامہ کو بُسر کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ۔

حضرت علیؑ کے فوجی دستہ کا سن کر وہ لعین شام بھاگ گیا ۔

جاریہ نے اہل یمن کو حضرت علیؑ کی بیعت کی دعوت دی جو انہوں نے بخوشی قبول کرلی ۔ پھر جاریہ مکہ آیا تو اسے معلوم ہوا کہ اسلام کا محافظ علیؑ شہید ہوگیا ہے ۔ [۱]

درج بالا حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ میں انسانیت کی بہ نسبت حیوانیت اور درندگی کا عنصر زیادہ پایا جاتا تھا اور اس کی حیوانیت حالات کے تحت ہمیشہ بدلتی رہتی تھی ۔ کمزور افراد کو بھیڑیئے کی طرح چیر دیتا اور طاقت ور افراد کے سامنے روباہیت سے کام لیتا تھا ۔

اس کے برعکس حضرت علیؑ کی زندگی خوف خدا ، انسان دوستی اور احکام شرع کی پابندی سے عبارت تھی ۔ حضرت علیؑ عدالت و اخوت کے داعی تھے ۔

مختصر الفاظ میں ان دونوں کی زندگی کو ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:
جس قدر معاویہ میں خامیاں تھیں ، اسی قدر علیؑ میں خوبیاں تھیں اور معاویہ کے پاس ظلم کا جتنا ذخیرہ تھا ، علی کے پاس اتنی ہی مقدار میں عدل تھا ۔ حضرت علیؑ بخوبی جانتے تھے کہ بنی امیہ امت اسلامیہ کی تقدیر کے مالک بن جائیں گے اور اسی

---

(۱) ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری ۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ علیؑ و بنوہ ۔ ص ۱۵۰۔

کی پیش گوئی کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا " اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ ۔ ۔ ۔ ۔ "

" اس ذات برحق کی قسم جس کے اختیار میں میری جان ہے ! یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے ۔ وہ اس لئے غالب نہیں ہوں گے کہ وہ حق پر ہیں ۔ ان کے غلبہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے باطل کی بھی پیروی پر کمربستہ رہتے ہیں جب کہ تم حق کے لئے بھی سستی اور تساہل سے کام لیتے ہو ۔

حالت یہ ہے کہ رعایا کو اپنے حکام کا خوف ہوتا ہے ۔ لیکن آج میں اپنی رعایا کے ظلم سے خوف زدہ ہوں ۔"

ایک اور مقام پر آپؑ نے اپنے اصحاب کی تساہل پسندی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا " اَحْمَدُ اللّٰہَ عَلٰی مَاقَضٰی مِنْ اَمْرٍ وَّقَدَّرَ مِنْ فِعْلٍ وَّ عَلٰی ابْتِلَآئِیْ بِکُمْ ۔ ۔ "

" میں اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں ہر اس امر پر جس کا اس نے فیصلہ کیا اور اس کام پر جو اس کی تقدیر نے طے کیا ہو اور اس آزمائش پر جو تمہارے ہاتھوں اس نے میری کی ہے ۔

اے لوگو ! کہ جنہیں کوئی حکم دیتا ہوں تو نافرمانی کرتے ہیں اور پکارتا ہوں تو میری آواز پر لبیک نہیں کہتے ۔ اگر تمہیں (جنگ سے) کچھ مہلت ملتی ہے تو ڈینگیں مارنے لگتے ہو اور اگر جنگ چھڑ جاتی ہے تو بزدلی دکھاتے ہو اور جب لوگ امام پر ایکا کرلیتے ہیں تو تم طعن و تشنیع کرنے لگتے ہو اور اگر تمہیں (جکڑ باندھ کر) جنگ کی طرف لایا جاتا ہے تو الٹے پیروں لوٹ جاتے ہو ۔ تمہارے دشمنوں کا برا ہو ۔ تم اب نصرت کے لئے آمادہ ہونے اور اپنے حق کے لئے جہاد کرنے میں کس چیز کے منتظر ہو ۔ موت کے یا اپنی ذلت و رسوائی کے ؟ خدا کی قسم ! اگر میری موت کا دن آئے گا اور البتہ آکر رہے گا تو وہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا ۔ درآنحالیکہ میں تمہاری ہم نشینی سے بیزار اور (تمہاری کثرت کے باوجود) اکیلا ہوں ۔ اب تمہیں اللہ ہی اجر دے ۔ کیا کوئی دین تمہیں ایک مرکز پر

جمع نہیں کرتا اور غیرت تمہیں (دشمن کی روک تھام پر) آمادہ نہیں کرتی ۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ معاویہ چند تند مزاج اوباشوں کو دعوت دیتا ہے اور وہ بغیر کسی امداد و اعانت اور بخشش و عطا کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور میں تمہیں امداد کے علاوہ تمہارے مُعَیَّنَہ عطیوں کے ساتھ دعوت دیتا ہوں مگر تم مجھ سے پراگندہ ، منتشر ہوجاتے ہو اور مخالفتیں کرتے ہو حالانکہ تم اسلام کے رہے سہے افراد اور مسلمانوں کا بقیہ ہو ۔ تم تو میرے کسی فرمان پر راضی ہوتے اور نہ اس پر متحد ہوتے ہو چاہے وہ تمہارے جذبات کے موافق ہو یا مخالف ۔ میں جن چیزوں کا سامنا کرنے والا ہوں ۔ ان میں سب سے زیادہ محبوب مجھے موت ہے میں نے تمہیں قرآن کی تعلیم دی اور دلیل و برہان سے تمہارے درمیان فیصلے کئے اور ان چیزوں سے تمہیں روشناس کیا جنہیں تم نہیں جانتے تھے اور ان چیزوں کو تمہارے لئے خوشگوار بنایا جنہیں تم تھوک دیتے تھے ۔ کاش کہ اندھے کو کچھ نظر آئے اور سونے والا (خواب غفلت سے) بیدار ہو ۔ وہ قوم اللہ کے احکام سے کتنی جاہل ہے کہ جس کا پیشرو معاویہ اور معلم نابغہ کا بیٹا ہے ۔"

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا :

تم نے میری بیعت اچانک نہیں کی اور میرا اور تمہارا معاملہ یکساں نہیں ہے ، میں تمہیں اللہ کے لئے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنی ذات کے لئے چاہتے ہو ۔

اے لوگو ! تم اپنے نفس کے خلاف میری مدد کرو ۔ خدا کی قسم ! میں مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاؤں گا اور میں ظالم کو بالوں سے پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا حق کے گھاٹ پر لاؤں گا ۔ اگرچہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہو ۔

فصل ششم

تحکیم ۔ مارقین ۔ شہادت امام

حضرت علیؑ نے جنگ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن معاویہ جنگ کے شعلے بھڑکانے کا خواہش مند تھا۔ آخر کار فریقین میں جنگ چھڑ گئی۔ جب معاویہ نے محسوس کیا کہ اس کا لشکر شکست کھانے والا ہے تو اس نے عمرو بن العاص سے کہا کہ : کیا تمہارے ذہن میں کوئی ایسی ترکیب موجود ہے جس سے ہمارہ لشکر متحد ہوسکے اور ہمارے مخالفین منتشر ہو سکیں ؟

عمرو بن العاص نے کہا : جی ہاں ۔

معاویہ نے کہا : تم وہ ترکیب بتاؤ تاکہ ہم حتمی شکست سے بچ جائیں ۔

عمرو بن العاص نے کہا کہ : ترکیب یہ ہے کہ قرآن مجید کو نیزوں پہ بلند کیا جائے اور اہل عراق سے کہا جائے کہ جنگ بند کردیں ، قرآن کے مطابق فیصلہ کریں ، اس سے اہل عراق میں انتشار پیدا ہو گا اور شامی لشکر مضبوط ہو جائے گا ۔

چنانچہ شامی لشکر نے قرآن مجید کو نیزوں پہ بلند کرکے کہا : اہلِ عراق ! لڑائی بند کرو ، اللہ کی کتاب کو فیصل قرار دو ۔

حضرت علیؑ کی فوج نے جب قران مجید کو دیکھا تو کہا ۔ ہم اللہ کی کتاب کو لبیک کہتے ہیں ۔ حضرت علیؑ فرمایا : بندگان خدا ! اپنے حق پر قائم رہو اور اپنے حق کے اثبات کیلئے جنگ کرتے رہو ۔ معاویہ ، عمرو بن العاص اور ابن ابی معیط نہ تو دیندار ہیں اور نہ ہی اہلِ قرآن ہیں، میں تمہاری بہ نسبت ان لوگوں کو زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ میں انہیں بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی اور جوانی سے اس عمر تک بخوبی جانتا ہوں،انہوں نے قران کو صرف دھوکہ دینے کی غرض سے بلند کیا ہے۔

حضرت علیؑ کی فوج کی اکثریت نے کہا : یہ بات نازیبا ہے کہ مخالف

ہمیں قران کی دعوت دے اور ہم اس دعوت کو قبول نہ کریں ۔

حضرت علیؑ نے فرمایا : میں بھی تو ان سے اسی لئے جنگ کر رہا ہوں تاکہ یہ لوگ قرآنی فیصلوں کو تسلیم کریں یہ لوگ احکام خداوندی کی نافرمانی کرچکے ہیں ۔

مگر اہل عراق کی اکثریت نے ہتھیار ڈال دیئے اور جنگ کرنے سے انکار کردیا ۔

حضرت علی کو مجبوراً جنگ روکنا پڑی ۔

طے یہ ہوا کہ فریقین اپنا ایک ایک نمائندہ منتخب کریں اور فریقین کے نمائندے جو فیصلہ کریں وہ دونوں کو قبول ہو گا۔

معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص نمائندہ مقرر ہوا اور اہل عراق نے ابوموسیٰ اشعری کے تقرر کی خواہش کی ۔ حضرت علی نے فرمایا تم جنگ بند کرکے میری نافرمانی کر چکے ہیں اب دوسری مرتبہ میری نافرمانی مت کرو مجھے ابوموسیٰ اشعری پہ اعتماد نہیں ہے ۔ میری طرف سے میرا فرزند حسنؑ نمائندگی کرے گا ۔

اہل عراق نے اس پہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کا فرزند ہونے کے ناطے خود ایک فریق ہے ۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اگر تم بیٹے پر راضی نہیں ہو تو پھر میری نمائندگی عبداللہ بن عباس کرے گا۔

مگر اہلِ عراق کے عقل پر پتھر برس چکے تھے ، انہوں نے کہا کہ وہ بھی آپ کے ابن عم ہیں ، ابو موسیٰ ہرلحاظ سے غیر جانبدار ہے ۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ابو موسیٰ بھروسہ کے قابل نہیں ہے یہ ہمیشہ میری مخالفت میں پیش پیش رہا ہے اور لوگوں کو مجھ سے علیحدہ کرتا رہا ہے مگر اہل عراق نے ابو موسیٰ پر اصرار کیا ۔

مجبوراً حضرت علیؑ نے فرمایا پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔

اس کے بعد حکمین کے لئے شرائط نامہ لکھا گیا جس کے چیدہ نکات

درج ذیل تھے :

یہ معاہدہ علی بن ابی طالبؑ اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان ہے ۔

۱ ۔ ہم اللہ کے فرمان کی پابندی کریں گے ۔

۲ ۔ ہم کتاب اللہ کی پابندی کریں گے ۔

۳ ۔ حَکَمَین کتاب اللہ پر خوب غور و خوض کر کے اس کے مطابق فیصلہ کریں گے ۔

۴ ۔ کتابُ اللہ میں اگر انہیں اس نزاع کا حل نہ مل سکے تو پھر "سنت جامعہ غیر مفرقہ" کی روشنی میں اس نزاع کا حل تلاش کریں گے۔

پھر حکمین نے فریقین سے اپنی جان ومال کی حفاظت کا وعدہ لیا [1] ۔

معاہدہ پر حضرت علیؑ اور معاویہ کے گروہوں میں سے سربرآوردہ افراد نے دستخط کئے اور اس کے ساتھ یہ طے ہوا کہ حَکَمَین مقام " دومۃُ الجندل " میں ملاقات کریں گے اور وہیں اپنے فیصلہ کا اعلان کریں گے ۔

حضرت علیؑ اپنے لشکر کو لے کر کوفہ چلے آئے اور معاویہ دمشق روانہ ہوا۔

جب مذکورہ تاریخ پر دومۃ الجندل کے مقام پر حکمین کی ملاقات ہوئی تو عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ اشعریٰ سے کہا کہ تو معاویہ کو خلافت کیوں نہیں سونپ دیتا ؟

ابو موسیٰ نے کہا کہ معاویہ خلافت کے لائق نہیں ہے ۔

عمرو بن العاص: کیا تجھے علم نہیں ہے کہ عثمان مظلوم ہو کر قتل ہوئے ہیں؟

ابو موسیٰ اشعری : جی ہاں !

عمرو بن العاص : معاویہ عثمان کے خون کا طالب ہے ۔

ابو موسیٰ شعری : عثمان کا بیٹا عمرو موجود ہے اس کی موجودگی میں معاویہ عثمان کا وارث نہیں بن سکتا ۔

---

(۱) ابن اثیر ۔ الکامل فی التاریخ ۔ جلد سوم ۔ ص ۱۶۰ ۔ ۱۶۸

عمرو بن العاص : اگر آپ میرا کہنا مان لیں تو اس سے عمر بن الخطاب کی سنت زندہ ہو جائے گی ۔ آپ میرے فرزند عبداللہ کو خلیفہ بنائیں۔

ابو موسیٰ اشعری : تیرے بیٹے کو خلیفہ بنانے کی بجائے عبداللہ بن عمر کو کیوں نہ خلیفہ نامزد کیا جائے ؟

عمرو بن العاص : عبداللہ بن عمر خلافت کے لائق نہیں ہے ۔ خلافت کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کی دو داڑھیں ہوں ۔ ایک داڑھ سے خود کھائے اور دوسری سے لوگوں کو کھلائے ۔

ابو موسیٰ اشعری : " میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کردیں اور مسلمانوں کو کھلی چھٹی دے دیں وہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں ۔"

عمرو بن العاص : مجھے آپ کی یہ بات پسند ہے ۔ اور اسی بات میں لوگوں کی بھلائی ہے ، آپ چلیں اور مجمع عام میں اپنے اس فیصلہ کا اعلان کریں ۔

حَکَمَین باہر آئے اور ابو موسیٰ نے تقریر کا آغاز کرتے ہوئے کہا ۔ ہم دونوں ایک نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم خلوص دل سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں امت کی بھلائی ہے ۔

عمرو بن العاص نے کہا ۔ بے شک آپ سچ کہتے ہیں ۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے ابو موسیٰ اشعری کو کہا کہ احتیاط کرو ، اگر تم نے کوئی متفقہ فیصلہ کر لیا ہے تو پہلے عمرو بن العاص سے کہو کہ وہ آکر حاضرین کے سامنے اپنا فیصلہ بیان کرے تم بعد میں گفتگو کرنا ۔ تمہیں شاید علم نہیں ہے کہ تمہارا واسطہ ایک مکار اور عیار شخص سے ہے ۔ لہذا اس پر ہرگز اعتماد نہ کرو اور بولنے میں سبقت نہ کرو۔

ابو موسیٰ نے عمرو بن العاص سے کہا کہ پہلے تم آؤ اور فیصلے کا اعلان کرو لیکن مکار عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ رسول خدؐا کے برگزیدہ صحابی ہیں میری

کیا مجال کہ میں آپ پر سبقت کروں آپ ہی اعلان میں پہل فرمائیں۔

ابو موسیٰ اشعری اس کے دھوکے میں آگیا اور اعلان کیا: " اے بندگانِ خدا ! ہم نے اس مسئلہ پر تفصیلی غور کیا ہے اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہم علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کردیں۔ اس کے بعد لوگ جسے چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کریں ۔ میں علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں ۔

یہ اعلان کرکے ابو موسیٰ اشعری پیچھے ہٹ گیا اور عمرو بن العاص نے آکر کہا : لوگو ! جو کچھ ابو موسیٰ اشعری نے کہا ہے وہ تم نے سن لیا ۔ اس نے اپنے ساتھی علیؑ کو معزول کیا میں بھی اسے معزول کرتا ہوں اور میں اپنے ساتھی معاویہ کو خلافت پر بحال کرتا ہوں کیونکہ وہ عثمان بن عفان کا وارث اور اس کے خون کے بدلہ کا طالب ہے اور وہی اس کی نیابت کے قابل ہے ۔

ابو موسی اشعری : عمرو بن العاص ! خدا تجھے غارت کرے تو نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، تیری مثال کتے کی ہے جو ہر حالت میں بھونکتا رہتا ہے ۔

عمرو بن العاص : تیری مثال گدھے کی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو ۔

اہل شام نے ابو موسی کی زبان درازی پر اسے سزا دینی چاہی اور اسے تلاش کیا ابوموسیٰ چھپ گیا اور بعد ازاں مکہ چلا گیا۔

حکمَین کے اس فیصلہ کو کسی صورت بھی قرین عدل نہیں کہا جا سکتا اس فیصلہ میں حق و صداقت کو قتل کیا گیا ہے ۔ ابوموسی نے اس فیصلہ میں برادر حضرت علیؑ سے اپنی دشمنی کا اظہار کیا ہے اور اپنی سادگی اور جہالت کی وجہ سے عمرو بن العاص سے دھوکا بھی کھایا ہے اس لئے حضرت علیؑ نے قرآن بلند کرنے کے وقت ہی فرمایا تھا کہ : یہ دشمن کی چال ہے تم اس کے دام فریب میں مت پھنسو اور مزید یہ کہ معاویہ ، عمرو بن العاص اور ابن ابی معیط کا قرآن سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کا دین سے کوئی تعلق ہے۔

عمرو بن العاص کی شخصیت

تحکیم کی بحث سے پہلے ہم عمرو بن العاص کی شخصیت کے متعلق کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو معاویہ کے " دست راست " کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں۔ عمرو کا باپ عاص السہمی ان لوگوں میں شامل تھا جو حضور کریمؐ کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ کوثر میں ارشاد فرمایا : اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ بے شک تیرا دشمن ہی بے نام و نشان ہوگا ۔ (1)

"مُسْتَہزِئین " یعنی حضور اکرمؐ کا ٹھٹھہ مذاق اڑانے والی جماعت کے دوسرے افراد کا ذکر کرتے ہوئے ابن خلدون لکھتے ہیں ۔ جب قریش نے دیکھا کہ رسول خدؐا کا چچا اور ان کا خاندان محمد مصطفیٰؐ کی کھلم کھلا حمایت کرتے ہیں اور وہ کسی بھی قیمت پر رسول خدؐا پر آنچ نہیں آنے دیتے تو انہوں نے یہ وطیرہ بنایا کہ باہر سے جو بھی شخص مکہ آتا وہ اس کے پاس پہنچ جاتے اور اسے بتاتے کہ ہمارے ہاں ایک جادوگر، شاعر اور مجنون موجود ہے ۔ تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔(نعوذ باللہ) اور رسول خدؐا کی اذیت و جماعت کے لئے ایک پوری جماعت تشکیل دی گئی جس میں ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ اور عقبہ بن ابی المعیط اور ابوسفیان اور حکم بن امیہ اور عاص بن وائل اور اس کے دو چچازاد نبیہ اور منبہ شامل تھے ۔

یہ لوگ ہر جگہ رسول خدؐا کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور اگر کبھی موقع پاتے تو حضور اکرمؐ کو اپنے ہاتھوں سے بھی اذیت پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے تھے ۔

عمرو بن العاص کی ماں اپنے زمانہ کی مشہور بدکردار عورت تھی جو اہل ثروت کے بستر کی زینت بنا کرتی تھی اور اس کے گھر پر اس دور کے دستور کے مطابق ایک

---

(1) ابن اثیر ۔ الکامل فی التاریخ ۔ جلد دوم ۔ ص ۴۹ ۔ ۵۰ ۔

جھنڈا بندھا رہتا تھا۔

جب عمرو کی پیدائش ہوئی تو اس پر عاص اور ابو سفیان کا جھگڑا ہوا، دونوں اسے اپنے اپنے نطفہ کا ثمر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے درمیان اختلاف بڑھا تو فیصلہ کے لئے اس کی ماں کی رائے دریافت کی گئی اس نے کہا کہ یہ عاص کا بیٹا ہے۔

جب اس عورت سے پوچھا گیا کہ تو نے اپنے بیٹے کا الحاق ابو سفیان کی بجائےعاص سے کیوں کیا؟ تو اس نے کہا کہ ابوسفیان کنجوس ہے جب کہ عاص مجھ پر بے تحاشہ دولت لٹاتا ہے۔

ماں کی گود بچہ کا پہلا مدرسہ ہوتی ہے۔ اور ماں کی شخصیت بچہ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ عمرو اسی ماں کا دودھ پی کر بڑھا اور دشمن رسولؐ باپ کی تربیت میں رہا۔ جب ماں اس قماش کی ہو اور باپ کا طرزِ عمل یہ ہو تو اولاد کب نجیب ہو سکتی ہے۔ (۱)

عمرؔو بن العاص عنفوان شباب میں اسلام کا بدترین دشمن تھا اور غزوۂ اُحد میں کفّارِ مکہ کے ساتھ شامل تھا اور غزوۂ اُحد کیلئے اس کے شعر بھی بڑے مشہور ہیں۔

جب عمرؔو نے دیکھا کہ رسول خدؐا ہر مقام پر فاتح بن رہے ہیں تو اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اس نے کھلم کھلا دشمنی کی بجائے دغابازی اور مکاری سے کام کیا۔

ابن ہشام عمرو کی زبانی نقل کرتے ہیں:۔

جب ہم غزوۂ احزاب سے بے نیل و مرام واپس آئے تو میں نے قریش کے ان چند سر کردہ افراد کو جمع کیا جو میری بات سنتے اور مانتے تھے۔

میں نے ان سے کہا کہ: میں دیکھ رہا ہوں کہ محمدؐ کا امروز بروز ترقی کر رہا

(۱) ابن خلدون۔ کتاب العبر ودیوان المبتدا والخبر۔ جلد دوم۔ ص ۱۷۷۔
و عبدالفتاح عبدالمقصود۔ الامام علی بن ابی طالب۔ جلد دوم۔ ص ۲۷۰۔

ہے، میرا خیال یہ ہے کہ ہم نجاشی کے پاس چلے جائیں اگر محمدؐ ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہمارے لئے محمدؐ کی غلامی کی بہ نسبت نجاشی کی غلامی ہزار گنا بہتر ہوگی اور اگر ہماری قوم محمدؐ غالب آگئی تو ہم اپنی قوم کا ساتھ دیں گے۔ (۱)

عمرؔو بن العاص وہی شخص ہے جس نے عثمان بن عفان کو عبیداللہ بن عمر پر حد جاری کرنے سے منع کیا تھا۔ اور انہیں کہا تھا کہ ہرمزان اور جفینہ کا بدلہ آپ پر واجب ہی نہیں ہے کیونکہ جس وقت عبیداللہ نے ان کو قتل کیا تھا اس وقت آپ حاکم نہیں تھے۔ (۲)

ہمیں عمرو بن العاص پر تعجّب ہے کہ اس نے حضرت عثمان کو ہُرمزان اور جُفَینۂ کے قتل کے بدلہ سے اس لئے بری قرار دیا تھا کہ جب مذکورہ افراد قتل ہوئے تو اس وقت حضرت عثمان کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی لیکن قتلِ عثمان کے بعد حضرت علیؑ سے قصاص عثمان کا مطالبہ کرنے میں یہ شخص پیش پیش تھا تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب عثمان قتل ہوئے اس وقت حضرت علیؑ کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔

عمرؔو بن العاص، معاویہ کے پاس

عمرو بن العاص کے متعلق ہم سابقہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ موصوف حضرت عثمان کے شدید ترین مخالفوں میں سے ایک تھے اور اپنے ہر ملنے والے کو حضرت عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا کرتے تھے اور اپنے قول کے مطابق "میں نے جس چرواہے سے بھی ملاقات کی، اسے عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا"۔

موصوف نے معاویہ بن ابی سفیان کا ساتھ مفت میں نہیں دیا تھا اس کی

(۱) سیرت ابن ہشام۔ جلد دوم۔ ص ۱۷۷۔
(۲) عبدالفتاح عبدالمقصود۔ الامام علی بن ابی طالب۔ جلد چہارم۔ ص ۸۳۔

باقاعدہ معاویہ سے قیمت وصول کی تھی ۔

عمرو بن العاص خلیفۂ ثالث کے عہد میں مصر کا گورنر تھا ۔ لیکن حضرت عثمان نے انہیں گورنری سے معزول کرکے ابن ابی سرح کو وہاں کا حاکم بنایا۔

عمرو بن العاص کو اس پر بہت غصہ آیا اور حضرت عثمان کے ساتھ اس کی اچھی خاصی جھڑپ ہوئی اور بعد ازاں اپنی جاگیر پر آیا اس کی جاگیر فلسطین میں واقع تھی ۔ وہاں اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ رہنے لگا اور مقامی آبادی کو حضرت عثمان کے خلاف ابھارتا رہا ۔ آخر کار وہ وقت آیا جس کا اسے انتظار تھا اس کو اطلاع ملی کہ حضرت عثمان مارے گئے اور حضرت علیؑ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے ہیں اور معاویہ نے مرکزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہوا ہے ۔

معاویہ نے اسے اپنے ساتھ شمولیت کی دعوت دی تو اس نے مصر کی حکومت کا تحریری وعدہ لکھ کر دینے کا مطالبہ کیا ۔ معاویہ نے اسے تحریر لکھ دی کہ اگر وہ مصر پر قابض ہوا تو وہاں کی گورنری اس کے حوالہ کرے گا ۔

اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے اپنے مستقبل کی سیاسی زندگی کے لئے مشورہ لیا ۔ عبداللہ نے کہا کہ اگر تجھے ہر صورت حصہ لینا ہی ہے تو پھر علیؑ کی جماعت میں شامل ہو جا۔

عمرو نے بیٹے سے کہا کہ : اگر میں علیؑ کی جماعت میں شامل ہو جاؤں تو مجھے وہاں سے کوئی مفاد حاصل نہیں ہو گا ۔

علیؑ میرے ساتھ ایک عام مسلمان کا سا برتاؤ کریں گے اور اس کے برعکس اگر میں معاویہ کے پاس چلا گیا تو وہ میری بڑی عزت کرے گا اور اپنا مشیر خاص بنائے گا اور حسب وعدہ مصر کی حکومت بھی میرے حوالے کرے گا۔

اس کے دوسرے بیٹے محمد نے معاویہ کے پاس جانے کا مشورہ دیا ۔ عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے عبداللہ کے متعلق کہا کہ : تو نے مجھے آخرت سنوانے کا

مشورہ دیا ہے اور میرے دوسرے بیٹے محمد نے مجھے دنیا سنوارنے کا مشورہ دیا ہے آخرت ادھار ہے اور دنیا نقد ہے، عقلمند وہی ہے جو ادھار کو چھوڑ کر نقد کو اپنائے۔

عمرو بن العاص ، معاویہ کے پاس آیا اور دوران ملاقات کہا کہ : معاویہ خدا لگتی بات یہی ہے کہ ہم علیؑ سے افضل نہیں ہیں کہ اس کی مخالفت کریں ، ہم تو علیؑ کی مخالفت حصول دنیا کی خاطر کر رہے ہیں ۔ (۱)

تحکیم میں معاویہ کا نمائندہ یہی عمرو بن العاص تھا ۔

حضرت علیؑ کا نمائندہ ابو موسیٰ اشعری تھا اور وہ جب کوفہ کا والی تھا تو لوگوں کو حضرت علیؑ کی حمایت سے منع کرتا تھا ۔ آخر کار حضرت علی نے مجبوراً اسے معزول کر دیا تھا ۔

تحکیم اور موقف علیؑ

حضرت علیؑ کے موقف تحکیم کو سمجھنے کے لئے تحکیم کی اصلیت و ماہیت کا جاننا ضروری ہے۔

دینی اعتبار سے پوری امت اسلامیہ کا مشترکہ عقیدہ ہے کہ باہمی مُشاجرات و تنازعات کے حل کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے اور حضرت علیؑ کا بھی روز اول سے یہی نظریہ تھا ۔

حضرت علیؑ کی سیاست کی بنیاد ہی قرآن مجید پر تھی آپ نے ہمیشہ اپنوں اور غیروں سے وہی سلوک کیا جس کا قرآن حکم دیتا تھا ۔

اور اسی تمسّک بالقرآن اور عدلِ قرآنی پر سختی سے عمل کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کو چھوڑ کر مخالفین کے پاس چلے گئے تھے لیکن آپ نے عدلِ قرآنی کو ہمیشہ مقدّم رکھا۔

---

(۱) عباس محمود العقاد ۔ " معاویہ بن ابی سفیان " ص ۵۳ ۔ ۵۵ ۔

حضرت علیؑ قرآن کے فیصلہ کے حامی تھے۔قیامِ صِفّین میں حضرت علیؑ نے تحکیم کی مخالفت صرف اس لئے فرمائی تھی کہ دشمن قرآن کو بلند کرکے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

تحکیم کی دعوت ہی وہ افراد دے رہے تھے جنہوں نے ہمیشہ قرآن اور صاحب قرآن سے جنگیں کی تھیں اور تحکیم کی دعوت دینے والے وہ افراد تھے جنہوں نے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قرآن کی کبھی پیروی نہ کی تھی۔

عمرو بن العاص نے قرآن بلند کرنے کا مشورہ اتباع قرآن کے اشتیاق میں نہیں دیا تھا بلکہ اپنی حتمی شکست سے بچنے کے لئے دیا تھا۔

قرآن مجید بلند کرنے کے لئے پورا پروگرام رات کی تاریکی میں مکمل کیا گیا۔ دمشق کے مصحف اعظم کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے پانچ نیزوں کے ساتھ باندھا گیا۔ علاوہ ازیں لشکر معاویہ میں جتنے قرآن مجید کے نسخے موجود تھے، ان سب کو یکجا کیا گیا اور نیزوں کے ساتھ باندھا گیا۔

صبح صادق کے وقت شامی لشکر قرآن اٹھا کر عراقی لشکر کے سامنے آیا۔ روشنی پھیلنے سے قبل عراقی لشکر کو پتا ہی نہ چل سکا کہ شامی لشکر نے کیا بلند کیا ہوا ہے۔

جیسے ہی صبح کی روشنی پھیلی تو لشکر شام کا ایک افسر ابُو الاعور السلمی گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا، اس نے اپنے سر پر قرآن رکھا ہوا تھا اور یہ اعلان کر رہا تھا:

"اے اہل عراق! اللہ کی کتاب تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی" یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا:

بندگان خدا! میں سب سے پہلے کتابُ اللہ تسلیم کرنے کا اعلان کرتا ہوں لیکن یاد رکھو کہ یہ لوگ قرآن کی آڑ میں تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں اب یہ لوگ جنگ سے تھک چکے ہیں اور چند حملوں کے بعد انہیں شکست فاش ہونے والی ہے

یہ لوگ قرآن بلند کر کے قضائے مبرم کو ٹالنا چاہتے ہیں۔

ان سب حقائق کے علم کے باوجود بھی میں کتابُ اللہ کو بطور حکم تسلیم کرتا ہوں میں نے اہل شام سے جنگ قرآن کی حاکمیتِ اعلیٰ تسلیم کرانے کے لئے کی ہے۔ (۱)

حضرت علیؑ نے نامناسب وقت اور حالات کے باوجود بھی قرآن کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کیا اور ابوسفیان کے بیٹے کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

"بغاوت اور جھوٹ انسان کے دین و دنیا کو تباہ کردیتے ہیں اور مخالفین کے سامنے اس کے نقائص کے اظہار کا ذریعہ بنتے ہیں اور تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تیرے ہاتھ سے وقت اور موقع نکل چکا ہے۔

ان لوگوں نے ناحق دعوے کئے اور کتاب خدا کو اپنے غلط دعوی کے اثبات کے لئے پیش کیا مگر اللہ نے انہیں جھٹلایا اور آج تو نے ہمیں قرآن کی دعوت دی۔ میں جانتا ہوں کہ تو اہل قرآن نہیں ہے۔ میں نے تیری بات کو تسلیم نہیں کیا، میں نے قرآن کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کیا ہے۔"

حضرت علیؑ نے ایک اور موقع پر معاویہ کو مخاطب کرکے کہا: اللہ نے تیرے ذریعہ سے میری آزمائش کی اور میرے ذریعہ سے تیری آزمائش کی ہے۔ ہم میں سے ایک دُوسرے پر حجّت ہے۔ تُو نے قرآن کی تاویل کر کے دنیا کو طلب کیا اور مجھ سے اس چیز کا مطالبہ کیا ہے، جس میں میری زبان اور ہاتھ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

تُو نے اہل شام کو اپنے ساتھ ملا کر میری نافرمانی کی۔ تمہارے علماء نے تمہارے جہال کو گمراہ کیا اور مخالفت کرنے والوں نے گھر بیٹھے ہوئے افراد کو میری مخالفت پر آمادہ کیا۔ (۲)

---

(۱) الدینوری۔ الاخبار الطوال۔ ص ۱۹۱۔ ۱۹۲۔

(۲) ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ۔ جلد چہارم۔ ص ۱۱۳۔ ۱۶۰۔

درج بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ قرآن کی حاکمیتِ اعلیٰ کے خواہاں تھے لیکن جن حالات میں معاویہ نے دعوت تحکیم دی وہ حضرت علیؑ کے لئے قابل قبول نہیں تھی اس کے علاوہ حضرت علیؑ کو ابوموسیٰ اشعری کے نمائندہ بننے پر بھی اعتراض تھا۔

عمرو بن العاص معاویہ کی نمائندگی کے لئے ہر طرح سے موزوں تھا، جبکہ ابوموسیٰ اشعری حضرت علیؑ کی نمائندگی کے لئے کسی طور بھی موزوں نہ تھا۔ مگر اہل عراق کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ نے اسے بھی بادل نخواستہ قبول کر لیا اور آپ نے یہ سوچا کہ جب حکمین فیصلہ کے لئے اکٹھے ہوں گے تو ممکن ہے کہ ابوموسیٰ اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرلے۔

اور آپ کا یہ خیال تھا کہ حکمَین درج ذیل نکات پر بحث کریں گے؛

۱۔ کیا حضرت عثمان ناحق قتل ہوئے ہیں؟

۲۔ کیا معاویہ کو خونِ عثمان کے مطالبہ کا حق حاصل ہے؟

۳۔ اگر بالفرض عثمان مظلوم ہو کر مارے گئے ہیں تو اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے خلیفہ کو کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟

مگر حکمَین نے اصل موضوع پر بحث ہی نہیں کی اور عمرو بن العاص نے ابوموسیٰ کے کان میں یہ فسوں پھونکا کہ امّت کی سلامتی اس میں ہے کہ دونوں کو رخصت کر دیا جائے۔ ابوموسیٰ اشعری اپنی علیؑ دشمنی اور سادگی کی وجہ سے عمرو بن العاص کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنستا چلا گیا اور آخر وقت تک اسے عمرو بن العاص کی چالاکی اور مکاری کا ادراک نہ ہو سکا۔

اور عمرو بن العاص نے ایک سیدھے سادے بدو کی جہالت سے خوب فائدہ اٹھایا اور میدان میں ہاری ہوئی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

حضرت علیؑ کی مشکلات

تحکیم کے نتیجہ میں خوارج کا ظہور ہوا۔ خوارج کا گروہ فرومایہ اور جذباتی افراد پر مشتمل تھا۔ جن کی نظر میں دلیل و منطق کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

حضرت علیؑ کی مشکلات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر طہٰ حسین رقم طراز ہیں:۔

" حضرت علیؑ کے لئے خوارج درد سر بن گئے تھے، نہروان میں تمام خوارج کا خاتمہ نہیں ہوا تھا البتہ ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی تھی لیکن وہ ابھی کوفہ میں آپ کے ساتھ رہتے تھے اور بصرہ میں آپ کے گورنر کے ساتھ تھے علاوہ ازیں کوفہ و بصرہ کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تھے۔

یہ خارجی نہروان میں قتل ہونے والے اپنے بھائیوں کا قصاص دل سے بھلانہ سکے تھے اور نہروان کی شکست ان کے فکرو نظر کے کسی گوشہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کرسکی بلکہ اس سے ان کی قوت میں اور اضافہ ہوا اور ان کو وہ مذموم اور ہولناک طاقت بھی ملی جس کا سرچشمہ بغض، کینہ اور انتقام کے جذبات ہیں۔

حالات و واقعات نے ان خارجیوں کے لئے ایک محاذ اور ایک پالیسی بنادی جس سے وہ اپنی طویل تاریخ میں کبھی منحرف نہیں ہوئے اور وہ محاذ اور پالیسی یہ تھی کہ خلفاء کے ساتھ مکاری اور فریب کیا جائے لوگوں کو ان کے خلاف اُبھار اجائے، کسی بات میں ان کا ساتھ نہ دیا جائے اگر اقتدار اور قوت نہ ہو تو اپنے مسلک کی دعوت دی جائے اور پھر جب اکثریت حاصل ہو جائے اور حکومت سے ٹکر لینے کی طاقت پیدا ہو جائے تو چھپ چھپا کر یا کھلے بندوں شہر سے دور باہر نکل کر ایک جگہ جمع ہو جائیں اور مقابلہ کی صورت میں اپنی نافرمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تلواریں بے نیام کرلیں۔

چنانچہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے گرد و پیش یہ لوگ مکروفریب کی کاروائیاں

کرتے رہے اور گھات میں لگے لوگوں کے خیالات اور دلوں کو پھراتے رہے ۔
آپ کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے ، آپ کے خطابات اور آپ کی باتیں
سنتے ، بعض اوقات خطبے اور گفتگو میں قطع کلامی بھی کرتے لیکن اس کے باوجود
آپ کے انصاف سے مطمئن اور آپ کی گرفت سے بے خوف تھے ۔ خوب جانتے
تھے کہ جب تک پہل خود ان کی طرف سے نہ ہوگی، آپ نہ ان پر ہاتھ اٹھائیں گے
نہ ان کی پردہ دری کریں گے اور یہ مال غنیمت میں حصہ پاتے رہیں گے اور وقتاً
فوقتاً جو کچھ ملتا رہے گا اس سے مقابلہ کی تیاری کریں گے۔

حضرت علیؑ کے اس عفوودعل نے خارجیوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے ۔
آپ ان کے ارادوں سے پوری طرح باخبر تھے اور اکثر اپنی داڑھی اور پیشانی کی
طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ ان سے رنگین ہو کر رہے گی چنانچہ جب
آپ ساتھیوں کی نافرمانیوں سے اکتا جاتے تو خطبوں میں اکثر فرمایا کرتے "بد بخت
نے کیوں دیر لگا رکھی ہے ۔"

خوارج کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی کبھی آپ کے سامنے آجاتے اور بلاتردد
اپنے خیالات کا اظہار کرتے چنانچہ ایک دن حریث بن راشد سامی آیا اور کہنے لگا۔

خدا گواہ کہ میں نے نہ آپ کی اطاعت کی اور نہ آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔
آپ نے فرمایا : خدا تجھے غارت کرے تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ، اپنا عہد توڑا
اور اپنے آپ کو دھوکا دیتا رہا آخر تو ایسا کیوں کرتا ہے ؟

اس برملا مخالفت کے باوجود بھی حضرت علیؑ نہ تو اس پر خفا ہوئے اور نہ
ہی اسے گرفتار کیا بلکہ اسے مناظرے کی دعوت دی شاید وہ حق کی طرف لوٹ سکے۔

اس کے بعد وہ رات کی تاریکی میں کوفہ سے لڑائی کے ارادے سے نکل
گیا۔راستے میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو دو آدمی ملے جن سے ان کا مذہب
پوچھا گیا ۔ ان میں سے ایک یہودی تھا ، اس نے اپنا مذہب بتا دیا ، اس کو ذمّی

خیال کر کے چھوڑ دیا گیا اور دوسرا عجمی مسلمان تھا ، جب اس نے اپنا مذہب بتایا
تو اس سے حضرت علیؑ کے بارے میں سوال پوچھا گیا ۔ اس نے حضرت علیؑ کی
تعریف کی تو اس کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو قتل کر دیا ۔ (۱)

ناکثین ، قاسطین اور اور مارقین غرضیکہ یہ تینوں گروہ حضرت علیؑ کے
مخالفین تو تھے ہی لیکن حضرت علیؑ کو غیروں کے علاوہ اپنوں کی طوطا چشمی کی بھی
شکایت تھی ۔ عبداللہ بن عباس جو حضرت علیؑ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے
اور حضرت علیؑ کے ابن عم تھے اور ان کے پاس دین و دنیا کا بھی وسیع علم تھا اور
انہیں قریش میں عمومی اور بنی ہاشم میں خصوصی مقام حاصل تھا وہ بھی حضرت علیؑ
کے مخلص نہ رہے ۔

ابُو الاسود دُوَلی بصرہ کے بیتُ المال کے خازن تھے انہوں نے عبداللہ بن
عباس کی طرف سے مالی بے ضابطگیاں ملاحظہ کیں تو انہوں نے حضرت علیؑ کو خط
لکھ کر مطلع کیا حضرت علیؑ نے ابن عباس کو خط لکھا جس میں تحریر کیا :

" مجھے تمہارے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوئی ہیں اگر تم نے واقعی ایسا کیا
ہے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا اور اپنی امانت میں خیانت کی اور اپنے امام
کی نافرمانی کی اور مسلمانوں کے مال میں خیانت کے مرتکب ہوئے لہذا تمہارا فرض
ہے کہ اپنا حساب لے کر میرے پاس آجاؤ اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کا حساب
لوگوں کے حساب سے سخت ہے ۔"

حضرت علیؑ مالی بے ضابطگی کو کسی بھی صورت معاف کرنے کے عادی
نہیں تھے اور مسلمانوں کے مال کے متعلق کسی مداہنت کے قائل نہیں تھے ۔

لیکن ابن عباس نے حساب دینے کے بجائے بصرہ کی گورنری کو چھوڑ دیا
اور مکہ چلے گئے ۔ لیکن مقام افسوس تو یہ ہے کہ وہ بصرہ سے خالی ہاتھ نہیں گئے ۔

---

(۱) ڈاکٹر طہٰ حسین مصری ۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ علیؑ و بنوہ ص ۱۳۲۔

بصرہ کے بیتُ المال کو صاف کرکے روانہ ہوئے اور بنی تمیم نے ان سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔حالات کے تغیر کو دیکھ کر ابن عباس نے اپنے ماموؤں یعنی بنی ازد کی پناہ لی ۔ اور مذکورہ مال کی وجہ سے بنی ازد اور بنی تمیم میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی ۔ آخر کار ابن عباس مال لے جانے میں کامیاب ہو گئے جب کہ ابن عباس کو بخوبی علم تھا کہ یہ مال ان کا نہیں ہے ۔[۱]

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ کی مشکلات میں اضافہ ہو گیا ۔ گورنروں کی جانب سے خیانت سامنے آئی اور دشمنوں کی طرف سے جفائیں سامنے آئیں مگر ان حوصلہ شکن حالات میں بھی حضرت علیؑ نے جادۂ حق سے سرمو انحراف نہ کیا اور اپنی قرآنی سیاست سے ایک انچ پیچھے ہونا گوارا نہ کیا ۔ یکے بعد دیگرے مشکلات بڑھتی گئیں مگر شیرِ خدا نے مشکلات میں گھبرانا نہیں سیکھا تھا ۔ حضرت علیؑ زندگی کے آخری نفس تک حق و صداقت کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا اور انہوں نے ہمیشہ حق کی سر بلندی کے لئے مصائب کے دریا کو عبور کیا یہاں تک کہ ابن مُلجمؑ لعین نے آپ کو شہید کر دیا۔لیکن حضرت علیؑ کے عدل کو ملاحظہ فرمائیں کہ اپنے قاتل کے لئے بھی حق سے ہٹنا قبول نہ کیا اور اپنی اولاد کو آخری وصیت میں ارشاد فرمایا : "اپنے قیدی کو اچھا کھانا دینا ، اگر میں اس ضرب سے بچ گیا تو میں اپنے قِصاص کا خودمالک ہوں مجھے اختیار ہو گا کہ اسے معاف کروں یا اس سے بدلہ لوں اور اگر میں شہید ہو جاؤں تو تم قاتل کو ایک ضرب سے زیادہ ضربیں نہ مارنا کیونکہ اس نے مجھ پر ایک ضرب چلائی تھی اور قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کا حلیہ نہ بگاڑنا ۔ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔"

(۱) الفتنۃ الکبریٰ ۔ علی و بنوہ ۔ ص ۱۲۹ ۔

فصل ہفتم

سیرتِ امامؑ سے چند اقتباسات

ہم سابقہ فصُول میں بہت سے واقعات کی جانب اشارہ کر چکے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ امام عالی مقامؑ کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسولؐ کے کتنے شیدائی تھے اور آپ نے ہمیشہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا تھا ۔

آپ کی صُلح اور جنگ ہمیشہ احکام قرآنی کے تابع تھی اور آپ نے ہمیشہ اپنے دوستوں اور دشمنوں سے وہی سلوک کیا جس کا حکم قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ نے دیا تھا ۔

اس فصل میں ہم آپ کی سیرت کے چند ایسے گوشے اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں جنہیں عظیم مسلمان مورخین نے نقل کیا ہے ۔

آئینِ حکومت

درج ذیل دستاویز کو مالک اشتر نخعیؒ کے لئے تحریر فرمایا۔ قارئین کرام سے ہم التماس کرتے ہیں کہ وہ حضرت علیؑ کی اس دستاویز کا اچھی طرح سے مطالعہ کریں کیونکہ اس خط میں آپ نے اسلام کے آئین جہانبانی کی مکمل وضاحت کی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ ہے وہ فرمان جس پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے خدا کے بندے علی امیر المومنینؑ نے مالک بن حارث اشتر کو، جب مصر کا انہیں والی بنایا تاکہ وہ خراج جمع کریں اور دشمنوں سے لڑیں، رعایا کی فلاح و بہبود اور شہروں کی آبادی کا انتظام کریں۔ انہیں حکم ہے کہ اللہ کا خوف کریں، اس کی اطاعت کو مُقدّم سمجھیں اور جن فرائض و سنن کا اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے، ان کا اتباع کریں کہ انہی کی پیروی سے سعادت اور انہی کے ٹھکرانے اور برباد کرنے سے بد بختی دامن گیر ہوتی ہے اور یہ کہ اپنے دل اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے اللہ کی نصرت میں لگے رہیں کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے ذمہ لیا ہے جو اس کی نصرت کرے گا اور جو اس کی حمایت کے لئے کھڑا ہو گا، وہ اسے عزّت و سرفرازی بخشے گا۔

اس کے علاوہ انہیں حکم ہے کہ وہ نفسانی خواہشوں کے وقت اپنے نفس کو کچلیں اور اس کی مُنہ زوریوں کے وقت اسے روکیں۔ کیونکہ نفس برائیوں ہی کی طرف لے جانے والا ہے مگر یہ کہ خدا کا لُطف و کرم شامل حال ہو۔

اے مالک! اس بات کو جانے رہو کہ تمہیں ان علاقوں کی طرف بھیج رہا ہوں، جہاں تم سے پہلے عادل اور ظالم کئی حکومتیں گذر چکی ہیں اور لوگ تمہارے طرز عمل کو اسی نظر سے دیکھیں گے جس نظر سے تم اپنے اگلے حکمرانوں کے طور

طریقے کو دیکھتے رہے ہو اور تمہارے بارے میں بھی وہی کہیں گے جو تم ان حکمرانوں کے بارے میں کہتے ہو۔

یہ یاد رکھو کہ خدا کے نیک بندوں کا پتہ اسی نیک نامی سے چلتا ہے جو انہیں بندگان الٰہی میں خدانے دے رکھی ہے۔ لہٰذا ہر ذخیرے سے زیادہ پسند تمہیں نیک اعمال کا ذخیرہ ہونا چاہیئے تم اپنی خواہشوں پر قابو رکھو اور جو مشاغل تمہارے لئے حلال نہیں ہیں، ان میں صرف کرنے سے اپنے نفس کے ساتھ بخل کرو کیونکہ نفس کے ساتھ بخل کرنا ہی اس کے حق کو ادا کرنا ہے چاہے وہ خود اسے پسند کرے یا ناپسند۔

رعایا کے لئے اپنے دل کے اندر رحم ورافت اور لطف و محبت کو جگہ دو اور ان کے لئے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ کہ انہیں نگل جانا غنیمت سمجھتے ہو اس لئے کہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں: ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہاری جیسی مخلوق خدا۔ ان کی لغزشیں بھی ہوں گی، خطاؤں سے بھی انہیں سابقہ پڑے گا اور ان کے ہاتھوں سے جان بوجھ کر یا بھولے چوکے سے غلطیاں بھی ہوں گی، تم ان سے اسی طرح عفوودرگذر سے کام لینا، جس طرح اللہ سے اپنے لئے عفوودرگذر کو پسند کرتے ہو اس لئے کہ تم ان پر حاکم ہو، اور تمہارے اوپر تمہارا امام حاکم ہے اور جس امام نے تمہیں والی بنایا ہے اس کے اوپر اللہ ہے اور اس نے تم سے ان لوگوں کے معاملات کی انجام دہی چاہی ہے اور ان کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی ہے اور دیکھو خبردار! اللہ سے مقابلہ کے لئے نہ اترنا اس لئے کہ اس کے غضب کے سامنے تم بے بس ہو، اور اس کے عفوورحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتانا اور سزا دینے پر اترانا نہ چاہیے۔

غصّہ میں جلد بازی سے کام نہ لو جبکہ اس کے ٹال دینے کی گنجائش ہو۔

کبھی یہ نہ کہنا کہ میں حاکم بنایا گیا ہوں، لہٰذا میرے حکم کے آگے سر

تسلیم خم ہونا چاہیۓ کیونکہ یہ تصور دل میں فساد پیدا کرنے ، دین کو کمزور بنانے اور بربادیوں کو قریب لانے کا سبب ہے ۔

اور کبھی حکومت کی وجہ سے تم میں غرور و تمکنت پیدا ہو تو اپنے سے بالاتر اللہ کے ملک کی عظمت کو دیکھو اور خیال کرو کہ وہ تم پر قدرت رکھتا ہے کہ جو تم خود اپنے آپ پر نہیں رکھتے، یہ چیز تمہاری رعونت و سرکشی کو دبا دے گی ، اور تمہاری طغیانی کو روک دے گی ، اور تمہاری کھوئی ہوئی عقل کو پلٹا دے گی ۔

خبردار ! کبھی اللہ کے ساتھ اس کی عظمت میں نہ ٹکراؤ اور اس کی شان و جبروت سے ملنے کی کوشش نہ کرو ، کیونکہ اللہ ہر جبار و سرکش کو نیچا دکھاتا ہے اور ہر مغرور کے سر کو جھکا دیتا ہے۔

اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد سے معاملے میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کے متعلق بھی انصاف کرنا کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ظالم ٹھہروگے اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا حریف و دشمن بن جاتا ہے ، اور جس کا اللہ حریف و دشمن ہو ، اس کی ہر دلیل کو کچل دے گا اور وہ اللہ سے برسر پیکار رہے گا یہاں تک کہ باز آۓ اور توبہ کرلے ، اور اللہ کی نعمتوں کو سلب کرنے والی ، اور اس کی عقوبتوں کو جلد بلاوا دینے والی کوئی چیز اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ظلم پر باقی رہا جاۓ کیونکہ اللہ مظلوموں کی پکار سنتا ہے اور ظالموں کیلیۓ موقع کا منتظر رہتا ہے ۔

تمہیں سب طریقوں سے زیادہ وہ طریقہ پسند ہونا چاہیۓ جو حق کے لحاظ سے بہترین ، انصاف کے لحاظ سے سب کو شامل اور رعایا کے زیادہ سے زیادہ افراد کی مرضی کے مطابق ہو کیونکہ عوام کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور خواص کی ناراضگی عوام کی رضامندی کے ہوتے ہوۓ نظر انداز کی جاسکتی ہے۔

اور یہ یاد رکھو ! کہ رعیت میں خواص سے زیادہ کوئی ایسا نہیں کہ جو

خوش حالی کے وقت حاکم پر بوجھ بننے والا ، مصیبت کے وقت امداد سے کترا جانے والا ، انصاف پر ناک بھوں چڑھانے والا ، طلب و سوال کے موقعہ پر پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جانے والا ، بخشش پر کم شکر گذار ہونے والا ، محروم کر دیۓ جانے پر بمشکل عذر سننے والا ، اور زمانہ کی ابتلاؤں پر بےصبری دکھانے والا ہو ۔ اور دین کا مضبوط سہارا، مسلمانوں کی قوت اور دشمن کے مقابلہ میں سامان دفاع یہی امت کے عوام ہوتے ہیں ۔

لہذا تمہاری پوری توجہ اور تمہارا پورا رخ انہی کی جانب ہونا چاہیۓ اور تمہاری رعایا میں تم سے سب سے زیادہ دور اور سب سے تمہیں زیادہ ناپسند وہ ہونا چاہیۓ جو لوگوں کی عیب جوئی میں زیادہ لگا رہتا ہو ۔ کیونکہ لوگوں میں عیب تو ہوتے ہی ہیں ۔ حاکم کے لۓ انتہائی شایاں یہ ہے کہ ان پر پردہ ڈالے لہذا جو عیب تمہاری نظروں سے اوجھل ہوں ، انہیں نہ اچھالنا ۔ کیونکہ تمہارا کام انہی عیبوں کو مٹانا ہے کہ جو تمہارے اوپر ظاہر ہوں ، اور جو چھپے ڈھکے ہوں ، ان کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے ۔ اس لۓ جہاں تک بن پڑے ، عیبوں کو چھپاؤ تاکہ اللہ بھی تمہارے ان عیوب کی پردہ پوشی کرے جنہیں تم رعیت سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو ۔

لوگوں سے کینہ کی ہر گرہ کو کھول دو اور دشمنی کی ہر رسی کاٹ دو اور ہر ایسے رویہ سے جو تمہارے لیۓ مناسب نہیں بے خبر بن جاؤ اور چغل خور کی جھٹ سے ہاں میں ہاں نہ ملاؤ کیونکہ وہ فریب کار ہوتا ہے اگرچہ خیرخواہوں کی صورت میں سامنے آتا ہے ۔

اپنے مشورہ میں کسی بخیل کو شریک نہ کرنا کہ وہ تمہیں دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے سے روکے گا ، اور فقر و افلاس کا خطرہ دلاۓ گا اور نہ کسی بزدل سے مہمات میں مشورہ لینا کہ وہ تمہاری ہمت پست کردے گا اور نہ کسی لالچی سے مشورہ کرنا کہ وہ ظلم کی راہ سے مال بٹورنے کو تمہاری نظروں میں سج دے گا۔

یاد رکھو ! کہ بُخل ، بُزدلی ، اور حرص اگرچہ الگ الگ خصلتیں ہیں مگر اللہ
سے بد گمانی ان سب میں شریک ہے ۔ تمہارے لئے سب سے بد تر وزیر وہ ہو گا ،
جو تم سے پہلے بدکرداروں کا وزیر اور گناہوں میں ان کا شریک رہ چکا ہے ۔ اس
قسم کے لوگوں کو تمہارے مخصوصین میں سے نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ گنہگاروں کے
معاون اور ظالموں کے ساتھی ہوتے ہیں ۔ ان کی جگہ تمہیں ایسے لوگ مل سکتے ہیں
جو تدبیرو رائے اور کارکردگی کے اعتبار سے ان کے مثل ہوں گے مگر ان کی طرح
گناہوں کی گرانباریوں میں دبے ہوئے نہ ہوں ، جنھوں نے نہ کسی ظالم کی اس کے
ظلم میں مدد کی ہو اور نہ کسی گنہگار کا اس کے گناہ میں ہاتھ بٹایا ہو ، ان کا بوجھ تم
پر ہلکا ہوگا اور یہ تمہارے بہترین معاون ثابت ہوں گے اور تمہاری طرف محبت
سے جھکنے والے ہوں گے اور تمہارے علاوہ دوسروں سے ربط ضبط نہ رکھیں گے ۔
انھی کو تم خلوت و جلوت میں اپنا مُصاحبِ خاص ٹھہرانا ۔ پھر تمہارے نزدیک ان
میں زیادہ ترجیح ان لوگوں کو ہونا چاہئے کہ جو حق کی کڑوی باتیں تم سے کھل کر کہنے
والے ہوں اور ان چیزوں میں کہ جنھیں اللہ اپنے مخصوص بندوں کے لئے ناپسند
کرتا ہے ، تمہاری بہت کم مدد کرنے والے ہوں چاہے وہ تمہاری خواہشوں سے کتنی
ہی میل کھاتی ہوں ۔ پرہیز گاروں اور راست بازوں سے اپنے کو وابستہ رکھنا ۔ پھر
انھیں اس کا عادی بنانا کہ وہ تمہارے کسی کارنامہ کے بغیر تمہاری تعریف کرکے
تمہیں خوش نہ کریں ۔ کیونکہ زیادہ مدح سرائی غرور پیدا کرتی ہے اور سرکشی کی
منزل سے قریب کردیتی ہے اور تمہارے نزدیک نیکوکار اور بدکردار دونوں برابر نہ
ہوں ۔ اس لئے کہ ایسا کرنا نیکوں کو نیکی سے بے رغبت کرنا اور بدوں کو بدی پر
آمادہ کرنا ہے ۔

ہر شخص کو اسی کی منزلت پر رکھو ، جس کا وہ مستحق ہے اور اس بات کو
یاد رکھو کہ حاکم کو اپنی رعایا پر پورا اعتماد اسی وقت کرنا چاہئے جب کہ وہ ان سے

حسن سلوک کرتا ہو اور ان پر بوجھ نہ لادے اور انھیں ایسی ناگوار چیزوں پر مجبور نہ
کرے ، جو ان کے بس میں نہ ہوں ۔

تمہیں ایسا رویّہ اختیار کرنا چاہئے کہ اس حسن سلوک سے تمہیں رعیت پر
پورا اعتماد ہوسکے ۔ کیونکہ یہ اعتماد تمہاری طویل اندرونی الجھنوں کو ختم کردے گا
اور سب سے زیادہ تمہارے اعتماد کے وہ مستحق ہیں جن کے ساتھ تم نے اچھا
سُلوک کیا ہو اور سب سے زیادہ بے اعتمادی کے مستحق وہ ہیں جن سے تمہارا
برتاؤ اچھا نہ رہا ہو ۔

اور دیکھو ! اس اچھے طور طریقے کو ختم نہ کرنا کہ جس پر اس امت کے
بزرگ چلتے رہے ہیں اور جس سے اتحاد و یک جہتی بیدار اور رعیت کی اصلاح
ہوئی ہو ۔

اور ایسے طریقے ایجاد نہ کرنا جو پہلے طریقوں کو کچھ ضرر پہنچائیں اگر ایسا کیا
گیا تو نیک روش کے قائم کر جانے والوں کو ثواب تو ملتا رہے گا ، مگر انھیں ختم کر
دینے کا گناہ تمہاری گردن پر ہو گا ۔ اور اپنے شہروں کے اصلاحی امور کو مستحکم کرنے
اور ان چیزوں کے قائم کرنے میں کہ جن سے اگلے لوگوں کے حالات مضبوط رہے
تھے علماء و حکماء کے ساتھ باہمی مشورہ اور بات چیت کرتے رہنا ۔

اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ رعایا میں کئی طبقے ہوتے ہیں جن کی سود و
بہبود ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہے ۔ اور وہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں
ہو سکتے ان میں ایک طبقہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کام آنے والے فوجیوں کا ہے ۔
دوسرا طبقہ وہ ہے جو عمومی و خصوصی تحریروں کا کام انجام دیتا ہے ۔ تیسرا طبقہ
انصاف کرنے والے قضاۃ کا ہے ۔ چوتھا حکومت کے وہ عمال جن سے امن و
انصاف قائم ہوتا ہے ۔ پانچواں خراج دینے والے مسلمانوں اور جزیہ دینے والے
ذمیوں کا ۔ چھٹا تجارت پیشہ و اہل حرفہ کا ۔ ساتواں فقراء و مساکین کا وہ طبقہ ہے جو

سب سے پست ہے ۔ اور اللہ نے ہر ایک کا حق معین کر دیا ہے اور اپنی کتاب یا سنت نبوی میں اس کی حد بندی کردی اور وہ دستور ہمارے پاس محفوظ ہے ۔

(پہلا طبقہ) فوجی دستے یہ بحکم خدا رعیت کی حفاظت کا قلعہ ، فرماں رواؤں کی زینت ، دین و مذہب کی قوت اور امن کی راہ ہیں ۔ رعیت کا نظم و نسق انہی سے قائم رہ سکتا ہے اور فوج کی زندگی کا سہارا وہ خراج ہے جو اللہ نے ان کے لئے معین کیا ہے ۔کہ جس سے وہ دشمنوں سے جہاد کرنے میں تقویت حاصل کرتے اور اپنے حالات کو درست بناتے اور ضروریات کو بہم پہنچاتے ہیں ۔ پھر ان دونوں طبقوں کے نظم و بقا کے لئے تیسرے طبقے کی ضرورت ہے کہ جو قضاہ عمال اور منشیان دفاتر کا ہے کہ جس کے ذریعہ باہمی معاہدوں کی مضبوطی اور خراج اور دیگر منافع کی جمع آوری ہوتی ہے اور معمولی اور غیر معمولی معاملوں میں ان کے ذریعے وثوق و اطمینان حاصل کیا جاتا ہے اور سب کا دارومدار سوداگروں اور صناعوں پر ہے کہ وہ ان کی ضروریات کو فراہم کرتے ہیں ، بازار لگاتے ہیں اور اپنی کاوشوں سے ان کی ضروریات کو مہیّا کرکے انہیں خود مہیا کرنے سے آسودہ کر دیتے ہیں اس کے بعد پھر فقیروں اور ناداروں کا طبقہ ہے جن کی اعانت و دستگیری ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کے گزارے کی صورتیں پیدا کر رکھی ہیں اور ہر طبقے کا حاکم پر حق قائم ہے کہ وہ ان کے لئے اتنا مہیا کرے جوان کی حالت درست کر سکے اور حاکم خدا کے ان تمام ضروری حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا مگر اسی صورت میں کہ پوری طرح کوشش کرے اور اللہ سے مدد مانگے اور اپنے کو حق پر ثابت و برقرار رکھے اور چاہے اس کی طبعیت پر آسان ہو یا دشوار بہرحال اس کو برداشت کرے۔ فوج کا سردار اس کو بنانا جو اپنے اللہ کا اور اپنے رسولؐ کا اور تمہارے امامؑ کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہو سب سے زیادہ پاک دامن ہو، اور بردباری میں نمایاں ہو ۔ جلد غصہ میں نہ آجاتا ہو عذر معذرت پر مطمئن ہو جاتا ہو، کمزوروں پر رحم کھاتا

ہو اور طاقتوروں کے سامنے اکڑ جاتا ہو ۔ نہ بد خوئی اسے جوش میں لے آتی ہو، اور نہ پست ہمتی اسے بٹھا دیتی ہو، پھر ایسا ہونا چاہئے کہ تم بلند خاندان، نیک گھرانے اور عمدہ روایات رکھنے والے اور ہمت و شجاعت اور جودوسخاوت کے مالکوں سے اپنا ربط و ضبط بڑھاؤ کیونکہ یہی لوگ بزرگیوں کا سرمایہ اور نیکیوں کا سر چشمہ ہوتے ہیں ۔ پھر ان کے حالات کی اس طرح دیکھ بھال کرنا جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرتے ہیں ۔اگر ان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرو کہ جوان کی تقویت کا سبب ہو تو اسے بڑا نہ سمجھنا ، اور اپنے کسی معمولی سلوک کو بھی غیر اہم نہ سمجھ لینا (کہ اسے چھوڑ بیٹھو) کیونکہ اس حسنِ سلوک سے ان کی خیر خواہی کا جذبہ ابھرے گا اور حسن اعتماد میں اضافہ ہوگا اور اس خیال سے کہ تم نے ان کی بڑی ضرورتوں کو پورا کر دیا ہے ، کہیں ان کی چھوٹی ضرورتوں سے آنکھ بند نہ کر لینا کیونکہ یہ چھوٹی قسم کی مہربانی کی بات بھی اپنی جگہ فائدہ بخش ہوتی ہے اور وہ بڑی ضرورتیں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں ۔ اور فوجی سرداروں میں تمہارے یہاں وہ بلند منزلت سمجھا جائے، جو فوجیوں کی اعانت میں برابر کا حصہ لیتا ہو اور اپنے روپے پیسے سے اتنا سلوک کرتا ہو کہ جس سے ان کا اور ان کے پیچھے رہ جانے والے بال بچوں کا بخوبی گزارا ہو سکتا ہو ۔ تاکہ وہ ساری فکروں سے بے فکر ہو کر پوری یکسوئی کے ساتھ دشمن سے جہاد کریں ۔ اس لئے فوجی سرداروں کے ساتھ تمہارا مہربانی سے پیش آنا ان کے دلوں کو تمہاری طرف موڑ دے گا ۔

حکمرانوں کے لئے سب سے بڑی آنکھوں کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ شہروں میں عدل و انصاف برقرار رہے اور رعایا کی محبت ظاہر ہوتی رہے اور ان کی محبت اسی وقت ظاہر ہوا کرتی ہے کہ جب ان کے دلوں میں میل نہ ہو اور ان کی خیر خواہی اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کے گرد حفاظت کیلئے گھیرا ڈالے رہیں ، ان کا اقتدار سر پر بوجھ نہ سمجھیں اور نہ ان کی حکومت

کے خاتمہ کے لئے گھڑیاں گنیں ۔ لہٰذا ان کی امیدوں میں وسعت و کشش رکھنا، انہیں اچھے لفظوں سے سراہتے رہنا اور ان میں کے اچھی کارکردگی دکھانے والوں کے کارناموں کا تذکرہ کرتے رہنا ۔ اس لئے کہ ان کے اچھے کارناموں کا ذکر بہادروں کو جوش میں لے آتا ہے اور پست ہمتوں کو ابھارتا ہے۔ جو شخص جس کارنامے کو انجام دے اسے پہچانتے رہنا اور ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کر دینا اور اس کی حسن کارکردگی کا صلہ دینے میں کمی نہ کرنا اور کبھی ایسا نہ کرنا کہ کسی شخص کی بلندی و رفعت کی وجہ سے اس کے معمولی کام کو بڑا سمجھ لو یا کسی کے بڑے کام کو اس کے خود پست ہونے کی وجہ سے معمولی قرار دے لو۔

جب ایسی مشکلیں تمہیں پیش آئیں کہ جن کا حل نہ ہو سکے اور ایسے معاملات کہ جو مشتبہ ہو جائیں تو ان میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو، کیونکہ خدانے جن لوگوں کو ہدایت کرنا چاہی ہے ان کے لئے فرمایا ہے "اے ایماندارو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہوں" تو اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب کی محکم آیتوں پر عمل کیا جائے اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ان متفق علیہ ارشادات پر عمل کیا جائے جن میں کوئی اختلاف نہیں ۔

پھر یہ کہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمھارے نزدیک تمھاری رعایا میں سب سے بہتر ہو، جو واقعات کی پیچیدگیوں سے ضیق میں نہ پڑجاتا ہو، اور نہ جھگڑا کرنے والوں کے رویہ سے غصہ میں آتا ہو، نہ اپنے کسی غلط نقطۂ نظر پر اڑتا ہو، نہ حق کو پہچان کر اس کے اختیار کرنے میں طبیعت پر بار محسوس کرتا ہو، نہ اس کا نفس ذاتی طمع پر جھک پڑتا ہو ، اور نہ بغیر پوری طرح چھان بین کئے ہوئے سرسری طور پر کسی معاملہ کو سمجھ لینے پر اکتفا کرتا ہو شک و شبہ کے موقعہ پر قدم روک لیتا ہو اور دلیل و حجت کو سب سے زیادہ

اہمیت دیتا ہو ، فریقین کی بحثا بحثی سے اکتا نہ جاتا ہو ۔ معاملات کی تحقیق میں بڑے صبر و ضبط سے کام لیتا ہو اور جب حقیقت آئینہ ہو جاتی ہو ، تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہو، وہ ایسا ہو جسے سراہنا مغرور نہ بنائے اور تاننا جنبہ داری پر آمادہ نہ کردے ، اگرچہ ایسے لوگ کم ملتے ہیں ۔ پھر یہ کہ تم خود ان کے فیصلوں کا بار بار جائزہ لیتے رہنا ، دل کھول کر انہیں اتنا دینا کہ جو ان کے ہر عذر کو غیر مسموع بنا دے اور لوگوں کی انہیں کوئی احتیاج نہ رہے ۔ اپنے ہاں انہیں ایسے باعزت مرتبہ پر رکھو کہ تمہارے دربار میں لوگ انہیں ضرر پہنچانے کا کوئی خیال نہ کر سکیں، تاکہ وہ تمہارے التفات کی وجہ سے لوگوں کی سازش سے محفوظ رہیں ۔

اس بارے میں انتہائی بالغ نظری سے کام لینا ۔ کیونکہ (اس سے پہلے) یہ دین بد کرداروں کے پنجے کا اسیر رہ چکا ہے جس میں نفسانی خواہشوں کی کارفرمائی تھی ، اور اسے دنیا طلبی کا ذریعہ بنالیا گیا تھا ۔

پھر اپنے عہدہ داروں کے بارے میں نظر رکھنا ، ان کو خوب آزمائش کے بعد منصب دینا ، کبھی صرف رعایت اور جانبداری کی بنا پر انہیں منصب عطا نہ کرنا اس لئے کہ یہ باتیں ناانصافی اور بے ایمانی کا سرچشمہ ہیں ۔ اور ایسے لوگوں کو منتخب کرنا جو آزمودہ اور غیرت مند ہوں ۔ ایسے خاندانوں میں سے جو اچھے ہوں اور جن کی خدمات اسلام کے سلسلہ میں پہلے سے ہوں ۔ کیونکہ ایسے لوگ بلند اخلاق اور بے داغ عزت والے ہوتے ہیں ، حرص و طمع کی طرف کم جھکتے ہیں اور عواقب و نتائج پر زیادہ نظر رکھتے ہیں پھر ان کی تنخواہوں کا معیار بلند رکھنا، کیونکہ اس سے انہیں اپنے نفوس کے درست رکھنے میں مدد ملے گی اور اس مال سے بے نیاز رہیں گے جو ان کے ہاتھوں میں بطور امانت ہو گا ۔ اس کے بعد بھی وہ تمہارے حکم کی خلاف ورزی یا امانت میں رخنہ اندازی کریں تو تمہاری حجّت ان پر قائم ہوگی، پھر ان کے کاموں کو دیکھتے بھالتے رہنا اور سچے اور وفادار مخبروں کو ان پر

چھوڑ دینا، کیونکہ خفیہ طور پر ان کے امور کی نگرانی انہیں امانت کے برتنے اور رعیت کے ساتھ نرم رویہ رکھنے کا باعث ہوگی۔ خائن مددگاروں سے اپنا بچاؤ کرتے رہنا۔ اگر ان میں سے کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور متفقہ طور پر جاسوسوں کی اطلاعات تم تک پہنچ جائیں، تو شہادت کے لئے بس اسے کافی سمجھنا۔ اسے جسمانی طور پر سزا دینا اور جو کچھ اس نے اپنے عہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سمیٹا ہے، اسے واپس لے لینا اور اسے ذلت کی منزل پر کھڑا کر دینا، اور خیانت کی رسوائیوں کے ساتھ اسے روشناس کرانا اور ننگ ورسوائی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دینا۔

مال گذاری کے معاملہ میں مال گذاری ادا کرنے والوں کا مفاد پیش نظر رکھنا، کیونکہ باج اور باج گذاروں کی بدولت ہی دوسروں کے حالات درست کئے جاسکتے ہیں۔ سب اسی خراج اور خراج دینے والوں کے سہارے پر جیتے ہیں اور خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادی کا خیال رکھنا۔ کیونکہ خراج بھی تو زمین کی آبادی سے حاصل ہوتا ہے اور جو آباد کئے بغیر خراج چاہتا ہے، وہ ملک کی بربادی اور بندگان خدا کی تباہی کا سامان کرتا ہے اور اس کی حکومت تھوڑے دنوں سے زیادہ نہیں رہ سکتی۔

اب اگر وہ خراج کی گراں باری یا کسی آفت ناگہانی یا نہری و بارانی علاقوں میں ذرائع آب پاشی کے ختم ہونے یا زمین کے سیلاب میں گھر جانے یا سیرابی کے نہ ہونے کے باعث اس کے تباہ ہونے کی شکایت کریں تو خراج میں اتنی کمی کر دو جس سے تمہیں ان کے حالات سُدھرنے کی توقع ہو، اور ان کے بوجھ کو ہلکا کرنے سے تمہیں گرانی محسوس نہ ہو، کیونکہ انہیں زیرباری سے بچانا ایک ایسا ذخیرہ ہے کہ جو تمہارے ملک کی آبادی اور تمہارے قلم رو حکومت کی زیب و زینت کی صورت میں تمہیں پلٹا دیں گے اور اس کے ساتھ تم ان سے

خراج تحسین اور عدل قائم کرنے کی وجہ سے بے پایاں مسرت بھی حاصل کرسکو گے۔ اور اپنے اس حسنِ سلوک کی وجہ سے کہ جس کا ذخیرہ تم نے ان کے پاس رکھ دیا ہے تم (آڑے وقت پر) ان کی قوت کے بل بوتے پر بھروسہ کرسکو گے۔ اور رحم ورافت کے جلو میں جس عادلانہ سیرت کا تم نے انہیں خوگر بنایا ہے، اس کے سبب سے تمہیں ان پر وثوق و اعتماد ہو سکے گا۔

اس کے بعد ممکن ہے کہ ایسے حالات بھی پیش آئیں کہ جس میں تمہیں ان پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہو تو وہ انہیں بطیبِ خاطر جھیل لے جائیں گے کیونکہ ملک آباد ہے تو جیسا بوجھ ان پر لادوگے، وہ اٹھالے گا۔ اور زمین کی تباہی اس سے آتی ہے کہ کاشت کاروں کے ہاتھ تنگ ہوجائیں اور ان کی تنگ دستی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ حکام مال و دولت کے سمیٹنے پر تل جاتے ہیں اور انہیں اپنے اقتدار کے ختم ہونے کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور عبرتوں سے بہت کم فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

پھر یہ کہ اپنے منشیان دفاتر کی اہمیت پر نظر رکھنا۔ اپنے معاملات ان کے سپرد کرنا جو ان میں سے بہتر ہوں اور اپنے ان فرامین کو جن میں مخفی تدابیر اور (مملکت کے) اسرارد رموز درج ہوتے ہیں خصوصیت کے ساتھ ان کے حوالے کرنا جو سب سے اچھے اخلاق کے مالک ہوں۔ جنہیں اعزاز کا حاصل ہونا سرکش نہ بنائے کہ وہ بھری محفلوں میں تمہارے خلاف کچھ کہنے کی جرات کرنے لگیں اور ایسے بے پروا نہ ہو کہ لین دین کے بارے میں جو تم سے متعلق ہوں تمہارے کارندوں کے خطوط تمہارے سامنے پیش کرنے اور ان کے مناسب جوابات روانہ کرنے میں کوتاہی کرتے ہوں اور وہ تمہارے حق میں جو معاہدہ کریں اس میں کوئی خامی نہ رہنے دیں اور نہ تمہارے خلاف کسی سازباز کا توڑ کرنے میں کمزوری دکھائیں اور وہ معاملات میں اپنے صحیح مرتبہ اور مقام سے ناآشنا نہ ہوں کیونکہ جو اپنا صحیح مقام

نہیں پہچانتا وہ دوسروں کے قدرو مقام سے اور بھی زیادہ ناواقف ہوگا۔ پھر یہ کہ ان کا انتخاب تمہیں اپنی فراست، خوش اعتمادی اور حسن ظن کی بنا پر نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ لوگ تصنع اور حسن خدمات کے ذریعہ حکمرانوں کی نظروں میں سما کر تعارف کی راہیں نکال لیا کرتے ہیں حالانکہ ان میں ذرا بھی خیر خواہی اور امانت داری کا جذبہ نہیں ہوتا لیکن تم انہیں ان خدمات سے پرکھو، جو تم سے پہلے وہ نیک حاکموں کے ماتحت رہ کر انجام دے چکے ہوں توجوعوام میں نیک نام اور امانت داری کے اعتبار سے زیادہ مشہور ہوں ان کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرو اس لئے کہ ایسا کرنا اس کی دلیل ہوگا کہ تم اللہ کے مخلص اور اپنے امام کے خیر خواہ ہو۔ تمہیں محکمہ تحریر کے ہر شعبہ پر ایک ایک افسر مقرر کرنا چاہیئے جو اس شعبے کے بڑے سے بڑے کام سے عاجز نہ ہو اور کام کی زیادتی سے بوکھلانہ اٹھے۔

یاد رکھو! ان منشیوں میں جو بھی عیب ہوگا، اور تم اس سے آنکھ بند رکھو گے تو اس کی ذمے داری تم پر ہوگی۔

پھر تمہیں تاجروں اور صنّاعوں کے خیال اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ہدایت کی جاتی ہے اور تمہیں دوسروں کو ان کے متعلق ہدایت کرنا ہے خواہ وہ ایک جگہ رہ کر بیوپار کرنے والے ہوں یا پھیری لگا کر بیچنے والے ہوں یا جسمانی مشقت (مزدوری یا دستکاری) سے کمانے والے ہوں کیونکہ یہی لوگ منافع کا سرچشمہ اور ضروریات کے مہیا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

یہ لوگ ان ضروریات کو خشکیوں، تریوں، میدانی علاقوں اور پہاڑوں ایسے دور افتادہ مقامات سے درآمد کرتے ہیں اور ایسی جگہوں سے جہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے اور نہ وہاں جانے کی ہمت کر سکتے ہیں۔

یہ لوگ امن پسند اور صلح جُو ہوتے ہیں۔ ان سے کسی فساد اور شورش کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ تمہارے سامنے ہوں یا جہاں جہاں دوسرے شہروں میں

پھیلے ہوئے ہوں، تم ان کی خبر گیری کرتے رہنا۔

ہاں اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو انتہائی تنگ نظر اور بڑے کنجوس ہوتے ہیں جو نفع اندوزی کے لئے مال روک رکھتے ہیں اور اونچے نرخ معین کر لیتے ہیں۔ یہ چیز عوام کے لئے نقصان دہ اور حکام کے لئے بدنامی کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا ذخیرہ اندوزی سے منع کرنا کیونکہ رسول خدا نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور خرید و فرخت صحیح ترازوؤں اور مناسب نرخوں کے ساتھ بسہولت ہونا چاہیئے کہ نہ بیچنے والے کا نقصان ہو اور نہ خریدنے والے کو خسارہ ہو۔

اس کے بعد بھی کوئی ذخیرہ اندوزی کے جرم کا مرتکب ہوتو اسے مناسب حد تک سزا دینا۔ پھر خصوصیت کے ساتھ اللہ کا خوف کرنا۔ پسماندہ اور افتادہ طبقہ کے بارے میں، جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ وہ مسکینوں، محتاجوں، فقیروں اور معذوروں کا طبقہ ہے۔ ان میں کچھ تو ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے ہوتے ہیں اور کچھ کی صورت سوال ہوتی ہے۔ اللہ کی خاطر ان بے کسوں کے بارے میں اس کے اس حق کی حفاظت کرنا جس کا اس نے تمہیں ذمہ دار بنایا ہے۔

ان کے لئے ایک حصہ بیتُ المال سے معین کردینا اور ایک حصہ ہر شہر کے اس غلہ سے دینا جو اسلامی غنیمت کی زمینوں سے حاصل ہوا ہو، کیونکہ اس میں دور والوں کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا نزدیک والوں کا ہے اور تم ان سب کے حقوق کی نگہداشت کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۔

لہذا تمہیں دولت کی سرمستی ان سے غافل نہ کردے۔ کیونکہ کسی معمولی بات کو اس لئے نظر انداز نہیں کیا جائے گا کہ تم نے بہت سے اہم کاموں کو پورا کر دیا ہے۔ لہذا اپنی توجہ ان سے نہ ہٹانا اور نہ تکبّر کے ساتھ ان کی طرف سے اپنا رخ پھیرنا اور خصوصیت کے ساتھ ایسے افراد کی خبر رکھو جو تم تک نہیں پہنچ سکتے۔

جنہیں آنکھیں دیکھنے سے کراہت کرتی ہوں گی اور لوگ انہیں حقارت سے
ٹھکراتے ہوں گے ۔ تم ان کے لئے اپنے کسی بھروسے کے آدمی کو جو خوفِ خدا
رکھنے والا اور مُتواضِع ہو ، مقرر کرنا کہ وہ ان کے حالات تم تک پہنچاتا رہے ۔ پھر
ان کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کرنا جس سے قیامت کے روز اللہ کے سامنے حجّت
پیش کرسکو ۔ کیونکہ رعیت میں دوسروں سے زیادہ یہ انصاف کے محتاج ہیں اور
یوں تو سب ہی ایسے ہیں کہ تمہیں ان کے حقوق سے عہدہ برآ ہوکر اللہ کے سامنے
سرخرو ہونا ہے ۔

اور دیکھو یتیموں اور سال خوردہ بوڑھوں کا خیال رکھنا ، کہ جو نہ کوئی
سہارا رکھتے ہیں اور نہ سوال کے لئے اٹھتے ہیں اور یہی وہ کام ہے جو حکام پر گراں
گزرا کرتا ہے ۔ ہاں خدا ان لوگوں کے لئے جو عُقبیٰ کے طلب گار ہوتے ہیں اس کی
گرانیوں کو ہلکا کردیتا ہے ۔ وہ اسے اپنی ذات پر جھیل لے جاتے ہیں اور اللہ نے
جو ان سے وعدہ کیا ہے اس کی سچائی پر بھروسہ رکھتے ہیں ۔

اور تم اپنے اوقات کا ایک حصہ حاجت مندوں کے لئے معین کردینا جس
میں سب کام چھوڑ کر انہی کے لئے مخصوص ہوجانا اور ان کے لئے ایک عام دربار
کرنا اور اس میں اپنے پیدا کرنے والے اللہ کے لئے تواضع و انکساری سے کام لینا
اور اس موقع پر فوجیوں ، نگہبانوں اور پولیس والوں کو ہٹا دینا تاکہ کہنے والے بے
دھڑک کہہ سکیں ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کئی موقعوں
پر فرماتے سنا ہے کہ "اس قوم میں پاکیزگی نہیں آسکتی جس میں کمزوروں کو کھل کر
طاقتوروں سے حق نہیں دلایا جاتا ۔"

پھر یہ کہ ان کے تیور بگڑیں یا صاف صاف مطلب نہ کہہ سکیں تو اسے
برداشت کرنا اور تنگ دلی اور نخوت کو ان کے مقابلہ میں پاس نہ آنے دینا ۔ اس
کی وجہ سے اللہ تم پر اپنی رحمت کے دامنوں کو پھیلادے گا اور اپنی فرماں برداری

کا تمہیں ضرور اجر دے گا اور جو حسنِ سلوک کرنا اس طرح کہ چہرے پر شکن نہ
آئے اور نہ دینا تو اچھے طریقے سے عذر خواہی کرلینا ۔ پھر کچھ امور ایسے ہیں جو خود تم
ہی کو انجام دینا چاہئیں ۔

ان میں سے ایک حکام کے ان مراسلات کا جواب دینا ہے جو تمہارے
منشیوں کے بس میں نہ ہوں اور ایک لوگوں کی حاجتیں جب تمہارے سامنے پیش
ہوں اور تمہارے عملہ کے ارکان ان سے جی چرائیں ، تو خود انہیں انجام دینا ہے ۔
روز کا کام اسی روز ختم کردیا کرو ۔ کیونکہ ہر دن اپنے ہی کام کے لئے مخصوص ہوتا
ہے اور اپنے اوقات کا بہتر اور افضل حصہ اللہ کی عبادت کے لئے خاص کردینا ۔
اگرچہ وہ تمام کام بھی اللہ ہی کیلئے ہیں جب نیت بخیر ہواور ان سے رعیت کی خوشحالی ہو۔

ان مخصوص اشغال میں سے کہ جن کے ساتھ تم خلوص کے ساتھ اللہ کے
لئے اپنے دینی فریضہ کو ادا کرتے ہو ان واجبات کی انجام دہی ہونا چاہئے جو اس کی
ذات سے مخصوص ہیں ۔ تم شب و روز کے اوقات میں اپنی جسمانی طاقتوں کا کچھ
حصہ اللہ کے سپرد کردو اور جو عبادت بھی تقرّبِ الٰہی کی غرض سے بجالانا وہ ایسی
ہو کہ نہ اس میں کوئی خلل ہو ، اور نہ کوئی نقص ۔ چاہے اس میں تمہیں کتنی جسمانی
زحمت اٹھانا پڑے ۔

اور دیکھو ! جب لوگوں کو نماز پڑھانا تو ایسی نہیں کہ (طول دے کر)
لوگوں کو بے زار کردو اور نہ ایسی مختصر کہ نماز برباد ہو جائے ۔ اس لئے کہ نمازیوں
میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور ایسے بھی جنہیں کوئی ضرورت پیش ہوتی ہے ۔

چنانچہ جب مجھے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یمن کی طرف روانہ
کیا تو میں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ انہیں نماز کس طرح پڑھاؤں ؟ تو فرمایا کہ
جیسی ان میں کے سب سے زیادہ کمزور و ناتواں کی نماز ہوسکتی ہے اور تمہیں
مومنوں کے حال پر مہربان ہونا چاہئے ۔

اس کے بعد یہ خیال رہے کہ رعایا سے عرصہ تک روپوشی اختیار نہ کرنا ۔ کیونکہ حکمرانوں کا رعایا سے چھپ کر رہنا ایک طرح کی تنگ دلی اور معاملات سے بے خبر رہنے کا سبب ہے اور یہ روپوشی انہیں بھی ان امور پر مطلع ہونے سے روکتی ہے کہ جن سے وہ ناواقف ہیں ۔ جس کی وجہ سے بڑی چیز ان کی نگاہ میں چھوٹی اور چھوٹی چیز بڑی ، اچھائی برائی اور برائی اچھائی ہو جایا کرتی ہے اور حق باطل کے ساتھ مل جل جاتا ہے اور حکمران بھی آخر ایسا ہی بشر ہوتا ہے وہ بھی ان معاملات سے ناواقف رہے گا جو لوگ پوشیدہ رکھیں گے اور حق کی پیشانی پر کوئی نشان تو ہوا نہیں کرتے کہ جس کے ذریعے سے جھوٹ سے سچ کی قسموں کو الگ کر کے پہچان لیا جائے اور پھر تم دو ہی طرح کے آدمی ہوسکتے ہو ۔ یا تو تم ایسے ہو کہ تمہارا نفس حق کی ادائیگی کے لئے آمادہ ہے تو پھر واجب حقوق ادا کرنے اور اچھے کام کر گزرنے سے منہ چھپانے کی ضرورت کیا ؟ اور یا تم ایسے ہو کہ لوگوں کو تم سے کورا جواب ہی ملنا ہے تو جب لوگ تمہاری عطا سے مایوس ہو جائیں گے تو خود ہی بہت جلد تم سے مانگنا چھوڑ دیں گے اور پھر یہ کہ لوگوں کی اکثر ضرورتیں ایسی ہوں گی جن سے تمہاری جیب پر کوئی بار نہیں پڑتا ۔ جیسے کسی کے ظلم کی شکایت یا کسی معاملے میں انصاف کا مطالبہ ۔

اس کے بعد معلوم ہونا چاہیئے کہ حکام کے کچھ خواص اور سرچڑھے لوگ ہوا کرتے ہیں ۔ جن میں خود غرضی ، دست درازی اور بدمعاملگی ہوا کرتی ہے ۔ تم کو ان حالات کے پیدا ہونے کی وجوہ ختم کر کے اس گندے مواد کو ختم کردینا چاہیئے ۔

اور دیکھو ! اپنے کسی حاشیہ نشین اور قرابت دار کو جاگیر نہ دینا اور اسے تم سے توقع نہ بندھنا چاہیئے ، کسی ایسی زمین پر قبضہ کرنے کی جو آبپاشی یا کسی مشترکہ معاملہ میں اس کے آس پاس کے لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہو ، یوں کہ اس کا بوجھ دوسرے پر ڈال دے ۔ اس صورت میں اس کے خوش گوار مزے تو

اس کے لئے ہوں گے نہ تمہارے لئے ، مگر اس کا بدنما دھبہ دنیا و آخرت میں تمہارے دامن پر رہ جائے گا ۔

اور جس پر جو حق عائد ہوتا ہو ، اس پر اس حق کو نافذ کرنا چاہیئے ۔ وہ تمہارا اپنا ہو یا بیگانہ ہو اور اس کے بارے میں تحمل سے کام لینا اور ثواب کے امیدوار رہنا ، چاہے اس کی زد تمہارے کسی قریبی عزیز یا کسی مصاحبِ خاص پر کیسی ہی پڑتی ہو اور اس میں تمہاری طبیعت کو جو گرانی محسوس ہو ، اس کے اخروی نتیجہ کو پیش نظر رکھنا کہ اس کا انجام بہرحال اچھا ہوگا ۔

اگر رعیت کو تمہارے بارے میں کبھی یہ بدگمانی ہوجائے کہ تم نے اس پر ظلم و زیادتی کی ہے تو اپنے عذر کو واضح طور پر پیش کرو اور عذر کر کے ان کے خیالات کو بدل دو ۔ اس سے تمہارے نفس کی تربیت ہوگی اور رعایا پر مہربانی ثابت ہوگی ، اور اس عذر آوری سے ان کو حق پر استوار کرنے کا تمہارا مقصد پورا ہوگا ۔ اگر دشمن ایسی صلح کی تمہیں دعوت دے کہ جس میں اللہ کی رضامندی ہو تو اسے کبھی نہ ٹھکرانا ۔ کیونکہ صلح میں تمہارے لشکر کے لئے آرام و راحت اور خود تمہارے لئے فکروں سے نجات اور شہروں کے لئے امن کا سامان ہے ۔ لیکن صلح کے بعد دشمن سے چوکنا اور خوب ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قرب حاصل کرتا ہے تاکہ تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھائے ۔ لہذا احتیاط کو ملحوظ رکھو اور اس بارے میں حسن ظن سے کام نہ لو اور اگر اپنے اور دشمن کے درمیان کوئی معاہدہ کرو ، یا اسے اپنے دامن میں پناہ دو تو پھر عہد کی پابندی کرو ۔ وعدہ کا لحاظ رکھو اور اپنے قول و قرار کی حفاظت کے لئے اپنی جان کو سپر بنادو ۔ کیونکہ اللہ کے فرائض میں سے ایفائے عہد کی ایسی کوئی چیز نہیں کہ جس کی بناء پر دنیا اپنے الگ الگ نظریوں اور مختلف رایوں کے باوجود یک جہتی سے متفق ہو ۔ اور مسلمانوں کے علاوہ مشرکوں تک نے اپنے درمیان معاہدوں کی پابندی کی

ہے ۔ اس لئے عہد شکنی کے نتیجہ میں انہوں نے تباہیوں کا اندازہ کیا تھا۔ لہذا
اپنے عہد و پیمان میں غداری اور قول و قرار میں بدعہدی نہ کرنا اور اپنے دشمن پر
اچانک حملہ نہ کرنا ۔ کیونکہ اللہ پر جُرأت جاہل بد بخت کے علاوہ دوسرا نہیں کرسکتا
اور اللہ نے عہد و پیمان کی پابندی کو امن کا پیغام قرار دیا ہے کہ جسے اپنی رحمت
سے بندوں میں عام کردیا ہے اور ایسی پناہ گاہ بنایا ہے کہ جس کے دامن حفاظت
میں پناہ لینے اور اس کے جوار میں منزل کرنے کے لئے وہ تیزی سے بڑھتے ہیں ۔
لہذا اس میں کوئی جعل سازی ، فریب کاری اور مکاری نہ ہونا چاہئے اور ایسا کوئی
معاہدہ سرے سے ہی نہ کرو جس میں تاویلوں کی ضرورت پڑنے کا امکان ہو اور
معاہدہ کے پختہ اور طے ہوجانے کے بعد اس کے کسی مبہم لفظ کے دوسرے معنی
نکال کر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو اور اس عہدوپیمانِ خداوندی میں کسی
دشواری کا محسوس ہونا تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہونا چاہئے کہ تم اسے ناحق
منسوخ کرنے کی کوشش کرو ۔ کیونکہ ایسی دشواریوں کو جھیل لے جانا کہ جن سے
چھٹکارے کی اور انجام بخیر ہونے کی امید ہو ، اس بدعہدی کرنے سے بہتر ہے
جسکے برے انجام کا تمہیں خوف اور اس کا اندیشہ ہو کہ اللہ کے یہاں تم سے اس
پر کوئی جواب دہی ہوگی اور اس طرح تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی تباہی ہوگی ۔

دیکھو ! ناحق خونریزیوں سے دامن بچائے رکھنا ، کیونکہ عذابِ الٰہی سے
قریب اور پاداش کے لحاظ سے سخت اور نعمتوں کے سلب ہونے اور عمر کے خاتمہ
کا سبب ناحق خونریزی سے زیادہ کوئی شے نہیں ہے ۔

قیامت کے دن اللہ سبحانہ سب سے پہلے جو فیصلہ کرے گا وہ انہیں
خونوں کا ہوگا جو بندگان خدا نے ایک دوسرے کے بہائے ہیں ۔ لہذا خون ناحق
بہا کر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کی کبھی کوشش نہ کرنا ، کیونکہ یہ چیز اقتدار کو
کمزور اور کھوکھلا کردینے والی ہوتی ہے بلکہ اس کو بنیادوں سے ہلا کر دوسروں کو

سونپ دینے والی ۔ اور جان بوجھ کر قتل کے جرم میں اللہ کے سامنے تمہارا کوئی
عذر چل سکے گا نہ میرے سامنے ، کیونکہ اس میں قصاص ضروری ہے ، اور اگر غلطی
سے تم اس کے مرتکب ہوجاؤ اور سزا دینے میں تمہارا کوڑا یا تلوار یا ہاتھ حد سے بڑھ
جائے اس لئے کہ کبھی گھونسا اور اس سے بھی چھوٹی ضرب ہلاکت کا سبب ہو
جایا کرتی ہے تو ایسی صورت میں اقتدار کے نشہ میں بے خود ہو کر مقتول کا خون
بہا اس کے وارثوں تک پہنچانے میں کوتاہی نہ کرنا ۔

اور دیکھو ! خود پسندی سے بچتے رہنا اور اپنی جو باتیں اچھی معلوم ہوں ان
پر نہ اترانا اور نہ لوگوں کے بڑھا چڑھا کر سراہنے کو پسند کرنا ۔ کیونکہ شیطان کو جو
مواقع ملا کرتے ہیں ، ان میں یہ سب سے زیادہ اس کے نزدیک بھروسے کا ذریعہ
ہے کہ وہ اس طرح نیکو کاروں کی نیکیوں پر پانی پھیردے ۔ اور رعایا کے ساتھ نیکی
کر کے کبھی احسان نہ جتانا اور جو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسے زیادہ نہ سمجھنا
اور ان سے وعدہ کر کے بعد میں وعدہ خلافی نہ کرنا ۔ کیونکہ احسان جتانا نیکی کو
اکارت کردیتا ہے اور اپنی بھلائی کو زیادہ خیال کرنا حق کی روشنی ختم کردیتا ہے اور
وعدہ خلافی سے اللہ بھی ناراض ہوتا ہے اور بندے بھی چنانچہ اللہ تعالیٰ خودفرماتاہے۔
" خدا کے نزدیک یہ بڑی ناراضی کی چیز ہے کہ تم جو کہو اسے کرو نہیں ۔"

اور دیکھو ! وقت سے پہلے کسی کام میں جلد بازی نہ کرنا اور جب اس کا
موقع آجائے تو پھر کمزوری نہ دکھانا اور جب صحیح صورت سمجھ میں نہ آئے تو اس پر
اصرار نہ کرنا ، اور جب طریق کار واضح ہو جائے تو پھر سستی نہ کرنا ۔ مطلب یہ
ہے کہ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھو اور ہر کام کو اس کے موقع پر انجام دو ۔

اور دیکھو ! جن چیزوں میں سب لوگوں کا حق برابر ہوتا ہے ، اسے اپنے
لئے مخصوص نہ کرلینا اور قابل لحاظ حقوق سے غفلت نہ برتنا جو نظروں کے سامنے
نمایاں ہوں ۔ کیونکہ دوسروں کے لئے یہ ذمہ داری تم پر عائد ہے ، اور مستقبل قریب

میں تمام معاملات سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اور تم سے مظلوم کی داد خواہی کرلی جائے گی۔

دیکھو! غضب کی تندی، سرکشی کے جوش، ہاتھ کی جنبش اور زبان کی تیزی پر ہمیشہ قابو رکھو، اور ان چیزوں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جلد بازی سے کام نہ لو اور سزا دینے میں دیر کرو۔ یہاں تک کہ تمہارا غصہ کم ہو جائے اور تم اپنے اوپر قابو پالو اور کبھی یہ بات تم اپنے نفس میں پورے طور پر پیدا نہیں کرسکتے جب تک اللہ کی طرف اپنی بازگشت کو یاد کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ان تصورات کو قائم نہ رکھو۔

اور تمہیں لازم ہے کہ گزشتہ زمانے کی چیزوں کو یاد رکھو۔ خواہ کسی عادل حکومت کا طریق کار ہو، یا کوئی اچھا عمل درآمد ہو۔ یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث ہو یا کتاب اللہ میں درج شدہ کوئی فریضہ ہو۔ تم ان چیزوں کی پیروی کرو جن پر عمل کرتے ہوئے ہمیں دیکھا ہے اور ان ہدایات پر عمل کرتے رہنا جو میں نے اس عہدنامہ میں درج کی ہیں اور اُن کے ذریعہ سے میں نے اپنی حجت تم پر قائم کردی ہے۔ تاکہ تمہارا نفس اپنی خواہشات کی طرف بڑھے تو تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہو۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع رحمت اور ہر حاجت کے پورا کرنے پر عظیم قدرت کا واسطہ دے کر اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمہیں اس کی توفیق بخشے جس میں اس کی رضا مندی ہے کہ ہم اللہ کے سامنے اور اس کے بندوں کے سامنے ایک کھلا ہوا عذر قائم کر کے سرخرو ہوں اور ساتھ ہی بندوں میں نیک نامی اور ملک میں اچھے اثرات اور اس کی نعمتوں میں فراوانی اور روز افزوں عزت کو قائم رکھیں۔ اور یہ کہ میرا اور تمہارا خاتمہ سعادت اور شہادت پر ہو۔ بے شک ہمیں اس کی طرف پلٹنا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

والسلام

قارئین کرام!

آپ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے عہد نامہ کا مطالعہ فرمایا۔ اس عہد نامہ کو اسلام کا دستور اساس کہا جاتا ہے۔ یہ اس ہستی کا ترتیب دیا ہوا ہے جو قانونِ الٰہی کا سب سے بڑا واقف کار اور سب سے زیادہ اس پر عمل پیرا تھا۔ ان اوراق سے امیرالمومنینؑ کے طرزِ جہانبانی کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے پیش نظر صرف قانونِ الٰہی کا نفاذ اور اصلاحِ معاشرت تھا۔ نہ امنِ عامہ میں خلل ڈالنا نہ لوٹ کھسوٹ سے خزانوں کا منہ بھرنا اور نہ توسیعِ سلطنت کے لئے جائز و ناجائز مسائل سے آنکھ بند کرکے سعی و کوشش کرنا ان کا مقصود تھا۔

بیت المال اور علیؑ

حضرت علی علیہ السلام بیت المال کے معاملہ میں انتہائی حساس تھا۔ انہوں نے بیت المال کو ہمیشہ مسلمانوں کا مال تصور کیا اور اپنے ذاتی تصرف میں اسے کبھی نہ لائے۔

سابقہ اوراق میں ہم حضرت عقیل کا واقعہ بیان کرچکے ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے سگے بھائی کو ان کے حق سے زیادہ ایک درہم دینا بھی گوارانہ فرمایا۔ اور شہید کے لئے اپنے فرزند کو نصیحت فرمائی۔

درج بالا واقعات کے علاوہ اور واقعات بھی بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

ہارون بن عنترہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے موسم سرما میں مقام خورنق پر علیؑ کو دیکھا۔ انہوں نے بوسیدہ لباس پہنا ہوا تھا اور سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔

امیرالمومنین! بیت المال میں اللہ نے آپ کا اور آپ کے خاندان کا حصہ رکھا ہے مگر اس کے باوجود آپ نے کوئی گرم چادر تک نہیں خریدی جو آپ

کو سردی کی شدّت سے بچاتی؟

میرے یہ الفاظ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا۔ میں اس میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتا۔ میں یہ معمولی چادر مدینہ سے لے کر آیا تھا [1]۔

حضرت علیؑ نے کوفہ کے دارُالاِمارہ میں قیام نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ایک کچے مکان میں رہائش اختیار کی تھی اور دارُالاِمارہ میں غرباء کو رہائش دی تھی اور آپ نے کپڑے اور غذا خریدنے کے لئے کئی مرتبہ اپنی تلوار فروخت کی تھی۔

عقبہ بن علقمہ بیان کرتے ہیں کہ میں علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں خشک روٹی کا ٹکڑا کھاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا:

امیرالمومنینؑ! آپ روٹی کے خشک ٹکڑے کھا رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ابوالجنوب! رسولِ خدا اس سے بھی زیادہ سوکھی روٹی کھایا کرتے تھے اور میرے کپڑوں کی بہ نسبت زیادہ کھُردرے کپڑے پہنا کرتے تھے اور اگر میں نے حضور اکرمؐ کے طریقہ کو چھوڑ دیا تو ڈر ہے کہ میں ان سے بچھڑ جاؤں گا [2]۔

ابن اثیر رقم طراز ہیں کہ علیؑ کے پاس اصفہان سے مال لایا گیا تو آپ نے اس کے سات حصے کئے اور اس کے بعد قرعہ اندازی کی کہ پہلے حصہ کسے دیا جائے [3]۔

یحیٰ بن مسلمہ راوی ہیں کہ حضرت علیؑ نے عمرو بن مسلمہ کو اصفہان کا والی مقرر کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ بہت سا مال لے کر دربارِ خلافت میں آیا اور اس مال میں چند مشکیں بھی تھیں جن میں شہد اور مکھن تھا۔

---

(۱) استاد عقاد۔ عبقریۃ الامام علیؑ۔ ص ۱۳۔ و کامل ابن اثیر

(۲) عباس محمود عقاد۔ عبقریۃ الامام علیؑ۔ ص۔ ۲۰۔

(۳) الکامل فی التاریخ جلد سوم۔ ص ۲۰۰۔ ۲۰۲۔

امیرالمومنینؑ کی صاحبزادی ام کلثوم نے عمرو کو پیغام بھیجا کہ ان کے پاس مکھن اور شہد بھیجا جائے۔

عمرو نے دو مشکیزے روانہ کردیئے۔ دوسرے دن حضرت علیؑ آئے اور مال کی گنتی کی تو اس میں دو مشکیزے کم نظر آئے۔ عمرو سے ان کے متعلق دریافت کیا تو وہ خاموش رہا۔ آپ نے اسے خدا کا واسطہ دے کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے دو مشکیزے آپ کی صاحبزادی کے پاس بھجوائے ہیں آپ نے اپنی بیٹی کے گھر سے دونوں مشکیزے طلب کئے۔ مشکیزے جب واپس آئے تو اس میں تین درہم کی مقدار کم ہوچکی تھی۔ آپ نے تین درہم کی مقدار میں بازار سے شہد اور مکھن خرید کر انہیں پورا کیا اور بعد ازاں مستحقین میں تقسیم کردیا۔“

سفیان کہتے تھے کہ علیؑ نے محلات نہیں بنائے اور نہ ہی جاگیریں خریدیں اور نہ ہی کسی کا حق غصب کیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی تلوار فروخت کی اور فرمایا کہ
”اگر آج میرے پاس چار درہم ہوتے تو میں اپنی تلوار نہ بیچتا۔“

آپ کا دُستور تھا کہ آپ واقف دکان دار سے سودا نہیں خریدتے تھے اور آپ جو کے آٹے کی تھیلی پر مہر لگا دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف وہی غذا کھانا پسند کرتا ہوں جس کے متعلق مجھے علم ہوتا ہے کہ یہ بالکل طیّب و حلال ہے۔ مشتبہ غذا کھانا مجھے پسند نہیں ہے [1]۔

۳۔ آپؑ کی تواضُع اور عدل

ابن اثیر شعبی کی زبانی رقم طراز ہیں:

حضرت علیؑ کی زرہ گم ہوگئی۔ آپ نے وہ زرہ ایک نصرانی کے پاس

---

(۱) الکامل فی التاریخ۔ جلد سوم ص۔ ۲۰۳۔

دیکھی تو اس نصرانی کو لے کر قاضی شُریح کی عدالت میں آئے اور قاضی کے ایک سمت بیٹھ کر نصرانی سے مباحثہ کرنے لگے اور فرمایا کہ یہ میری زرہ ہے اسے نہ تو میں نے فروخت کیا اور نہ ہی ہبہ کیا ہے۔

شریح نے نصرانی سے کہا کہ تم امیر المومنینؑ کے دعویٰ کے جواب میں کیا کہنا چاہتے ہو؟

تو نصرانی نے کہا؛ زرہ میری ہے لیکن امیر المومنینؑ جھُوٹے نہیں ہیں۔

شریح حضرت علیؑ کی طرف متوجّہ ہوئے اور کہا کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟

حضرت علیؑ ہنّس پڑے اور فرمایا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔

شریح نے زرہ نصرانی کے حوالے کردی اور وہ زرہ لے کر چل پڑا لیکن چند قدم چلنے کے بعد پھر واپس آیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کا فیصلہ ہے۔ امیرالمومنینؑ قدرت رکھنے کے باوجود مجھے قاضی کی عدالت میں لائے اور ان کے قاضی نے ان کے خلاف فیصلہ دیا اور انہوں نے کشادہ رُوئی سے فیصلہ قبول کرلیا۔ یہ زرہ امیرُ المومنینؑ کی ہے اور پھر نصرانی نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت علیؑ کی عادت تھی کہ واقف دکاندار سے سودا نہیں خریدتے تھے تاکہ وہ آپ کو حاکم وقت سمجھ کر رعایت نہ کرے۔ حضرت علیؑ رات کے وقت کھانے کی چیزیں اپنی پُشت پر اٹھاتے اور غرباء و مساکین کے گھروں میں پہنچاتے اور انہیں آپ نے کبھی یہ عِلم نہیں ہونے دیا کہ رات کے وقت ان کی دست گیری کرنے والا کون ہے۔ جب آپ کی شہادت ہوئی تو پھر فقراء و مساکین کو علم ہوا کہ تاریکی شب میں ان کی مدد کرنے والے علیؑ تھے۔

لوگوں کی دینی خدمت کا فرض جب تک ادا نہ کرلیتے حضرت علیؑ مطمئن

نہ ہوتے چنانچہ لوگوں کو نماز پڑھاتے، اپنے قول و عمل سے انہیں تعلیم دیتے، فقراء و مساکین کو کھانا کھلاتے اور ضرورت مندوں اور مسکینوں کو تلاش کرکے ان کو سوال سے بے نیاز کردیتے اور پھر جب رات ہوتی تو لوگوں سے الگ ہوجاتے اور تنہائی میں معمولات عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ تہجُّد کی نماز ادا کرتے اور رات زیادہ ہوجانے پر آرام فرماتے اور پھر صبح اندھیرے ہی مسجد میں چلے آتے اور فرماتے رہتے، نماز نماز اللہ کے بندو نماز؛ گویا مسجد کے سوئے والوں کو بیدار کرتے۔ اس طرح آپ رات میں کسی بھی وقت اللہ کی یاد سے غافل نہ رہتے۔ خلوت میں بھی یاد کرتے اور اس وقت بھی جب لوگوں کے مختلف معاملات کے لئے تدبیریں کرتے رہتے اور اس بات کی طرف لوگوں کو زیادہ متوجّہ کرتے کہ آپؑ سے دینی مسائل دریافت کریں۔

آپ کو اس کا بے حد خیال تھا کہ مال تقسیم کرتے وقت آپ اپنے قول و فعل میں اپنے ارادے اور تقسیم میں مُساوات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ بلکہ سوال کرنے پر جو کچھ آپ دیتے تھے اس میں بھی مساوات کا سخت خیال رکھتے۔ ایک دن آپ کے پاس دو عورتیں آئیں اور اپنی محتاجی کا اظہار کرکے سوال کیا۔ آپ نے مستحق جان کر حکم دیا کہ ان کو کپڑا اور کھانا خرید کر دیا جائے مزید برآں کچھ مال بھی دے دیا لیکن ان میں سے ایک نے کہا کہ اس کو کچھ زیادہ دیجئے کہ وہ عرب ہے اوراس کی ساتھی غیر عرب۔

آپ نے تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں لی اسے دیکھ کر کہا مجھے معلوم نہیں کہ اطاعت اور تقویٰ کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی اللہ نے کسی کو کسی پر فوقیت دی ہے[۱]۔

---

(۱) الفتنۃ الکبری علیؑ وبنوہ۔ ص۔ ۱۰۹۔

۴۔ آپ کی سیاست عامہ کا تجزیہ

حضرت علی علیہ السلام کی حقیقت و فضیلت سے ناآشنا افراد کا یہ خیال ہے کہ حضرت عمر بن خطاب حضرت علیؑ سے زیادہ سیاست دان تھے۔ اگرچہ کہ علی علیہ السلام ان سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

ابو علی سینا اور اس کے ہم مکتب افراد کا یہی نظریہ ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ علیؑ سیاست کے میدان میں اس لئے کامیاب نہیں ہوسکے کیونکہ وہ ہمیشہ شریعت کی حدود و قیود کی پابندی کرتے تھے اور انہوں نے صلح و جنگ اور سیاستِ عامہ میں مصلحتِ عامہ کو مدنظر رکھا جبکہ حضرت عمر مصلحتِ عامہ کو مدنظر رکھ کر اجتہاد کیا کرتے تھے اور موقع کی مناسبت کے مطابق نص عمومی میں تخصیص کرتے تھے اور اپنے مخالفین کے ساتھ حیلہ و فریب کرتے تھے اور "دُرّہ" اور کوڑے کا بے تحاشہ استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات مصلحت کے پیش نظر مجرمین سے درگزر کرتے تھے۔ اور حضرت علیؑ کا طرز عمل اس سے بالکل جداگانہ تھا۔ آپ نصوصِ شرعیہ سے سرِمُو انحراف نہیں کرتے تھے اور اِجتہاد اور قِیاس کے رَوادار نہیں تھے۔ اور دنیاوی اُمور کی مطابقت ہمیشہ دینی امور سے کیا کرتے تھے اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے تھے اور ہر معاملہ میں کتاب و سنت کی پیروی کرتے تھے۔ دینی اور دنیاوی سیاست کی خاطر شریعت کی مخالفت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

دنیاوی سیاست کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اس نے یہ بات کئی لوگوں کے سامنے بھی کہی تھی اور جب اس ملزم کو علی علیہ السلام کی عدالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کسی کو جرم سے پہلے سزا نہیں دے سکتا۔

دینی سیاست کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔ ایک شخص کو چوری کی الزام میں

آپ کی عدالت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا: جب تک واضح ثبوت یا ملزم کی طرف سے اقرار نہ ہو میں محض شک کی بنا پر اس پر حد جاری نہیں کرسکتا۔
حضرت علیؑ کی نظر میں کسی فاسق کو والی مقرر کرنا جائز نہیں تھا اور آپ معاویہ بن ابی سفیان کو فاسق سمجھتے تھے۔ اور انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔

مغیرہ بن شعبہ اور دوسرے سیاست مداروں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ فی الحال معاویہ سے تعرض نہ کریں اور جب دیکھیں کہ حکومت مستحکم ہوگئی ہے تو اسے معزول کردیں۔

آپ نے فرمایا کہ میں ایک اسلامی صوبہ پر معاویہ جیسے فاسق کی حکومت برداشت نہیں کرسکتا اور میں اس کے لئے کسی مداہنت اور فریب کاری کو جائز نہیں سمجھتا۔ طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت کی اور پھر وہ نقض عہد پر تل گئے۔ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عمرہ کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا پہلے تو وعدہ کرو کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا نہ کرو گے جب انہوں نے وعدہ کرلیا تو آپ نے انہیں جانے کی اجازت دی۔

حضرت علیؑ نے انہیں محض شک و شبہ کی بنا پر مدینہ میں رہنے پر مجبور نہیں کیا۔

یہ حضرت علیؑ نے ہمیشہ اصول عدل کی سربلندی کے لئے کام کیا۔ آپ کے اقتدار کا عرصہ اگرچہ قلیل تھا لیکن دنیا نے سیاستِ الٰہیہ کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور تاریخِ انسانی نے مسجدِ کوفہ سے قرآن کے سائے میں قائم ہونے والی ایک عظیم فلاحی ریاست کا نقشہ عملی طور پر دیکھ لیا۔

۵۔ آپؑ کے چند اقوالِ زرّیں

۱۔ جب دنیا کسی پر مہربان ہوتی ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اسے دے دیتی ہے اور جب کسی سے منہ موڑتی ہے تو اس کی ذاتی خوبیاں بھی اس سے چھین لیتی ہے۔

۲۔ میرے بعد تم پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں حق سے زیادہ مخفی کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور باطل سے زیادہ کوئی چیز واضح نہ ہوگی اور اس دور میں اللہ پر زیادہ جھوٹ بولے جائیں گے۔ نیکی کو برائی اور برائی کو اچھائی سمجھا جائے گا۔

۳۔ لوگوں سے ایسی معاشرت رکھو اگر تم مرجاؤ وہ تم پر روئیں اور اگر تم زندہ رہو تو تم سے ملاقات کے خواہش مند ہوں۔

۴۔ بھُوکے شریف اور شِکم سیر کمینے کے حملہ سے بچو۔

۵۔ میرے متعلق دو شخص ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ چاہنے والا جو حد سے بڑھ جائے اور ایک وہ دشمنی رکھنے والا جو عداوت رکھے۔

۶۔ مُنافقین سے بچو کیونکہ وہ گمراہ اور گمراہ کنندہ ہیں۔

۷۔ حاجت روائی تین چیزوں کے بغیر پائیدار نہیں ہوتی۔ اسے چھوٹا سمجھا جائے تاکہ وہ بڑی قرار پائے۔ اسے چھپایا جائے تاکہ وہ خود بخود ظاہر ہو۔ اور اس میں جلدی کی جائے تاکہ وہ خوش گوار ہو۔

۸۔ ہر اس عمل سے بچو جس کا کرنے والا اسے اپنے لئے پسند کرے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے ناپسند کرے اور ہر اس عمل سے بچو جسے خلوَت کی گھڑیوں میں کیا جائے اور جلوَت میں اس سے پرہیز کیا جائے اور ہر اس عمل سے بچو جب اس کے عمل کرنے والے سے اس کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ اس کا انکار کرے اور معذرت پیش کرے۔

۹۔ نیکی کے کرنے والا نیکی سے بہتر اور برائی کرنے والا بُرائی سے بدتر ہے۔

۱۰۔ صبر دو طرح کا ہے۔ ایک ناپسندیدہ امر پر صبر کرنا اور دوسرا پسندیدہ امر سے صبر کرنا۔

۱۱۔ مقام رہنمائی پر فائز ہونے والے کو چاہئے کہ دوسروں کی تعلیم سے قبل خود تعلیم حاصل کرے اور لوگوں کو اپنی زبان سے ادب سکھانے سے قبل خود ادب حاصل کرے۔

۱۲۔ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں اور علیحدہ علیحدہ راستے ہیں۔ جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ آخرت سے نفرت کرتا ہے۔ اور دنیا اور آخرت مشرق و مغرب کی طرح ہیں جتنا کوئی کسی کے قریب ہوتا ہے اتنا ہی دوسرے سے دُور ہوتا ہے۔

۱۳۔ شاہ کا مُصاحب شیر پر سواری کرنے والے کی مانند ہوتا ہے۔ لوگ تو اس پر رشک کرتے ہیں جب کہ اسے خود معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس پر سوار ہے۔

۱۴۔ جس کی نظر میں اس کے نفس کی عزّت ہوتی ہے، اسے خواہشات کم قیمت نظر آتی ہیں۔

۱۵۔ عدل کی ایک صورت ہے اور ظلم کی کئی صورتیں ہیں اسی لئے ظلم کا ارتکاب آسان اور عدل کا جاری کرنا مشکل ہے اور عدل و ظلم کی مثال تیر کے نشانے پر لگنے اور خطا ہو جانے کی مانند ہے۔

صحیح نشانہ کے لئے کافی محنت اور ریاضت کی ضرورت ہے جبکہ غلط نشانے کے لئے محنت اور ریاضت کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۶۔ دنیا دوسری چیزوں سے غافل کردیتی ہے۔ دنیا دار جب ایک چیز حاصل کرلیتا ہے تو اسے دوسری چیز کا حرص لاحق ہوجاتا ہے۔

۱۷۔ تم ایسے زمانے میں رہ رہے ہو جس میں اچھائی منہ موڑ رہی ہے اور برائی

آگے بڑھ رہی ہے۔

لوگوں کے مختلف طبقات پر نگاہ ڈال کر دیکھو تو تمہیں ایسے فقیر نظر آئیں گے جو اپنے فقر کی شکایت کرتے ہوں گے اور تمہیں ایسے دولت مند نظر آئیں گے جو اللہ کی نعمتوں کا انکار کررہے ہوں گے۔ تمہیں ایسے بخیل نظر آئیں گے جو حقوق الٰہی میں کنجوسی کرتے ہوں گے اور ایسے سرکش نظر آئیں گے جن کے کان مواعظ کے سننے سے بہرے ہوچکے ہوں گے۔ اللہ کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ اور برائی سے روکتے ہیں لیکن خود اس پر عمل کرتے ہیں۔

۱۸۔ مُومن کی زبان اس کے دل کے پیچھے اور مُنافق کا دل اس کی زبان کے پیچھے ہوتا ہے۔ کیونکہ مُومن جب کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس پر خوب غور و خوض کرتا ہے، اگر بات اچھی ہوتی ہے تو اسے ظاہر کرتا ہے، اگر بات اچھی نہ ہو تو اسے چھپا لیتا ہے۔ اور منافق ہر وہ بات کہتا ہے جو اس کی زبان پر آتی ہے اور وہ اس بات کی کبھی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کا فائدہ کس بات میں ہے اور نقصان کس بات میں ہے۔

۱۹۔ خُدا کی قسم! معاویہ مجھ سے زیادہ دانا نہیں ہے لیکن وہ غداری اور مکر و فریب سے کام لیتا ہے۔

حسَن علیہ السلام کو وصیت

۲۰۔ صِفّین سے واپسی پر اپنے فرزند حسَنِ مُجتبیٰؑ کو درج ذیل وصیت لکھائی۔ جس کے چیدہ چیدہ نکات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

یہ وصیت ہے اس باپ کی جو فنا ہونے والا اور زمانے کی چیرہ دستیوں کا اقرار کرنے والا ہے۔ جس کی عمر پیٹھ پھرائے ہوئے ہے اور جو زمانے کی سختیوں

سے لاچار ہے اور دنیا کی بُرائیوں کو محسوس کرچکا ہے اور مرنے والوں کے گھروں میں مقیم اور کل کو یہاں سے رختِ سفر باندھ لینے والا ہے۔

اس بیٹے کے نام، جو نہ ملنے والی باتوں کا آرزو مند، جادۂ عدم کا راہ سپار، بیماریوں کا ہدف، زمانے کے ہاتھ گروی، مصیبتوں کا نشانہ، دُنیا کا پابند اور اس کی فریب کاریوں کا تاجر، موت کا قرض دار، اجَل کا قیدی، غموں کا حلیف، حُزن و ملال کا ساتھی، آفتوں میں مُبتلا، نفس سے عاجز اور مرنے والوں کا جانشین ہے۔

میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، اس کے احکام کی پابندی کرنا اور اس کے ذکر سے قلب کو آباد رکھنا اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ تمہارے اور اللہ کے درمیان جو رشتہ ہے اس سے زیادہ مضبوط اور رشتہ ہو بھی کیا سکتا ہے؟

بشرطیکہ مضبوطی سے اسے تھامے رہو۔ وعظ و پند سے دل کو زندہ رکھنا اور زہد سے اس کی خواہشوں کو مردہ، اور یقین سے اسے سہارا دینا اور حکمت سے اسے پر نور بنانا۔ موت کی یاد سے اسے قابو میں کرنا۔ فنا کے اقرار پر اسے ٹھہرانا۔ دنیا کے حادثے اس کے سامنے لانا۔ گردش روزگار سے اسے ڈرانا۔ گزرے ہوؤں کے واقعات اس کے سامنے رکھنا۔ تمہارے پہلے والے لوگوں پر جو بیتی ہے اسے یاد دلانا۔ ان کے گھروں اور کھنڈروں میں چلنا پھرنا۔

اپنی اصل منزل کا انتظام کرو اور اپنی آخرت کا دنیا سے سودا نہ کرو اور جس بات کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے بارے میں زبان نہ ہلاؤ اور جس راہ میں بھٹک جانے کا اندیشہ ہو اس راہ میں قدم نہ اٹھاؤ۔ نیکی کی تلقین کرو تاکہ خود بھی اہل خیر میں محسوب ہو۔ ہاتھ اور زبان کے ذریعہ سے برائی کو روکتے رہو اور جہاں تک ممکن ہو بروں سے الگ رہو۔ خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرو اور اس کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اثر نہ لو۔ حق جہاں ہو،

سختیوں میں پھاند کر اس تک پہنچ جاؤ ۔ دین میں سوجھ بوجھ پیدا کرو ۔ سختیوں کو جھیل لے جانے کے خوگر بنو ۔ اپنے ہر معاملہ میں اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردو۔

میرے فرزند ! میری وصیت کو سمجھو اور یہ یقین رکھو کہ جس کے ہاتھ میں موت ہے ، اسی کے ہاتھ میں زندگی بھی ہے اور جو پیدا کرنے والا ہے ، وہی مارنے والا بھی ہے ، اور جو نیست و نابود کرنے والا ہے ، وہی دوبارہ پلٹانے والا بھی ہے ، اور جو بیمار کرنے والا ہے ، وہی صحت عطا کرنے والا بھی ہے ۔

اے فرزند ! اپنے اور دوسروں کے درمیان ہر معاملہ میں اپنی ذات کو میزان قرار دو اور جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کرو اور جو اپنے لئے نہیں چاہتے ، وہ دوسروں کے لئے بھی نہ چاہو ۔ جس طرح چاہتے ہو کہ تم پر زیادتی نہ ہو ، یونہی دوسروں پر بھی زیادتی نہ کرو ، اور جس طرح یہ چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ حسن سلوک ہو ، یونہی دوسروں کے ساتھ بھی حُسنِ سُلوک سے پیش آؤ ۔ دوسروں کی جس چیز کو برا سمجھتے ہو ، اسے اپنے میں بھی ہو تو بُرا سمجھو اور لوگوں کے ساتھ تمہارا جو رویہ ہو ، اسی رویہ کو اپنے لئے بھی درست سمجھو ۔ دوسروں کے لئے وہ بات نہ کہو ، جو اپنے لئے سننا پسند نہیں کرتے ۔ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے محنت مزدوری کرلینا بہتر ہے ۔ جو زیادہ بولتا ہے وہ بے معنی باتیں کرنے لگتا ہے اور سوچ و بچار سے کام لینے والا صحیح راستہ دیکھ لیتا ہے ۔ نیکوں سے میل جول رکھو گے تو تم بھی نیک ہوجاؤ گے ۔ بُروں سے بچے رہو گے تو ان کے اثرات سے محفوظ رہو گے ۔

بدترین کھانا وہ ہے جو حرام ہو اور بدترین ظُلم وہ ہے جو کسی کمزور اور ناتواں پر کیا جائے ۔ خبردار امیدوں کے سہارے پر نہ بیٹھنا ۔ کیونکہ امیدیں احمقوں کا سرمایہ ہوتی ہیں ۔ تجربوں کو محفوظ رکھنا عقل مندی ہے۔بہترین تجربہ وہ

ہے جو پندو نصیحت دے ۔ جو تم سے حُسنِ ظن رکھے ، اس کے حُسنِ ظن کو سچا ثابت کرو ۔ باہمی روابط کی بنا پر اپنے کسی بھائی کی حق تلفی نہ کرو کیونکہ پھر وہ بھائی کہاں رہا جس کا حق تم تلف کرو ۔ یہ نہ ہونا چاہیئے کہ تمہارے گھر والے تمہارے ہاتھوں دنیا جہاں میں سب سے زیادہ بدبخت ہو جائیں ۔ جو تم سے تعلقات قائم رکھنا پسند ہی نہ کرتا ہو ، اس کے خواہ مخواہ پیچھے نہ پڑو ۔ تمہارا دوست قطع تعلق کرے ، تو تم رشتۂ محبت جوڑنے میں اس پر بازی لے جاؤ اور وہ برائی سے پیش آئے تو تم حسن سلوک میں اس سے بڑھ جاؤ ۔

اے فرزند ! یقین رکھو رزق دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کی تم جُستجو کرتے ہو اور ایک وہ جو تمہاری جُستجو میں لگا ہوا ہے۔ اگر تم اس کی طرف نہ جاؤ گے تو بھی وہ تم تک آکر رہے گا ۔

پردیسی وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔ اور جو حق سے تجاوز کرجاتا ہے اس کا راستہ تنگ ہوجاتا ہے۔ جو اپنی حیثیت سے آگے نہیں بڑھتا ، اس کی منزلت برقرار رہتی ہے ۔ جاہل سے علاقہ توڑنا ، عقل مند سے رشتہ جوڑنے کے برابر ہے ۔ جو دنیا پر اعتماد کرکے مطمئن ہوجاتا ہے ، دنیا اسے دغا دے جاتی ہے۔ جو اسے عظمت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے ، وہ اسے پست و ذلیل کرتی ہے ۔

راستے سے پہلے شریک سفر اور گھر سے پہلے ہمسایہ کے متعلق پوچھ گچھ کرلو۔

خبردار ! اپنی گفتگو میں ہنسانے والی باتیں نہ لاؤ ۔ اگرچہ وہ نقل قول کی حیثیت سے ہوں۔ عورتوں سے ہرگز مشورہ نہ لو کیونکہ ان کی رائے کمزور اور ارادہ سُست ہوتا ہے ۔ انہیں پردہ میں بٹھا کر ان کی آنکھوں کو تاک جھانک سے روکو۔ کیونکہ پردہ کی سختی ان کی عزت و آبرو کو برقرار رکھنے والی ہے۔ ان کا گھروں سے نکلنا اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا کسی ناقابلِ اعتماد کو گھر میں آنے دینا اور اگر بن پڑے تو ایسا کرنا کہ تمہارے علاوہ کسی اور کو وہ پہچانتی ہی نہ ہوں ۔

عورت کو اس کے ذاتی اُمور کے علاوہ دوسرے اختیارات نہ سونپو کیونکہ عورت ایک پھول ہے، وہ کار فرما اور حکمران نہیں ہے۔

۲۱۔ انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔

۲۲۔ جو شخص اپنی قدرو منزلت کو نہیں پہچانتا وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔

۲۳۔ جو شخص بدنامی کی جگہوں پر اپنے کو لے جائے تو پھر اسے برا نہ کہے جو اس سے بدظن ہو۔

۲۴۔ جو خود رائی سے کام لے گا وہ تباہ و برباد ہوگا اور جو دوسروں سے مشورہ لے گا وہ ان کی عقلوں میں شریک ہوجائے گا۔

۶۔ حضرت علیؑ اور انطباقِ آیات

حضرت علی علیہ السلام کے حق میں قرآن مجید کی بہت سے آیات نازل ہوئیں۔ بقول ابن عباس ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے تین سو ساٹھ آیات نازل فرمائیں۔

حضرت علیؑ کی زندگی پر درج ذیل آیات مکمل طور پر منطبق ہوتی ہیں :

۱۔ "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔"

اور جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے تو وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے نعمتیں فرمائی ہیں یعنی انبیاء اور صِدّیقین اور شُہداء اور صالحین اور وہ بہت اچھے رفیق ہیں۔ (سورۃ النساء)

۲۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ۔"

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) تم نہ ڈرو اور نہ گھبراؤ اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمہارے دوست ہیں۔ اور تمہارے لئے جنت میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی خواہش تمہارے دل کریں اور جو کچھ تم پکارو وہ سب موجود ہے۔ (سورۃ فُصِّلت)

۳۔ "وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔"

اور جو کوئی اپنے رب کے مقام عظمت سے خوف کرے اور نفس کو خواہشات سے روک لے تو بے شک جنّت (اسکا) ٹھکانہ ہے۔ (سورۃ النازعات)

کردارِ معاویہ کی چند جھلکیاں

حضرت علی علیہ السلام کے طرزِ زندگی کے بعد ہمیں اس بات کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ہم ان کے حریفوں کے کردار کا تذکرہ کریں کیونکہ "تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا" چیزوں کی پہچان ان کے متضاد سے ہوتی ہے۔

اسی قاعدہ کے پیش نظر ہم امیر المومنینؑ کے بدترین مخالف کے کردار کی تھوڑی سی جھلکیاں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اگر شب تاریک کی ہولناکی نہ ہو تو روز روشن کی عظمت واضح نہیں ہوسکتی اور اگر کسی نے تپتی ہوئی دھوپ کو سرے سے دیکھا ہی نہ ہو تو اس کے لئے نخلستان کی ٹھنڈی چھاؤں کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہوجائے گا۔

اسی طرح سے جس کو ابوجہل کی خباثت کا علم نہ ہو اسے محمدؐ مصطفیٰ صلّی اللہُ علیہ وآلِہ وسلم کی رأفت کا صحیح علم نہ ہوسکے گا اور جب تک کردارِ معاویہ پیش نظر نہ ہو اس وقت تک علی علیہ السلام کی عدالت اجتماعی کی قدرو قیمت کا پتہ نہیں لگ سکے گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ علیؑ کا معاویہ سے مُوازَنہ کرنا ضِدّیَن کے مابین موازنہ قرار پاتا ہے اور حضرت علیؑ اور معاویہ کے کردار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مختصر الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی زندگی جس قدر عدل اجتماعی کے لئے وقف تھی، ویسے ہی معاویہ کی پوری زندگی بے اصولی اور لوٹ مار اور بے گناہوں کے قتل عام کے لئے وقف تھی۔ حضرت علی علیہ السلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلِہ وسلم کے صحیح جانشین تھے، اسی طرح سے معاویہ اپنے باپ کے کردار و فضائل کا صحیح جانشین تھا۔

حضرت علی علیہ السلام حضرت فاطمہؑ بنت اسد اور حضرت خدیجہؑ کی صفات جمیلہ کے وارث تھے جبکہ معاویہ اپنی ماں ہند جگر خوار کی خونخوار عادات کا وارث تھا۔

معاویہ نے مکر و فریب سے اپنا مقصد حاصل کیا اور امت اسلامیہ آج تک اس کے منحوس اثرات سے نجات حاصل نہیں کرسکی۔

معاویہ نے قبائلی عصبیتوں کو ازسرنو زندہ کیا اور مجرمانہ ذہنیت کو جلا بخشی جس کے شعلوں کی تپش آج بھی امت اسلامیہ اپنے بدن میں محسوس کررہی ہے۔ ہم نے اس فصل میں اس کے کردار کی چند جھلکیاں پیش کی ہیں تاکہ انصاف پسند اذہان علی علیہ السلام اور معاویہ کی سیاست کے فرق کو سمجھ سکیں۔

ع وَبِضِدِّھَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ

حضرت حُجر بن عدی کا المیہ

مُوَرّخ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتے ہیں:۔

۵۱ ہجری میں حُجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کیا گیا۔ اور اس کا سبب یہ کہ معاویہ نے ۴۱ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور اسے ہدایت کی کہ: "میں تجھے بہت سی نصیحتیں کرنا چاہتا تھا لیکن تیری فہم و فراست پر اعتماد کرتے ہوئے مجھے زیادہ نصیحتیں نہیں کروں گا لیکن ایک چیز کی خصوصی طور پر تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ علیؑ کی مذمّت اور سبّ وشتم سے کبھی باز نہ آنا اور عثمان کے لئے دعائے خیر کو کبھی ترک نہ کرنا اور علیؑ کے دوستوں پر ہمیشہ تشدد کرنا اور عثمان کے دوستوں کو اپنا مقرّب بنانا اور انہیں عطیات سے نوازنا۔"

مغیرہ نے معاویہ کے حکم پر پورا پورا عمل کیا وہ ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کرتا تھا اور حضرت حُجر بن عدی اسے برملا ٹوک کر کہتے تھے کہ

لعنت اور مذمّت کا حق دار تو اور تیرا امیر ہے اور جس کی تم مذمت کررہے ہو وہ فضل و شرف کا مالک ہے ۔ مغیرہ نے حُجربن عدی اور اس کے دوستوں کے وظائف بند کردیئے حضرت حُجر کہا کرتے تھے کہ بندۂ خدا! تم نے ہمارے عطیات ناحق روک دیئے ہیں تمہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ہمارے عطیات بحال کرو۔

مغیرہ مرگیا اور اس کی جگہ زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر مقرر ہوا۔ زیاد نے بھی معاویہ اور مغیرہ کی سنت پر مکمل عمل کیا اور وہ بدبخت امیر المومنین علیہ السلام پر سبّ و شتم کرتا تھا ۔ حضرت حجر بن عدی ہمیشہ حق کا دفاع کرتے تھے ۔ زیاد نے حجربن عدی اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کرکے زندان بھیج دیا اور ان کے خلاف ان کے "جرائم" کی تفصیل لکھی اور چار گواہوں کے دستخط لئے اور حضرت حجربن عدی کی مخالفت میں جن افراد نے دستخط کئے تھے ان میں طلحہ بن عبید اللہ کے دو بیٹے اسحاق اور موسیٰ اور زبیر کا بیٹا منذر اور عماد بن عقبہ بن ابی معیط سرفہرست تھے پھر زیاد نے قیدیوں کو وائل بن حجر الحضرمی اور کثیر بن شہاب کے حوالے کرکے انہیں شام بھیجا۔

زیاد کے دونوں معتمد قیدیوں کو لے کر شام کی طرف چل پڑے جب "مقام غریین" پر یہ قافلہ پہنچا تو شریح بن ہانی ان سے ملا اور وائل کو خط لکھ کر دیا کہ یہ خط معاویہ تک پہنچا دینا۔ قیدیوں کا قافلہ شام سے باہر "مرج عذرا" کے مقام پر پہنچا تو قیدیوں کو وہاں ٹھہرایا گیا اور وائل اور کثیر زیاد کا خط لے کر معاویہ کے پاس گئے اور معاویہ کو زیاد کا خط دیا جس میں زیاد نے تحریر کیا تھا کہ حُجر بن عدی اور اس کے ساتھی آپ کے شدید ترین دشمن ہیں اور ابوترابؑ کے خیر خواہ ہیں اور حکومت کے کسی فرمان کو خاطر میں نہیں لاتے ، یہ لوگ کوفہ کی سرزمین کو آپ کے لئے تلخ بنانا چاہتے ہیں لہذا آپ جو مناسب سمجھیں انہیں سزا دیں تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہوسکے ۔

اس کے بعد وائل نے شُریح بن ہانی کا خط معاویہ کے حوالے کیا جس میں تحریر تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے زیاد نے اپنے محضر نامہ میں میری گواہی بھی لکھی ہے اور حُجر کے متعلق میری گواہی یہ ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور حج و عمرہ کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عنِ المنکر کرتے ہیں۔ اس کا خون اور مال تم پر حرام ہے ۔

زیاد نے جن محبّانِ علیؑ کو گرفتار کیا تھا ان کے نام درج ذیل ہیں ۔

(۱) حُجربن عدی کندی (۲) ارقم بن عبداللہ کندی (۳) شریک بن شداد حضرمی (۴) صیفی بن فسیل شیبانی (۵) قبیصہ بن صنیع عبسی (۶) کریم بن عفیف خثعمی (۷) عاصم بن عوف بَجَلی (۸) ورقا بن سمی بَجَلی (۹) کدام بن حسان عنزی (۱۰) عبدالرحمان بن حسان عنزی (۱۱) محرر بن شہاب تمیمی (۱۲) عبداللہ بن حویہ سعدی ۔

درج بالا بارہ افراد کو پہلے گرفتار کیا گیا تھا اس کے بعد دو افراد عتبہ بن اخنس بن سعد بن بکر اور سعد بن نمران ہمدانی کو گرفتار کرکے شام بھیجا گیا تو اس طرح سے ان مظلوموں کی تعداد چودہ ہوگئی ۔

حضرت حُجر بن عدی کے واقعہ کو مؤرخ طبری نے یوں نقل کیا ہے :۔

قیس بن عباد شیبانی زیاد کے پاس آیا اور کہا ہماری قوم بنی ہمام میں ایک شخص بنام صیفی بن فسیل اصحابِ حُجر کا سرِ گروہ ہے اور وہ آپ کا شدید ترین دشمن ہے ۔ زیاد نے اسے بلایا ۔ جب وہ آیا تو زیاد نے اس سے کہا کہ "دشمن خدا تو ابوترابؑ کے متعلق کیا کہتا ہے ؟"

اس نے کہا کہ میں ابو ترابؑ نام کے کسی شخص کو نہیں پہچانتا ۔

زیاد نے کہا ! کیا تو علی بن ابی طالبؑ کو بھی نہیں پہچانتا ؟

صیفی نے کہا ! جی ہاں میں انہیں پہچانتا ہوں ۔

زیاد نے کہا ! وہی ابوترابؑ ہے ۔

صیفی نے کہا ! ہرگز نہیں وہ حسنؑ اور حسینؑ کے والد ہیں ۔

پولیس افسر نے کہا کہ امیر اسے ابو ترابؑ کہتا ہے اور تو اسے والد حسنینؑ کہتا ہے ؟ حضرت صیفی نے کہا کہ تیرا کیا خیال ہے اگر امیر جھوٹ بولے تو میں بھی اسی کی طرح جھوٹ بولنا شروع کردوں ؟

زیاد نے کہا ! تم جرم پر جرم کررہے ہو ۔ میرا عصا لایا جائے ۔

جب عصا لایا گیا تو زیاد نے ان سے کہا کہ اب بتاؤ ابو ترابؑ کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہو ؟

صیفی نے فرمایا ! میں ان کے متعلق یہی کہوں گا کہ وہ اللہ کے صالح ترین بندوں میں سے تھے ۔

یہ سن کر زیاد نے انہیں بے تحاشہ مارا اور انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور جب زیاد ظلم کرکے تھک گیا تو پھر حضرت صیفی سے پوچھا کہ تم اب علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو ؟

انہوں نے فرمایا ! اگر میرے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کردیئے جائیں تو بھی میں ان کے متعلق وہی کہوں گا جو اس سے پہلے کہہ چکا ہوں۔ زیاد نے کہا۔ تم باز آجاؤ ورنہ میں تمہیں قتل کردوں گا ۔

حضرت صیفی نے فرمایا کہ اس ذریعہ سے مجھے درجۂ شہادت نصیب ہوگا اور ہمیشہ کی بدبختی تیرے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائے گی ۔

زیاد نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ انہیں زنجیر پہنا کر زندان بھیج دیا گیا ۔ بعد ازاں زیاد نے حضرت حُجر بن عدی اور ان کے دوستوں کے خلاف فرد جرم تیار کی اور ان مظلوم بے گناہ افراد کے خلاف حضرت علی علیہ السلام کے بدترین دشمنوں نے اپنے دستخط ثبت کئے ۔

ابو موسیٰ کے بیٹے ابو بردہ نے اپنی گواہی میں تحریر کیا کہ " میں رب العالمین کو گواہ بناکر کہتا ہوں کہ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی اور امیر کی اطاعت سے انحراف کیا ہے اور لوگوں کو امیر المومنین معاویہ کی بیعت توڑنے کی دعوت دیتے ہیں اور انہوں نے لوگوں کو ابوترابؑ کی محبت کی دعوت دی ہے ۔

زیاد نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ باقی افراد بھی اسی طرح کی گواہی تحریر کریں ۔ میری کوشش ہے کہ میں اس خائن احمق کی زندگی کا چراغ بجھا دوں ۔

عناق بن شرجیل بن ابی دہم التمیمی نے کہا کہ میری گواہی بھی ثبت کرو ۔ مگر زیاد نے کہا ! نہیں ہم گواہی کے لئے قریش کے خاندان سے ابتدا کریں گے اور اس کے ساتھ ان معززین کی گواہی درج کریں گے جنہیں معاویہ پہچانتا ہو ۔

چنانچہ زیاد کے کہنے پر اسحاق بن طلحہ بن عبید اللہ اور موسیٰ بن طلحہ اور اسماعیل بن طلحہ اور مُنذر بن زبیر اور عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط ، عبدالرحمٰن بن ہناد ، عمر بن سعد بن ابی وقاص ، عامر بن سعود بن امیہ ، محرز بن ربیعہ بن عبدالعزیٰ ابن عبدشمس ، عبید اللہ بن مسلم حضرمی ، عناق بن شرجیل ، وائل بن حجر حضرمی ، کثیر بن شہاب حارثی اور قطن بن عبداللہ اور سری بن وقاص حارثی نے دستخط کئے ۔

ان کے علاوہ زیاد نے شُریح قاضی اور شُریح بن ہانی حارثی کی گواہی بھی لکھی قاضی شُریح کہتا تھا کہ زیاد نے مجھ سے حُجر کے متعلق پوچھا تو میں نے کہا تھا کہ وہ قائمُ اللّیل اور صائمُ النہار ہے ۔

شُریح بن ہانی حارثی کو علم ہوا کہ محضر نامہ میں میری بھی گواہی شامل ہے تو وہ زیاد کے پاس آیا اور اسے ملامت کی اور کہا کہ تو نے میری اجازت اور علم کے بغیر میری گواہی تحریر کردی ہے میں دنیا و آخرت میں اس گواہی سے بری ہوں۔ پھر وہ قیدیوں کے تعاقب میں آیا اور وائل بن حُجر کو خط لکھ دیا کہ میرا یہ خط

معاویہ تک ضرور پہنچانا۔ اس نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے حُجر بن عدی کے خلاف میری گواہی بھی درج کی ہے تو معلوم ہو کہ حُجر کے متعلق میری گواہی یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، حج و عمرہ بجالاتا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے۔ اس کی جان و مال انتہائی محترم ہے۔

قیدیوں کو دمشق کے قریب "مرج عذرا" میں ٹھہرایا گیا اور معاویہ کے حکم سے ان میں سے چھ افراد کو قتل کردیا گیا۔ ان شہیدان راہ حق کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حُجر بن عدی رضی اللہ عنہ۔ (۲) شریک بن شدّاد حضرمی (۳) صیفی بن فسیل شیبانی (۴) قبیصہ بن ضبیعہ عبسی (۵) محرز بن شہاب السعدی (۶) کدام بن حیان الغنزی رَضِیَ اللّٰہُ عنھم اجمعین۔

اس کے علاوہ عبدالرحمٰن بن حسّان عنزی کو دوبارہ زیاد کے پاس بھیجا گیا اور معاویہ نے زیاد کو لکھا کہ اسے بدترین موت سے ہمکنار کرو۔ زیاد نے انہیں زندہ دفن کرا دیا[1]۔

ع خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

حضرت حُجر اور ان کے ساتھیوں کی شہادت پر ہند بنت زید نے یہ مرثیہ پڑھا تھا:۔

ترفع اَیُّھَا الْقَمَرُ الْمُنِیْر — تبصر ھَلْ تَرٰی حُجْرَ الْیَسِیْر

یَسِیْرُ اِلٰی مُعَاوِیَۃَ بْنَ حَرْبٍ — لِیَقْتُلَہٗ کَمَا زَعَمَ الْاَمِیْر

اَلَا یَاحُجْرُ حُجْرَ ابْنَ عَدِیٍ — توفتکَ السَّلَامَۃَ وَالسُّرُوْر

یَرٰی قَتْلَ الْخِیَارِ عَلَیْہِ حَقّاً — لَہٗ مِنْ شَرِّ اُمَّتِہٖ وَزِیْر

"اے قمرِ مُنیر! دیکھو تو سہی کہ حُجر جا رہا ہے، حُجر معاویہ بن حرب کے پاس جا رہا ہے، امیر زیاد کہتا ہے کہ معاویہ اسے قتل کرے گا، اے حُجر بن عدی!

(۱) تاریخ طبری۔ جلد ششم۔ ص۔ ۱۵۵۔

تجھے ہمیشہ سلامتی اور خوشیاں نصیب ہوں، معاویہ شریف لوگوں کو قتل کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے اور امت کا بدترین شخص اس کا وزیر ہے۔"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:۔

ایک مسلمان حاکم نے اس گناہ کو مباح اور اس بدعت کو حلال سمجھا اپنے لئے کہ ایسے لوگوں کو موت کی سزا دیدے جن کے خون کی اللہ نے حفاظت چاہی تھی اور پھر موت کا حکم بھی حاکم نے ملزموں کو بلا دیکھے اور ان کی کچھ سنے اور ان کو اپنے دفاع کا کچھ حق دیئے بغیر دیدیا۔ حالانکہ انہوں نے باربار مطلع کیا کہ انہوں نے حاکم کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا۔

اس سانحہ نے دور دور کے مسلمانوں کے دل ہلا دیئے، حضرت عائشہ کو جب معلوم ہوا کہ اس جماعت کو شام بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے عبدالرحمان بن حارث ابن ہشام کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ ان کے بارے میں اس سے گفتگو کریں۔ لیکن جب عبدالرحمٰن پہنچے تو یہ جماعت شہید ہوچکی تھی۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر کو جب اس دردناک واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے عمامہ سر سے اتار کر لوگوں سے اپنا رخ پھیر لیا اور رونے لگے اور لوگوں نے ان کے رونے کی آواز سنی۔

حُجر کا قتل ایک سانحہ ہے۔ اس دور کے بزرگوں میں سے کسی نے اس بات پر شک نہیں کیا کہ یہ قتل اسلام کی دیوار میں ایک شگاف تھا اور خود معاویہ کو بھی اس کا اعتراف تھا چنانچہ وہ اسے اپنے آخری دنوں تک حجر کو نہ بھول سکا اور مرض الموت میں سب سے زیادہ اسے یاد کیا۔ مورّخوں اور راویوں کا بیان ہے کہ معاویہ مَرَضُ الموت میں کہتا تھا: "حُجر تو نے میری آخرت خراب کردی۔ ابن عدی کے ساتھ میرا حساب بہت لمبا ہے۔"[1]

(۱) الفتنۃ الکبریٰ۔ علیؓ و بنوہ۔ ص ۲۴۳۔

غدر معاویہ کے دیگر نمونے

معاویہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے انسانی قدروں کو پامال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔

اس نے حضرت مالک اشتر کے متعلق سنا کہ حضرت علیؑ نے انہیں محمد بن ابی بکر کی جگہ مصر کا گورنر مقرر کیا ہے، تو اس نے ایک زمین دار سے سازش کی کہ اگر تونے مصر پہنچنے سے پہلے مالک کو قتل کردیا تو تجھ سے تیری زمین کا خراج نہیں لیا جائے گا۔

چنانچہ جب حضرت مالک اس علاقے سے گزرے تو اس نے انہیں طعام کی دعوت دی اور شہد میں زہر ملا کر انہیں پیش کیا، جس کی وجہ سے حضرت مالک شہید ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد معاویہ اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ شہد بھی اللہ کا لشکر ہے۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے معاہدہ کرکے معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور حضرت حسن علیہ السلام کی زوجہ جعدہ بنت اشعث سے ساز باز کی کہ اگر وہ انہیں زہر دے کر شہید کردے تو اسے گراں قدر انعام دیا جائے گا اور اس کی شادی یزید سے کی جائے گی۔

امام حسن علیہ السلام کی بیوی نے معاویہ کی انگیخت پر انہیں زہر دیا جس کی وجہ سے وہ شہید ہوئے۔

مُورخ مسعودی لکھتے ہیں کہ ابن عباس کسی کام سے شام گئے ہوئے تھے اور مسجد میں بیٹھے تھے کہ معاویہ کے قصر خضراء سے تکبیر کی آواز بلند ہوئی۔ آواز سن کرمعاویہ کی بیوی فاختہ بنت قرظہ نے پوچھا کہ آپ کو کونسی خوشی نصیب ہوئی ہے جس کی وجہ سے تم نے تکبیر کہی ہے؟ تو معاویہ نے کہا: حسنؑ کی موت کی

اطلاع ملی ہے۔ اسی لئے میں نے با آواز بلند تکبیر کہی ہے[1]۔

زیاد بن ابیہ کا الحاق

زیاد ایک ذہین اور ہوشیار شخص تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں ان کا عامل تھا۔ معاویہ اپنی شاطرانہ سیاست کے لئے زیاد کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا اور اس نے زیاد کو خط لکھا کہ تم حضرت علی علیہ السلام کو چھوڑ کر میرے پاس آجاؤ کیونکہ تم میرے باپ ابوسفیان کے نُطفہ سے پیدا ہوئے ہو۔

زیاد کے نَسَب نامہ میں اس کی ولدیت کا خانہ خالی تھا۔ اسی لئے لوگ اسے زیاد بن ابیہ۔ یعنی زیاد جو اپنے باپ کا بیٹا ہے، کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کو جب معاویہ کی اس مکاری کا علم ہوا تو انہوں نے زیاد کو ایک خط تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے لکھا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ معاویہ نے تمہاری طرف خط لکھ کر تمہاری عقل کو پھسلانا اور تمہاری دھار کو کند کرنا چاہا ہے۔ تم اس سے ہوشیار رہو کیونکہ وہ شیطان ہے جو مومن کے آگے پیچھے اور داہنی بائیں جانب سے آتا ہے تاکہ اسے غافل پاکر اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کی عقل پر چھاپہ مارے۔ واقعہ یہ ہے کہ عمر بن خطاب کےزمانہ میں ابوسفیان کے منہ سے بے سوچے سمجھے ایک بات نکل گئی تھی جو شیطانی وسوسوں میں سے ایک وسوسہ تھی۔ جس سے نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ وارث ہونے کا حق پہنچتا ہے۔ جو شخص اس بات کا سہارا لے کر بیٹھے وہ ایسا ہے جیسے بزمِ مے نوشی میں بِن بلائے آنے والا کہ اسے دھکّے دے کر باہر کیا جاتاہے یا زین فرس میں لٹکے ہوئے اس پیالے کی مانند جو ادھر سے ادھر تھرکتا رہتاہے[2]۔

---

(۱) مروج الذہب و معادن الجوہر۔ جلد دوم۔ ص ۳۰۷۔ (۲) نہج البلاغہ مکتوب ۴۴۔

مسعودی ذکر کرتے ہیں کہ :-

۴۰ ہجری میں معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی بنا لیا اور گواہی کے لئے زیاد بن اسماء، مالک بن ربیعہ اور مُنذر بن عوام نے معاویہ کے دربار میں زیاد کے سامنے گواہی دی کہ ہم نے ابو سفیان کی زبانی سنا تھا کہ زیاد نے میرے نُطفہ سے جنم لیا ہے۔ اور ان کے بعد ابو مریم سلولی نے درج ذیل گواہی دی کہ زیاد کی ماں حرث بن کلدہ کی کنیز تھی اور عبید نامی ایک شخص کے نکاح میں تھی طائف کے محلہ "حارۃ البغایا" میں بدنام زندگی گزارتی تھی اور اخلاق باختہ لوگ وہاں آیا جایا کرتے تھے اور ایک دفعہ ابو سفیان ہماری سرائے میں آکر ٹھہرا اور میں اس دور میں مے خانہ کا ساقی تھا۔ ابو سفیان نے مجھ سے فرمائش کی کہ میرے لئے کوئی عورت تلاش کرکے لے آو۔

میں نے بہت ڈھونڈھا مگر حارث کی کنیز سمیہ کے علاوہ مجھے کوئی عورت دستیاب نہ ہوئی۔ تو میں نے ابو سفیان کو بتایا کہ ایک کالی بھجنگ عورت کے علاوہ مجھے کوئی دوسری عورت نہیں ملی۔ تو ابو سفیان نے کہا ٹھیک ہے وہی عورت ہی تم لاؤ۔

چنانچہ میں اس رات سمیہ کو لے کر ابو سفیان کے پاس گیا اور اسی رات کے نُطفہ سے زیاد کی پیدائش ہوئی۔ اسی لئے میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ معاویہ کا بھائی ہے۔ اس وقت سمیہ کی مالکہ صفیہ کے بھائی یونس بن عُبید نے کھڑے ہو کر کہا۔

معاویہ! اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ ہے کہ "بچہ اسی کا ہے جس کے گھر پیدا ہو اور زانی کے لئے پتھر ہیں" اور تو فیصلہ کررہا ہے کہ بیٹا زانی کا ہے۔ یہ صریحاً کتاب خدا کی مخالفت ہے۔ عبدالرحمن بن ام الحکم نے اس واقعہ کو دیکھ کر یہ شعر کہے تھے:-

اَلَا بَلِّغْ مُعَاوِیَةَ بْنَ حَرْبٍ — مُغَلْغَلَةً مِّنَ الرَّجُلِ الْیَمَانِی

اَتَغْضَبُ اَنْ یُّقَالَ اَبُوْكَ عَفٌّ — وَ تَرْضٰی اَنْ یُّقَالَ اَبُوْكَ زَانِی

فَاَشْهَدُ اَنَّ رَحْمَكَ مِنْ زِیَادٍ — كَرَحْمِ الْفِیْلِ مِنْ وَّلَدِ الْاَتَانِ

"ایک یمنی آدمی کا پیغام معاویہ بن حرب کو پہنچا دو۔ کیا تم اس بات پر غصّہ ہوتے ہو کہ تمہارے باپ کو پاک باز کہا جائے اور اس پر خوش ہوتے ہو کہ اسے زانی کہا جائے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا زیاد سے وہی رشتہ ہے جو ہاتھی کا گدھی کے بچے سے ہوتا ہے۔"

ابن ابی الحدید نے اپنے شیخ ابو عثمان کی زبانی ایک خوبصورت واقعہ لکھا ہے:

"جب زیاد معاویہ کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا اور تازہ تازہ ابوسفیان کا بیٹا بنا تھا اس دور میں زیاد کا گزر ایک محفل سے ہوا جس میں ایک فصیح و بلیغ نابینا ابوالعریان العدوی بیٹھا تھا۔ ابو العریان نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون لوگ گزرے ہیں؟

تو لوگوں نے اسے بتایا زیاد بن ابی سفیان اپنے مصاحبین کے ساتھ گزرا ہے۔ تو اس نے کہا! اللہ کی قسم ابو سفیان نے تو یزید، مُعاویہ، عُتبہ، عنبسہ، حنظلہ اور محمد چھوڑے ہیں۔ یہ زیاد کہاں سے آگیا؟

اس کی یہی بات زیاد تک پہنچی تو زیاد ناراض ہوا۔ کسی مُصاحب نے اسے مشورہ دیا کہ تم اسے سزا نہ دو بلکہ اس کا منہ دولت سے بند کردو۔

زیاد نے دو سو دینار اس کے پاس روانہ کئے۔ دوسرے دن زیاد اپنے مصاحبین سمیت وہاں سے گزرا اور اہل محفل کو سلام کیا۔

نابینا ابو العریان سلام کی آواز سن کر رونے لگا۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا! زیاد کی آواز بالکل ابوسفیان جیسی ہے [1]۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ۔ جلد چہارم۔ ص ۶۸۔

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ معاویہ میں چار صفات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے اس میں ایک بھی ہوتی تو بھی تباہی کے لئے کافی تھی۔

۱۔ اُمّت کے دنیا طلب جہال کو ساتھ ملا کر اقتدار پر قبضہ کیا جبکہ اس وقت صاحب علم و فضل صحابہ موجود تھے۔

۲۔ اپنے شرابی بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا جو کہ ریشم پہنتا تھا اور طنبور بجاتا تھا۔

۳۔ زیاد کو اپنا بھائی بنایا۔ جب کہ رسولِ خداؐ کا فرمان ہے کہ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

۴۔ حُجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو ناحق قتل کیا (۱)۔

اقوالِ معاویہ

معاویہ نے اپنی مرض موت میں یزید کو بلایا اور کہا کہ دیکھو میں نے تمہارے لئے زمین ہموار کردی ہے اور سرکشانِ عرب و عجم کی گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا ہے اور میں نے تیرے لئے وہ کچھ کیا جو کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کے لئے نہیں کرسکتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ امر خلافت کے لئے قریش کے یہ چار افراد حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابو بکر اور عبداللہ بن زبیر تیری مخالفت کریں گے۔

ابن عمر سے زیادہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر باقی لوگ بیعت کرلیں گے تو وہ بھی تیری بیعت کرے گا۔

حسینؑ بن علیؑ کو عراق کے لوگ اس کے گھر سے نکالیں گے اور تجھے ان سے جنگ کرنا پڑے گی۔

عبدالرحمن بن ابو بکر کی ذاتی رائے نہیں ہے وہ وہی کچھ کرے گا جو اس

(۱) الفتنۃ الکبریٰ۔ علیؑ و بنوہ۔ ص ۲۴۸۔

کے دوست کریں گے، وہ لہو ولعب اور عورتوں کا دلدادہ ہے۔ لیکن ابن زبیر سے بچنا وہ شیر کی طرح تجھ پر حملہ کرے گا اور لومڑی کی طرح تجھ سے چال بازی کرے گا۔ اگر تم اس پر قابو پاؤ تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا (۱)۔

۲۔ طبری نے مختلف اسناد سے ابو مسعدہ فزاری کی روایت نقل کی ہے کہ۔ معاویہ نے مجھ سے کہا۔ ابن مسعدہ! اللہ ابوبکر پر رحم کرے نہ تو اس نے دنیا کو طلب کیا اور نہ ہی دنیا نے اسے طلب کیا اور ابن حنتمہ کو دنیا نے چاہا لیکن اس نے دنیا کو نہ چاہا۔ عثمان نے دنیا طلب کی اور دنیا نے عثمان کو طلب کیا اور جہاں تک ہمارا معاملہ ہے تو ہم تو دنیا میں لوٹ پوٹ چکے ہیں۔

۳۔ جب معاویہ کی سازش سے حضرت مالک اشتر شہید ہوگئے تو معاویہ نے کہا: علیؑ کے دو بازو تھے ایک (عمّار یاسر) کو میں نے صِفّین میں کاٹ دیا اور دوسرے بازو کو میں نے آج کاٹ ڈالا ہے۔

۴۔ معاویہ کو رسول خدا نے بد دُعا دی تھی کہ اللہ اس کے شکم کو نہ بھرے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بد دعا نے پورا اثر دکھایا تھا۔ چنانچہ معاویہ دن میں سات مرتبہ کھانا کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ خدا کی قسم پیٹ نہیں بھرا البتہ میں کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ کے متعلق حضرت علیؑ کا تبصرہ

ہم اپنی کتاب کا اختتام بنی ہاشم اور بنی امیہ کے باہمی فرق کے بیان پر کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ہم نے حضرت علی علیہ السلام کے ایک خط کا نہجُ البلاغہ سے انتخاب کیا ہے۔ یہ خط آپؑ نے معاویہ کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اور اس کے متعلق جامع نہج البلاغہ سیّد رضی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے

(۱) الکامل فی التاریخ۔ جلد سوم۔ ص ۲۵۹۔ ۲۶۰

ہیں کہ :- " یہ مکتوب امیر المومنینؑ کے بہترین مکتوبات میں سے ہے ۔"

" تمہارا خط پہنچا ۔ تم نے اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ نے محمدؐ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے دین کے لئے منتخب فرمایا اور تائید و نصرت کرنے والے ساتھیوں کے ذریعے ان کو قوّت و توانائی بخشی ۔

زمانہ نے تمہارے عجائبات پر اب تک پردہ ہی ڈالے رکھا تھا جو یوں ظاہر ہو رہے ہیں کہ تم ہمیں ہی خبر دے رہے ہو ، ان احسانات کی جو خود ہمیں پر ہوئے ہیں اور اس نعمت کی جو ہمارے رسولؐ کے ذریعہ ہم پر ہوئی ہے ۔ اس طرح تم ویسے ٹھہرے جیسے " ہجر " (۱) کی طرف کھجوریں لاد کر جانے والا یا اپنے استاد کو تیر اندازی کی دعوت دینے والا ۔

تم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام میں سب سے افضل فلاں اور فلاں (ابو بکر و عمرؓ) ہیں ۔ یہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر صحیح ہو تو تمہارا اس سے واسطہ نہیں اور غلط ہو تو تمہارا اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا ۔

اور بھلا تم کہاں اور یہ بحث کہاں ؟ افضل کون ہے اور غیر افضل کون ہے ۔ حاکم کون ہے اور رعایا کون ہے ؟

بھلا " طُلقاء " (آزاد کردہ لوگوں) اور ان کے بیٹوں کو یہ حق کہاں ہوسکتا ہے کہ وہ مہاجرین اوّلین کے درمیان امتیاز کرنے ، ان کے درجے ٹھہرانے اور ان کے طبقے پہچنوانے بیٹھیں ؟

کتنا نامناسب ہے کہ جوئے کے تیروں میں نقلی تیر آواز دینے لگے اور کسی معاملہ میں وہ فیصلہ کرنے بیٹھے جس کے خود خلاف ۔ بہرحال اس میں فیصلہ ہوتا ہے ۔

اے شخص ! تو اپنے پیر کے لنگ کو دیکھتے ہوئے اپنی حد پر ٹھہرتا کیوں

(۱) " ہجر " ایک جگہ کا نام ہے جہاں کھجوریں بکثرت ہوتی ہیں ۔

نہیں اور اپنی کوتاہ دستی کو سمجھتا کیوں نہیں اور پیچھے ہٹ کر رُکتا کیوں نہیں ؟ جبکہ قضا و قدر کا فیصلہ تجھے پیچھے ہٹا چکا ہے ۔ آخر تجھے کسی مغلوب کی شکست سے اور فاتح کی کامرانی سے سروکار ہی کیا ہے ؟

تمہیں محسوس ہونا چاہئے کہ تم حیرت و سرگشتگی میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہو اور راہ راست سے منحرف ہو ۔ آخر تم نہیں دیکھتے اور یہ میں جو کہتا ہوں ، تمہیں کوئی اطلاع دینا نہیں ہے بلکہ اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کرنا ہے کہ مہاجرین و انصار کا ایک گروہ خدا کی راہ میں شہید ہوا اور سب کے لئے فضیلت کا ایک درجہ ہے ۔ مگر جب ہم میں سے شہید نے جامِ شہادت پیا تو اسے سیّدُ الشہدا کہا گیا (۱) ۔

اور پیغمبرؐ نے صرف اسے یہ خصوصیت بخشی کہ اس کی نماز جنازہ میں ستّر تکبیریں کہیں اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ بہت لوگوں کے ہاتھ خدا کی راہ میں کاٹے گئے اور ہر ایک کے لئے ایک حد تک فضیلت ہے مگر جب ہمارے آدمی کے ساتھ یہی ہوا جو اوروں کے ساتھ ہوچکا تھا تو اسے " اَلطَّیَّارُ فِی الْجَنَّۃِ " (جنّت میں پرواز کرنے والا) اور " ذُوالجَنَاحَیْن " (دو پروں والا) کہا گیا (۲) ۔

اور اگر خدا نے خود ستائی سے روکا نہ ہوتا تو بیان کرنے والا اپنے وہ فضائل بیان کرتا کہ مؤمنوں کے دل جن کا اعتراف کرتے ہیں اور سننے والوں کے کان انہیں اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتے ۔ ایسوں کا ذکر کیوں کرو جن کا تیر نشانوں سے خطا کرنے والا ہے ۔

ہم وہ ہیں جو براہِ راست اللہ سے نعمتیں لے کر پروان چڑھے ہیں اور دوسرے ہمارے احسان پروردہ ہیں ۔ ہم نے اپنی نسل بعد نسل چلی آنے والی

(۱) رسول خدا نے حضرت حمزہؓ کو سیّدُ الشہداء کا لقب دیا تھا ۔

(۲) حضرت علیؑ کے بڑے بھائی حضرت جعفرؑ کے دونوں بازو جنگِ موتہ میں قلم ہوئے تھے تو رسول خدا نے فرمایا تھا : میں نے جعفر کو دیکھا کہ وہ جنّت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کر رہا ہے ۔ اللہ نے اسے دو زمرّدیں پر عطا کئے ہیں ۔

عزّت اور تمہارے خاندان پر قدیمی برتری کے باوجود کوئی خیال نہ کیا اور تم سے میل جول رکھا اور برابر والوں کی طرح رشتے دیئے لئے حالانکہ تم اس منزلت پر نہ تھے۔

اور تم ہمارے برابر ہو کیسے سکتے ہو جب کہ ہم میں نبیؐ ہیں اور تم میں جھٹلانے والا (۱)۔ اور ہم میں اَسَدُ اللہ اور تم میں اسدُ الاحلاف (۲)۔ اور ہم میں دو سردار جوانانِ اہلِ جنّت اور تم میں جہنّمی لڑکے (۳)۔ ہم میں سردارِ زنانِ عالمیان اور تم میں " حَمَّالَةُ الْحَطَب " (۴)۔

اور ایسی ہی بہت سی باتیں جو ہماری بلندی اور تمہاری پستی کی آئینہ دار ہیں ۔ چنانچہ ہمارا ظہور اسلام کے بعد کا دور بھی وہ ہے جس کی شہرت ہے اور جاہلیت کے دور کا بھی ہمارا امتیاز ناقابل انکار ہے اور اس کے باوجود جورہ جائے وہ اللہ کی کتاب ہمارے لئے جامع الفاظ میں بتا دیتی ہے ۔ ارشادِ الٰہی ہے :

" قرابت دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں ۔"

اور دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا ۔

" ابراہیمؑ کے زیادہ حقدار وہ لوگ تھے جو ان کے پیروکار تھے اور یہ نبیؐ

---

(۱) جھٹلانے والوں میں سرفہرست معاویہ کا باپ ابوسفیان تھا ۔

(۲) رسولِ خدؐا نے حضرت حمزہؓ کو " اَسَدُ اللہ " (اللہ کا شیر) کا لقب دیا تھا اور معاویہ کا نانا عُتبہ بن ربیعہ " اسدُ الاحلاف " ہونے پر نازاں تھا ۔ یعنی حلف اٹھانے والی جماعت کا شیر ۔

(۳) امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام کے متعلق رسول خدؐا کی مشہور حدیث ہے :۔ " اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ " حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں ۔ اور جہنمی لڑکوں سے مُراد عُتبہ بن ابی معیط کے لڑکوں کی طرف اشارہ ہے ۔ پیغمبر اکرمؐ نے عُتبہ سے کہا تھا :۔ " لَكَ وَلَهُمُ النَّارُ " تیرے اور تیرے لڑکوں کے لئے جہنّم ہے ۔

(۴) حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے لئے رسولِ خدؐا کا فرمان ہے :۔ " اَلْفَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ " فاطمہؑ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہے ۔ " حَمَّالَةُ الْحَطَب " سے مراد معاویہ کی پھوپھی ام جمیل بنت حرب ہے جو کہ ابولہب کے گھر میں تھی اور یہ کانٹے جمع کرکے رسولِ خدؐا کی راہ میں بچھایا کرتی تھی ۔ قرآن مجید میں ابولہب کے ساتھ اس کا تذکرہ ان لفظوں میں ہے :۔ " سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ " وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی لکڑیوں کا بوجھ اٹھائے پھرتی ہے ۔

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ بھی ایمان والوں کا سرپرست ہے ۔"

تو ہمیں قرابت کی وجہ سے بھی دوسروں پر فوقیت حاصل ہے اور اطاعت کے لحاظ سے بھی ہمارا حق فائق ہے ۔

اور سقیفہ کے دن جب مہاجرین نے رسولؐ کی قرابت کو استدلال میں پیش کیا تو انصار کے مقابلے میں کامیاب ہوئے ۔ تو ان کی کامیابی اگر قرابت کی وجہ سے تھی تو پھر خلافت ہمارا حق ہے نہ کہ ان کا ۔

اور اگر اِستحقاق کا کوئی اور معیار ہے تو انصار کا دعوی اپنے مقام پر برقرار رہتا ہے ۔ اور تم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ میں نے سب خُلفاء پر حَسد کیا ہے اور ان کے خلاف شورشیں کھڑی کی ہیں اگر ایسا ہی ہے تو اس سے میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم سے معذرت کروں ۔ بقول شاعر

"یہ ایسی خطا ہے جس سے تم پر کوئی حَرف نہیں آتا"

اور تم نے لکھا ہے کہ مجھے بَیعَت کے لئے یوں کھینچ کر لایا جاتا تھا جس طرح نُکیل پڑے اُونٹ کو کھینچا جاتا ہے ۔

تو خالق کی ہستی کی قسم ! تم اترےتو برائی کرنے پر تھے کہ تعریف کرنے لگے ۔ چاہا تو یہ تھا کہ مجھے رُسوا کرو کہ خود ہی رُسوا ہوگئے ۔ بھلا مسلمان آدمی کے لئے اس میں کون سی عیب کی بات ہے کہ وہ مظلوم ہو ۔ جب کہ وہ نہ اپنے دین میں شک کرتا ہو اور نہ اس کا یقین ڈانواں ڈول ہو اور میری اس دلیل کا تعلق اگرچہ دوسروں سے ہے مگر جتنا بیان یہاں مناسب تھا، تم سے کردیا۔

پھر تم نے میرے اور عثمان کے معاملہ کا ذکر کیا ہے تو وہاں اس میں تجھے حق پہنچتا ہےکہ تجھے جواب دیا جائے کیونکہ تمہاری ان سے قرابت ہے ۔ اچھا تو پھر سچ بتاؤ کہ ہم دونوں میں اس کے ساتھ زیادہ دشمنی کرنے والا اور ان کے قتل کا سرو سامان کرنے والا کون تھا ؟

وہ کہ جس نے اپنی امداد کی پیش کش کی اور انہوں نے اسے بٹھا دیا اور روک دیا یا وہ کہ جس سے انہوں نے مدد چاہی اور وہ ٹال گیا اور ان کے لئے موت کے اسباب مہیا کئے ؟

یہاں تک کہ ان کے مقدّر کی موت نے انہیں گھیرا۔

خدا کی قسم ! اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو جنگ سے دوسروں کو روکنے والے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ اور خود بھی جنگ کے موقع پر برائے نام ٹھہرتے ہیں ۔

بے شک میں اس چیز کے لئے معذرت کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ میں ان کی بعض بدعتوں کو ناپسند کرتا تھا ۔ اگر میری خطا یہی ہے کہ میں انہیں صحیح راہ دکھاتا تھا اور ہدایت کرتا تھا تو اکثر ناکردہ گُناہ ملامتوں کا نشانہ بن جایا کرتے ہیں اور کبھی نصیحت کرنے والے کو بدگمانی کا مرکز بن جانا پڑتا ہے۔ میں نے تو جہاں تک بھی بن پڑا یہی چاہا کہ اصلاح حال ہوجائے اور مجھے توفیق حاصل ہونا ہے تو اللہ سے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی سے لَو لگاتا ہوں ۔

تم نے لکھا کہ : " میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے تمہارے پاس بس تلوار ہے " یہ کہہ کر تو تم روتوں کو ہنسانے لگے بھلا بتاؤ کہ تم نے عبدالمطلب کی اولاد کو کب دشمن سے پیٹھ پھراتے ہوئے پایا اور کب تلواروں سے خوف زدہ ہوتے دیکھا ؟

عنقریب جسے تم طلب کررہے ہو وہ خود تمہاری تلاش میں نکل کھڑا ہوگا اور جسے دور سمجھ رہے ہو وہ قریب پہنچے گا۔ میں تمہاری طرف مہاجرین و انصار اور اچھے طریقے سے ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین کا لشکر جرار لے کر عنقریب اُڑتا ہوا آرہا ہوں ۔ ایسا لشکر کہ جس میں بے پناہ ہجوم اور گرد و غبار ہوگا وہ موت کے کفن پہنے ہوئے ہوں گے اور ہر ملاقات سے زیادہ انہیں لقائے پروردگار

محبوب ہوگی اور ان کے ساتھ شہدائے بدر کی اولاد اور ہاشمی تلواریں ہوں گی ۔ جن کی تیز دھار کی کاٹ تم اپنے ماموں ، بھائی ، نانا اور کنبہ والوں میں دیکھ چکے ہو وہ ظالموں سے اب بھی دور نہیں ہے ۔

کتاب ہذا کے مصادر

۱۔ قرآن مجید
۲۔ صحیح بخاری ۔ دارالطباعۃ العاصرہ ۔ استنبول
۳۔ صحیح مسلم ۔ دارالکتب العربیہ الکبریٰ ۔ مصر
۴۔ طبقات ابن سعد ۔ قاہرہ
۵۔ سیرت ابن ہشام ۔ مطبعہ حجازی محمد ۔ مصر
۶۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۔ مطبعہ مصطفیٰ محمد ۔ مصر
۷۔ فتوحُ البلدان ۔ بلاذری ۔ مطبعہ مصریہ ۔ قاہرہ ۔ طبع اول
۸۔ اَنسابُ الاشراف ۔ بلاذری ۔ مطبعہ عربیہ ۔ القدس ۔ مقبوضہ فلسطین
۹۔ تاریخ طبری ۔ مطبعہ حسینیہ ۔ مصر
۱۰۔ مُروج الذھب ومعادنُ الجوھر ۔ مسعودی ۔ دارالرجاء للطبع والنشر ۔ مصر
۱۱۔ تاریخ کامل ۔ ابن اثیر ۔ مطبعہ منیریہ ۔ مصر
۱۲۔ شرح نہج البلاغہ ۔ ابن ابی الحدید ۔ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ ۔ مصر
۱۳۔ تاریخ ابن خلدون ۔ مطبعہ نہضت ۔ مصر
۱۴۔ کتاب المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار ۔ مقریزی ۔ دارالطباعۃ المصریہ ۔ قاہرہ
۱۵۔ اخبار طوال ۔ دینوری ۔ مطبعۃ السعادۃ ۔ مصر
۱۶۔ عبقریہ الامام علی علیہ السلام ۔ استاد عقاد ۔ مطبعہ المعارف ۔ قاہرہ
۱۷۔ الامام علی بن ابی طالبؑ ۔ عبدالفتاح عبدالمقصود ۔ لُجنۃ النشر ۔ قاہرہ
۱۸۔ الفتنۃ الکبریٰ ۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین ۔
۱۹۔ معاویہ بن ابی سفیان ۔ استاد عقاد ۔ کتاب الحلال ۔ مصر